درجہ خاصہ کی مشکل ترین کتاب
شرح وقایہ آخرین کی آسان ترین مکمل شرح
فتح الوقایہ
لحل
شرح الوقایہ
تالیف
مولانا آفتاب علی
ڈگری ضلع میرپور خاص
مقدمہ : مفتی طارق بشیر دامت برکاتہم صادق آبادی
خصوصیات کتاب
ترجمہ وتشریح ❁ حل عبارت مع الترکیب ❁ فوائد قیود ❁ اعتراض شارح کے جوابات
❁ فقہی اصطلاحات کی وضاحت ❁ کتب فقہ کے حوالہ جات ❁ شارح کے تسامح کا ذکر ❁ احناف کے اختلافی
مسائل میں راجح قول کا تعین ❁ اورجس میں امہات کتب یعنی شامی، فتح القدیر، عنایہ اور بحر الرائق وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے
❁ یہ شرح درجہ رابعہ کے طلباً کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔ جس کے ذریعے نہ صرف امتحان میں کامیابی
بلکہ ہدایہ ثالث اور رابع کا سمجھنا سہل ہو جاتا ہے۔
کتب خانہ مکی
دوکان 35-34 فرسٹ فلور، پاک شاپنگ مال، میرپور خاص (سندھ)
فون 0233-873406 موبائل 0333-2964426

تنقیح الکلام

فی النہی عن قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام

تالیف لطیف

قبلۃ المحققین مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی التوفی ۱۱۷۴ھ

ترجمہ، تلخیص، تحقیق

مولانا آفتاب علی

ڈگری ضلع میرپورخاص

کتب خانہ مکی
میرپورخاص

اس رسالہ میں مخدوم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترکِ قراءت خلف الامام کے دلائل اور ان پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں اور مسئلہ قراءت خلف الامام پر بہترین انداز سے روشنی ڈالی ہے۔

اس کتاب میں بارہویں صدی ہجری کے محقق، سندھ کے شاہ ولی اللہ، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات اور علمی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے

سوانح حیات

قبلۃ المحققین

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی التوفی ۱۱۷۴ھ

تالیف

مولانا آفتاب علی

ڈگری ضلع میرپورخاص

کتب خانہ مکی
میرپورخاص

کتاب الرھن

کتاب الرھن کی کتاب الصید سے مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مال کے حصول کا سبب ہے۔

لغوی معنی:

''رھن'' کے لغوی معنی ''کسی شئی کے بدلے گروی رکھنا''۔

شرعی معنی:

شرعی معنی کا ذکر کتاب میں آئے گا۔ان شاء اللہ۔

دلیل:

اس کے مشروع ہونے کی دلیل کتاب اللہ کی یہ آیت ہے: ''فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ''۔

رکن:

اس کا رکن ایجاب ہے یعنی راہن کا یہ کہنا میں نے تیرے پاس یہ شئی تیرے مجھ پر دین کے بدلے رہن رکھوائی۔

شرط:

رہن کی شرط دو قسم کی ہے۔(۱)شرط اللزوم۔(۲)شرط الجواز۔

شرط اللزوم رھن پر قبضہ کرنا ہے۔

شرط الجواز یہ ہے کہ شئی مرہونہ مقسوم ہو، جدا کی گئی ہو، غیر کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو اور رہن ایسی شئی کے بدلے ہو کہ اس شئی کو رہن سے وصول کرنا ممکن ہو جیسا کہ دین ہے چناں چہ حدود وقصاص کے بدلے رہن صحیح نہیں ہے۔

حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ مرتہن شئی کو اپنے پاس روکنے کا مالک ہو جاتا ہے۔

سبب:

اس کا سبب یہ ہے کہ رہن کی حاجت ہے کیوں کہ کبھی انسان کو ایسا شخص نہیں ملتا جو بلا رہن قرض دے۔

صفت:

اکثر علماء نے فرمایا ہے کہ رہن مرتہن کے ذمے مضمون ہوتا ہے۔

محاسن:

اس کے محاسن میں سے ایک یہ ہے کہ راہن کو دین کے مطالبہ کی تنگی سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔

عبارت:

هو حبس الشئی بحق یمکن اخذه منه کالدین فان الدین یمکن اخذه من المرهون بان یباع المرهون بخلاف العین فان الصورة مطلوبة فیها و لا یمکن تحصیل صورتها من شئی اٰخر و ینعقد بایجاب و قبول غیر لازم ای ینعقد حال کونه غیر لازم فللراهن تسلیمه والرجوع عنه ای تسلیم الرهن معنی المرهون والرجوع عن الرهن بمعنی العقد فاذا سلم فقبض محوزاً ای مقسوما غیر شائع مفرغا ای غیر مشغول بحق الراهن حتی لایجوز رهن الارض بدون النخل و الشجر بدون الثمر و دار فیها متاع الراهن بدون المتاع متمیز الزم ای ان کان متصلا بحق الراهن خلقة کالثمر علی الشجر یجب ان یمیز و یفصل عنه فالمفرغ یتعلق بالمحل فیجب فراغه عما حل فیه کالثمر و هو لیس بمرهون سواء کان اتصاله به خلقة او مجاورة و المتمیز یتعلق بالحال فی المحل فیجب انفصاله عن محل غیر مرهون اذا کان اتصاله به خلقة حتی لو کان اتصاله بالمجاورة لا یضره کرهن المتاع الذی فی بیت الراهن و التخلیة قبض فیه کما فی البیع التخلیة ان یضعه الراهن فی موضع یتمکن المرتهن من اخذه هذا فی ظاهرا الروایة و عن ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ لا یثبت القبض فی المنقول الا بالنقل لا نه قبض موجب للضمان بمنزلة الغصب عند مالک رحمه اللّٰه تعالیٰ یلزم بدون القبض.

ترجمہ:

رہن کسی شئی کو ایسے حق کے بدلے روکنا ہے جس حق کو اس شئی سے لینا ممکن ہو جیسے دین کیوں کہ دَین کو مرہون سے لینا ممکن ہے اس طور پر کہ مرہون کو فروخت کر دیا جائے برخلاف عین کے ہے کیوں کہ عین میں صورت مطلوب ہوتی ہے اور اس کی صورت کو دوسری شئی سے لینا ممکن نہیں ہے اور یہ ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے۔ دراں حالکہ لازم نہیں ہوتا یعنی لازم نہ ہونے کی حالت میں یہ منعقد ہوتا ہے۔ چناں چہ راہن کے لیے اس کو حوالے کرنا اور اس سے رجوع کرنا صحیح ہے۔ یعنی ''رہن'' جو ''مرہون'' کے معنی میں ہے اس کو حوالے کرنا اور رہن جو عقد کے معنی میں ہے اس سے رجوع کرنا لہٰذا جب وہ حوالے کرے تو مرتہن اس پر قبضہ کرے دراں حالکہ وہ ''محوذ'' ہو یعنی تقسیم کیا ہو شائع نہ ہو، دراں حالکہ ''مفرغ'' ہو یعنی راہن کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ لہٰذا زمین کو درختوں کے بغیر اور درختوں کو پھلوں کے بغیر اور وہ گھر جس میں راہن کا سامان ہو اس کو سامان کے بغیر رہن رکھوانا جائز نہیں ہے۔ دراں حالکہ متمیز ہو تو یہ لازم ہو جائے گا۔ یعنی اگر رہن راہن کے حق کے ساتھ خلقۃً متصل ہو۔ جیسے پھل درختوں پر تو یہ واجب ہے کہ ان کو درختوں سے الگ اور جدا کیا جائے۔ لہٰذا مفرغ محل سے متعلق ہے، چناں چہ رہن کا اس شئی سے فارغ ہونا واجب ہے جو اس میں ہے۔ جیسے پھل دراں حالکہ مرہون نہیں ہیں برابر ہے کہ اس کا اتصال رہن کے ساتھ خلقۃً ہو یا مجاورۃً ہو اور متمیز محل میں حال سے متعلق ہے۔ چناں چہ رہن کو ایسے محل سے جدا کرنا واجب ہے جو مرہون نہ ہو، جب کہ رہن کا اس سے اتصال خلقی ہو لہٰذا اگر رہن کا اتصال مجاورۃً ہو تو یہ رہن کو ضرر نہیں دیتا جیسا کہ اس سامان کو رہن رکھوانا جو راہن کے گھر میں ہے اور تخلیہ اس میں قبضہ شمار ہوگا جیسا کہ بیع میں ہے۔ تخلیہ یہ ہے کہ راہن رہن کو ایسی جگہ رکھ دے جس جگہ سے مرتہن کے لیے اس کو لینا ممکن ہو یہ ظاہر الروایۃ ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ منقولی شئی میں

رہن پر قبضہ استیفاء کا قبضہ ہے اس لیے کہ رہن استیفاء کی جانب کے لیے وثیقہ ہے تا کہ یہ وثیقہ استیفاء تک لے جائے چناں چہ یہ من وجہ استیفاء ہے اور ہلاک ہونے سے پختہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب دین قیمت سے اقل ہو تو مرتہن نے دین وصول کر لیا اور زیادتی امانت ہے اور اگر قیمت اقل ہو تو وہ مالیت کے بقدر وصول کرنے والا ہے اور مالیت قیمت ہے چناں چہ وہ زیادتی کا رجوع کرے گا یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رہن قیمت کے بدلے مضمون ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رہن مضمون نہیں ہے بلکہ امانت ہے۔

تشریح:

و ضمن باقل من ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ مرتہن کے پاس رہن ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان کا ذکر کر رہے ہیں چناں چہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مرتہن کے پاس رہن ہلاک ہو گیا تو رہن کی قیمت اور دین کا موازنہ کیا جائے گا ان میں سے جو کم ہو تو رہن اس کے بدلے مضمون ہوگا۔

اعتراض:

اعلم ان ھذا ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت پر ہونے والے اعتراض کو ذکر کر رہے ہیں۔ چناں چہ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں جو "مِن" استعمال ہوا ہے۔ بعض حضرات نے اس "مِنْ" کو وہ "مِنْ" گمان کیا ہے جو اسم تفصیل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے حالاں کہ یہ اسم تفصیل والا "مِنْ" نہیں ہے کیوں کہ اب اگر اس سے یہ مراد لیا جائے کہ رہن قیمت اور دَین میں سے ہر ایک سے اقل کے بدلے مضمون ہوگا تو یہ معنی مراد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ ایک تیسری شئی کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو ان دونوں سے کم قیمت والی ہو اور تیسری شئی مجہول ہے اور اگر اس سے یہ مراد لیا جائے کہ قیمت اور دین کے مجموعہ سے اقل کے بدلے ضامن ہوگا تو یہ بھی مراد نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ مجہول ہے اور اگر "من قیمته و من الدین" میں جو "واؤ" ہے اس کو "او" کے معنی میں لیا جائے اور مراد یہ ہو کہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے اقل کے بدلے مضمون ہے تو یہ مجہول کے بدلے مضمون ہوگا چناں چہ یہ بھی مراد نہیں ہے۔

لہٰذا جب "مِنْ" کو تفضیلیہ ماننے کی صورت میں معنی صحیح نہیں ہوتے تو یہ "مِنْ" بیانیہ ہے چناں چہ مطلب یہ ہوگا کہ رہن اس شئی کے بدلے مضمون ہوگا جو دوسرے سے اقل ہو اور دوسری شئی کبھی قیمت ہوگی اور کبھی دین ہوگی چناں چہ اگر دین قیمت سے اقل ہو تو رہن دین کے بدلے مضمون ہوگا اور اگر قیمت دین سے اقل ہو تو رہن قیمت کے بدلے مضمون ہوگا اور قیمت اور دَین برابر ہو تو رہن دَین کے بدلے مضمون ہوگا۔

فائدہ:

اس عبارت میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے **باقل من قیمه......** میں "اقل کو نکرہ ذکر کیا ہے جس پر علامہ شامی اور صاحب نتائج الافکار رحمہما اللہ نے اعتراض کیا ہے۔ **من شاء فلیراجعه ثمه**"۔ [تکملہ فتح القدیر: ۹/۷۵، شامی: ۶/۴۵۰]

فلو ھلک ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ماقبل گزرنے والے اصول پر تفریع پیش کر رہے ہیں چناں چہ فرمایا کہ اگر دین اور رہن کی قیمت برابر ہو مثلاً دین دس روپے تھا اور رہن کی قیمت بھی دس روپے تھی اور پھر رہن ہلاک ہو گیا تو اب یہ دین کے بدلے ہلاک شمار ہوگا لہٰذا راہن کے ذمے سے رہن ساقط ہو جائے گا۔

اور اگر رہن کی قیمت زائد ہو اور دین کم ہو مثلاً رہن کی قیمت بارہ روپے ہو اور دین دس روپے ہو تو اب جتنی مقدار دین سے زائد ہے وہ مرتہن کے پاس امانت ہے۔ چناں چہ جب رہن ہلاک ہوگا تو گویا مرتہن نے اپنا دین وصول کرلیا اور زیادتی اس کے پاس بلا تعدی ہلاک ہوگئی چناں چہ اس کا ضمان نہیں ہے۔

اور اگر دین کی مقدار زائد ہو اور رہن کی قیمت کم ہو مثلاً دین دس روپے تھا اور رہن کی قیمت آٹھ روپے تھی اور پھر رہن ہلاک ہوگیا تو اب آٹھ روپے کے بقدر مرتہن کا دین ساقط ہوگیا اور دو روپے مرتہن راہن سے لے گا۔

فالحاصل ان..... یعنی مرتہن نے رہن پر اپنا دین وصول کرنے کے لیے قبضہ کیا ہے کیوں کہ رہن لینے کی وجہ سے اس کا دین وصول ہونے کی جانب پختہ ہوگئی ہے اس لیے کہ رہن راہن کو دین ادا کرنے پر مجبور کرے گا گویا مرتہن نے اپنے حق پر من وجہ قبضہ کرلیا ہے۔ لہٰذا رہن ہلاک ہونے کی صورت میں یا تو پورا دین یا رہن کے بقدر دین ساقط ہوجائے گا۔

فائدہ:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو دَین کے ساتھ رہن کی قیمت کا ذکر کیا ہے اس سے مراد رہن کی وہ قیمت ہے جو اس پر قبضہ کرنے کے دن تھی وہ قیمت مراد نہیں ہے جو رہن کے ہلاک ہونے کی دن ہو۔ [درمختار: ۷/۴۸۰]

عبارت:

و للمرتهن طلب دينه من راهنه فانه لا يسقط بالرهن طلب الدين و حبسه به اى حبس الرهن بالدين و حبس رهنه بعد فسخ عقده حتى يقبض دينه او يبرأه فانه لا يبطل الا بالرد على وجه الفسخ لانه يبقى مضمونا ما بقى القبض والدين لا الانتفاع به باستخدام و لا سكنى ولا لبس ولا اجارة الا اعارة و هو متعد لو فعل و لا يبطل الرهن به اى بالتعدى و اذا طلب دينه امر باحضار رهنه فان احضره سلم كل دينه او لا ثم رهنه و ان طلب فى غير بلد العقد ان لم يكن للرهن مؤنة حمل و ان كان سلم دينه بلا احضار رهنه انما يسلم الدين اولاً ليتعين حق المرتهن كما ذكر فى البيع ان الثمن يسلم اولا بهذا المعنى و قوله و ان طلبه متصل بما سبق و هو قوله امر باحضار رهنه اى يومر باحضار الرهن و ان كان طلب الدين فى غير بلد العقد و هذا الحكم و هو الامر باحضار الرهن فى غير بلد العقد انما يثبت ان لم يكن للرهن مؤنة الحمل حتى ان كان للرهن مؤنة الحمل سلم دينه بلا احضار الرهن و لا يكلف مرتهن طلب دينه باحضار رهن وضع عند عدل ولا ثمن رهن باعه المرتهن بامره حتى يقبضه اى ان امر الراهن المرتهن ببيع رهنه فباعه فان لم يقبض الثمن لا يكلف باحضار الثمن اذا طلب دينه و ان قبض الثمن يكلف باحضاره و لا مرتهن معه رهن تمكينه من بيعه حتى يقضى دينه اى لا يكلف مرتهن معه رهن ان يمكن الراهن مع بيع الرهن ثم هذا الحكم و هو عدم التكليف المذكور مغياً الى قضاء الدين و لا من قضى بعض دينه تسليم بعض رهنه حتى يقبض الى قضاء الدين ولا من قضى بعض دينه تسليم بعض رهنه حتى يقبض البقية اى لا يكلف مرتهن قضى بعض دينه تسليم بعض رهنه ثم هذا الحكم و هو عدم التكليف المذكور مغياً الى قبض بقية الدين۔

مطالبے کے وقت مرتہن کوثمن حاضر کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا بشرطیکہ مرتہن نے ثمن پر قبضہ نہ کیا ہواور اگر مرتہن نے ثمن پر قبضہ کرلیا ہوتواب اس کوثمن حاضر کرنے کا مکلّف بنایا جائے گا۔

دوسرا امر یہ ہے کہ اگر رہن مرتہن کے قبضے میں ہوتواب اس کواس بات کا مکلّف نہیں بنایا جائے کہ رہن راہن کے حوالے کردے تاکہ وہ اس کوفروخت کرے کیوں کہ رہن کا حکم یہ ہے کہ مرتہن اس کو اپنے پاس روک کررکھے جب تک دین وصول نہ ہوجائے البتہ جب دین وصول ہوجائے تو مرتہن رہن اس کے حوالے کردے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ رہن مرتہن کے قبضے میں ہے اورراہن نے کچھ دین ادا کردیا تواب مرتہن کوبعض رہن حوالے کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا۔ جب تک مرتہن بقیہ دین پرقبضہ نہ کرلے چناں چہ جب باقی دین پر قبضہ کرلے گا تب مرتہن رہن حوالے کردے گا۔

عبارت:

و له حفظه بنفسه و عياله كالزوجة و الولد والخادم الذين فى عياله و ضمن بحفظه بغير هم و ايداعه و تعديه و جعله خاتم الرهن فى خنصره لا بجعله فى اصبع اخر فان جعله فى الخنصر استعمال و جعله فى اصبع اٰخر لا لعدم العادة بل هو من باب الحفظ و عليه مؤن حفظ و رده الى يده او ر د جزء منه كاجرة بيت حفظه و حافظه فاما جعل الأبق و مداوة الجرح فيقسم على المضمون والامانة اى على المرتهن مؤنة الحفظ كاجرة بيت الحفظ واجرة الحافظ و كذا مؤنة رده الى يد المرتهن ان خرج من يده كجعل الأبق فهو على المرتهن اذا كان قيمة الرهن مثل الدين و كذا مؤنة رد جزء من الرهن الى يد المرتهن كمداواة الجرح اذا كان قيمةمثل الدين اما اذا كان قيمته اكثر منه فيقسم على المضمون والامانة فما هو مضمونه فعلى المرتهن و ما هو امانة فعلى الراهن و هذا بخلاف اجرة بيت الحفظ فان تمامه على المرتهن و ان كان قيمة المرهون اكثر من الدين لان وجوب ذلک بسبب الحبس و حق الحبس فى الكل ثآبت له و على الراهن مؤن تبقيته و اصلاح منافعه لنفقة رهنه و كسوته و اجر راعيه و ظئر و لد الرهن و سقى البستان والقيام باموره.

ترجمہ:

اور مرتہن کے لیے رہن کی حفاظت بذات خوداوراپنی عیال کے ذریعے کرنا صحیح ہے جیسے بیوی اور بچے اوروہ خادم جواس کی عیال میں شامل ہےاور مرتہن ان کے علاوہ سے حفاظت کروانے کی وجہ سے اور رہن کوودیعت رکھوانے اوررہن میں تعدی کرنے اوررہن کی انگوٹھی کو خنصر میں پہننے سے ضامن ہوگا نہ کہ دوسری انگلی میں پہننے سے کیوں کہ انگوٹھی کوخنصر میں پہننا استعمال ہےاوردوسری انگلی میں پہننا استعمال نہیں ہے۔ عادت نہ ہونے کی وجہ سے بلکہ وہ حفاظت کے باب سے ہے اور مرتہن پراس کی حفاظت کی مشقت اوراس کواپنے قبضے کی طرف واپس لوٹانے کی مشقت یا اس کے کسی جزء کوواپس لوٹانے کی مشقت لازم ہے۔ جیسے رہن کی حفاظت کے کمرے اوراس کی حفاظت کرنے والے کی اجرت بہرحال بھاگنے والے غلام کی جعل اورزخم کی دوائی تو یہ مضمون اورامانت پرتقسیم کی جائے گی۔ یعنی مرتہن پر حفاظت کی مشقت لازم ہے جیسے حفاظت کے کمرے اور حافظ کی اجرت اوراسی طرح رہن کومرتہن کے قبضے کی طرف واپس لوٹانے کی اجرت اگررہن اس کے قبضے سے نکل جائے۔ جیسے بھاگنے والے غلام کی جعل تو یہ مرتہن کے ذمے ہے جب کہ رہن کی قیمت دین کے برابر ہواوراسی طرح رہن کے جزء کومرتہن کے قبضے کی طرف واپس لوٹانے کی اجرت جیسے زخم کی دوائی جب کہ اس کی قیمت دین کے برابر

ہو بہر حال جب اس کی قیمت دین سے زیادہ ہو تو اس کو مضمون اور امانت پر تقسیم کیا جائے گا پس جو مضمون ہو وہ مرتہن کے ذمے ہے اور جو امانت ہو تو راہن کے ذمے ہے اور یہ حفاظت کے کمرے کی اجرت کے برخلاف ہے کیوں کہ اس کا پورا ہونا مرتہن کے ذمے ہے اگر چہ مرہون کی قیمت دین سے زیادہ ہو اس لیے کہ ضمان کا واجب ہونا حبس کے سبب سے ہے اور تمام میں حبس کا حق مرتہن کو حاصل ہے اور راہن پر رہن باقی رکھنے کی مشقت اور اس کے منافع کی اصلاح اس رہن کا نفقہ اور اس کے کپڑے اور اس کے چرواہے کی اجرت اور ولدِ رہن کی مرضعہ کی اجرت اور باغ سیراب کرنے کی اجرت اور رہن کے امور سرانجام دینا۔

تشریح:

ولہ حفظہ ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ مرتہن رہن کی بذات خود حفاظت کرے یا اپنی عیال میں کسی شخص سے حفاظت کروائے اور عیال میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اس کے ساتھ رہتا ہو خواہ مرتہن کے ذمے اس کا نفقہ لازم ہو یا لازم نہ ہو جیسے بیوی بچے اور خادم وغیرہ البتہ اگر اپنی عیال کے علاوہ کسی شخص سے رہن کی حفاظت کروائی اور رہن ہلاک ہو گیا تو اب مرتہن اس کی پوری قیمت کا ضامن ہوگا۔ [شامی: ۶/۴۸۵]

و ایداعہ ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ان امور کو ذکر کررہے ہیں جن کے ارتکاب کی وجہ سے مرتہن رہن کی پوری قیمت کا ضامن ہوگا چناں چہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مرتہن نے رہن ودیعت رکھوا دیا یا عاریت یا اجارے پر دے دیا یا اس میں تعدی کی جیسے بلا اجازت اس سے نفع حاصل کیا تو اب مرتہن رہن ہلاک ہونے کی صورت میں پوری قیمت کا ضامن ہوگا اور اسی طرح اگر رہن انگوٹھی تھی چناں چہ مرتہن نے اس کو خنصر میں پہن لیا تو اس کی پوری قیمت کا ضامن ہوگا خواہ اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب ہو یا بالائی طرف ہو خواہ دایاں ہاتھ ہو یا بایاں ہاتھ ہو البتہ اگر کسی دوسری انگلی میں پہن لی تو ضامن نہ ہوگا کیوں کہ یہ پہننا حفاظت کی غرض سے ہے زینت کی غرض سے نہیں ہے۔ [شامی: ۶/۴۸۵]

و علیہ مؤن ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ جو خرچ رہن پر کیا جاتا ہے اس میں کچھ امور کا خرچ راہن کے ذمے اور کچھ امور کا خرچ مرتہن کے ذمے ہے۔ اس مسئلے سے قبل ایک اصول جان لیں۔

اصول:

اصول یہ ہے کہ رہن پر جو خرچ رہن کی مصلحت اور اس کو باقی رکھنے کے لیے کیا جائے گا وہ راہن کے ذمے ہوگا کیوں کہ رہن اس کی ملک ہے اور جو رہن کی حفاظت اور اس کو مرتہن کی طرف یا اس کے کسی جزء کو مرتہن کی طرف واپس لوٹانے پر کیا جائے گا وہ مرتہن کے ذمے ہوگا۔ [بحر الرائق: ۸/۴۴۱، درمختار: ۶/۴۸۷]

اب مسئلہ یہ ہے کہ جس کمرے میں رہن کی حفاظت کی جائے اور جو اس کی حفاظت کرے تو اس کی اجرت مرتہن کے ذمے ہے اور اگر رہن غلام تھا وہ بھاگ گیا پھر اس کو پکڑ کر کسی نے مرتہن کے حوالے کیا تو اس کی مزدوری مرتہن کے ذمے ہے اور اسی طرح اگر رہن جانور یا غلام تھا پھر اس کو زخم لگ گیا تو اس کے علاج کا خرچ مرتہن کے ذمے ہے بشرطیکہ رہن کی قیمت اور دین دونوں برابر ہوں اور اگر رہن کی قیمت زائد ہو اور دین کم ہو تو اب زائد قیمت مرتہن کے پاس امانت ہے اور دین کے بقدر قیمت مضمون ہے ایسی صورت میں بھاگنے والے غلام کو واپس لانے والے کی مزدوری اور اس کے زخم پر ہونے والے خرچے کو مضمون اور امانت پر تقسیم کیا جائے گا مثلاً دین آٹھ سو روپے تھا اور رہن کی قیمت بارہ سو روپے تھی پھر اس رہن پر تین سو روپے خرچ ہوئے تو اب دو سو روپے مرتہن کے ذمے ہیں اور سو روپے راہن کے

ذمے ہیں۔ **وھذا بخلاف** ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرر ہے ہیں کہ یہ تفصیل صرف اسی صورت میں ہے جب رہن یا اس کے جزء کو مرتہن تک واپس لوٹایا جائے بہر حال جہاں تک رہن کی حفاظت پر ہونے والے خرچ کا تعلق ہے وہ سارا مرتہن کے ذمے ہے خواہ رہن کی قیمت دین کے برابر ہو یا دین سے زائد ہو اس لیے کہ اس کا واجب ہونا حبس کی وجہ سے ہے اور حبس کا حق پورے رہن میں مرتہن کو حاصل ہے۔

وعلی الراھن ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرر ہے ہیں کہ جو خرچ رہن کو باقی رکھنے اور اس کے منافع کی اصلاح کے لیے کیا جائے گا وہ راہن کے ذمے ہے جیسے رہن کا نفقہ اور اس کا کپڑا اور اگر رہن جانور ہے تو اس کے چرانے والے کی اجرت اور بچہ ہونے کی صورت میں مرضعہ کی اجرت اور باغ ہونے کی صورت میں اس کو سیراب کرنے کی اجرت اور اس طرح کے تمام امور کا خرچ راہن کے ذمے ہے۔

......☆☆☆☆☆......

باب ما یصح رهنه والرهن به و مالا یصح

عبارت:

لا یصح رهن مشاع و ثمر علی نخل دونه و زرع ارض و نخل ارض دونها لعدم کونه متمیزا و کذا عکسها ای لا یصح رهن نخل بدون ثمر و ارض بدون زرع او نخل لعدم کونه مفرغا فلا یتم القبض و عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ان رهن الارض بدون الشجر جائز لان الشجر اسم للنابت فیکون استثناء الاشجار بمواضعها فیجوز لان الاتصال حنئیذ یکون اتصال مجاورة و رهن النخیل بمواضعها جاز ایضا لان الاتصال حنئیذ اتصال مجاورة و رهن الحر و المدبر والمکاتب و ام الولد.

ترجمہ:

مشاع شئی کو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے اور پھلوں کو درختوں پر درختوں کے بغیر اور زمین کی کھیتی اور زمین کے درختوں کو زمین کے بغیر رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ متمیز نہ ہونے کی وجہ سے اور اسی طرح اس کا عکس ہے۔ یعنی درختوں کو پھلوں کے بغیر اور زمین کو کھیتی اور درختوں کے بغیر رہن رکھنا مفرغ نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا قبضہ تام نہ ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ زمین کو درختوں کے بغیر رہن رکھنا جائز ہے اس لیے کہ درخت نابت (اگی ہوئی شئی) کا نام ہے۔ چناں چہ درختوں کا ان کی جگہوں کے ساتھ استثناء ہوگا۔ لہٰذا یہ جائز ہے اس لیے کہ اس وقت اتصال ''مجاورة'' ہے اور اگر درختوں کو ان کی جگہوں کے ساتھ رہن رکھوایا تو بھی جائز ہے اس لیے کہ اس وقت اتصال ''مجاورة'' اتصال ہے اور آزاد اور مدبر اور مکاتب اور ام ولد کو رہن رکھنا صحیح ہے۔

تشریح:

لا یصح رهن...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء کو بیان کر رہے ہیں جن کو رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے۔

مشاع شئی کو رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے۔ خواہ وہ تقسیم کا احتمال رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو خواہ اس کا شیوع مقارن ہو یا شیوع طاری ہو چناں چہ یہ عقد فاسد ہوگا اگر مرتہن نے مشاع شئی پر قبضہ کر لیا تو اس کا ضامن ہوگا۔ اس کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ رہن متمیز نہیں ہے اور ماقبل میں گزر چکا ہے کہ رہن کا متمیز ہونا ضروری ہے۔ [**ذکر صاحب درمختار حیلة جواز رهن المشاع من شاء فلیراجعه ثمه انا ترکتها مخافة التطویل ۴۹۱/۶**]

و ثمر علی نخیل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ مزید تین اشیاء کا ذکر کر رہے ہیں جن کو رہن رکھنا ناجائز ہے اس مسئلے سے قبل یہ اصول جان لیں کہ شئی مرہون جب غیر مرہون کے ساتھ خلقی طور پر متصل ہو تو ایسی شئی کو رہن رکھوانا ناجائز ہے کیوں کہ صرف مرہون پر

قبضہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ چناں چہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو درختوں کے بغیر اور زمین پر لگی ہوئی کھیتی کو زمین کے بغیر اور زمین پر لگے ہوئے درختوں کو زمین کے بغیر رہن رکھوانا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ رہن متمیز نہیں ہے۔ چناں چہ اس پر قبضہ کرنا ممکن نہیں ہے۔
[درمختار: ۷/۴۹۲]

و کذا عکسها ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرر ہے ہیں کہ جس طرح پھلوں کو درختوں کے بغیر رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے اسی طرح درختوں کو پھلوں کے بغیر رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے اور جس طرح کھیتی اور درختوں کو زمین کے بغیر رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے اسی طرح زمین کو کھیتی اور پھلوں کے بغیر رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ رہن کا مفرغ ہونا ضروری ہے اور یہ رہن مفرغ نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر قبضہ مکمل نہ ہوگا چناں چہ یہ عقد صحیح نہیں ہے۔ البتہ امام صاحب کا زمین اور درخت کی دونوں صورتوں میں اختلاف ہے۔ چناں چہ ان سے روایت ہے کہ زمین کو درختوں کے بغیر رہن رکھوانا جائز ہے۔ اس لیے کہ درخت اگی ہوئی شئی کا نام ہے۔ چناں چہ صرف زمین کو رہن رکھوانے کی صورت میں درختوں کا ان کی جگہوں سمیت استثناء ہو جائے گا۔ یہ استثناء جائز ہے کیوں کہ زمین اور درختوں کا آپس میں اتصال خلقی نہیں ہے بلکہ مجاوری ہے اور رہن کے ممنوع ہونے کے لیے خلقی اتصال ہونا چاہیے مجاوری اتصال کی وجہ سے رہن جائز ہوگا اور اسی طرح اگر کسی نے صرف درخت ان کی جگہوں سمیت رہن رکھوائے تو یہ بھی جائز ہے کیوں کہ اس صورت میں بھی اتصال مجاوری ہوگا۔ خلقی نہ ہوگا اور مجاوری اتصال کی وجہ سے رہن ممنوع نہیں ہوتا۔

رهن الحر والمدبر ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرر ہے ہیں کہ آزاد مکاتب اور مدبر کو رہن رکھوانا جائز نہیں ہے کیوں کہ رہن رکھنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ دین نہ ملنے کی صورت میں اس کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کر لیا جائے اور ان میں سے کسی کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ آزاد مال نہیں ہے اور مکاتب اور مدبر میں مانع موجود ہے۔ [شامی: ۶/۴۹۲]

فائدہ:

یہاں مدبر سے مدبر مطلق مراد ہے اور مدبر مقید مراد نہیں ہے کیوں کہ اس کو فروخت کرنا صحیح ہے۔ [شامی: ۷/۴۹۰] (مدبر مطلق وہ ہے جس کی آزادی کو مولیٰ نے اپنی موت سے معلق کیا ہو اور مدبر مقید وہ ہے جس کی آزادی کو کسی خاص سبب کی موت سے معلق کیا ہو مثلاً مولیٰ نے کہا اگر میں اس سفر میں مر گیا تو تم آزاد ہو)۔

عبارت:

ثم لما ذكر ما لا يجوز رهنه اراد ان يذكر ما لا يجوز الرهن به فقال ولا بالامانات كالوديعة والمستعار و مال المضاربة والشركة و لا بالدرك صورته باع زيد من عمرو دار فرهن بكر عند المشترى شئيا بما يدركه في هذا البيع و كذا لو رهن شئيا بما ذاب له على فلان لا يجوز و لو كفل بهذا يجوز و لا بعين مضمونة بغيرها المراد ان لا تكون مضمونة بالمثل او بالقيمة كمبيع في يد البائع اى باع شيا ولم يسلم فرهن به شئيا لا يجوز لانه اذا هلك العين لم يضمن البائع شئيا لكنه يسقط الثمن و هو حق البائع ولا بالكفالة بالنفس و بالقصاص بالنفس و ما دونها و بالشفعة اى كفل بنفس رجل فرهن بها شئيا ليسلمها و اذا وجب عليه القصاص فرهن شئيا لئلا يمتنع عن القصاص لا يجوز و كذا اذا رهن البائع او المشترى شئيا عند الشفيع ليسلم الدار بالشفعة لا يجوز لعدم الدين في هذا الصور و باجرة النائحة و المغنية و بالعبد الجاني او المديون فانه غير مضمون على

المولی فانه لو هلک لا یکون علی المولی شئی فاذا لم یصح الرهن فی هذه الصور فللراهن ان یاخذ المرهون من المرتهن و لو هلک المرهون فی یدا المرتهن قبل طلب الراهن بلا شئی لانه لا حکم للباطل فبقی القبض باذن المالک۔

ترجمہ:

پھر جب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کوذکر کردیا جن کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے تو اس بات کا ارادہ کیا کہ ان اشیاء کوذکر کریں جن کے بدلے رہن رکھنا جائز نہیں ہے چناں چہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امانات کے بدلے رہن رکھنا جائز نہیں ہے جیسے ودیعت مستعار اور مال مضاربت اور شرکت اور درک کے بدلے رہن رکھنا جائز نہیں ہے اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے عمرو کوایک گھر فروخت کیا پھر بکر نے مشتری کے پاس کوئی شئی رہن رکھوادی اس کے بدلے جومشتری کواس بیع میں لاحق ہوگا اور اسی طرح اگر بکر نے کوئی شئی اس کے بدلے رہن رکھوائی جواس کے لیے فلاں پر واجب ہے تو یہ ناجائز ہے اور اگر کوئی شخص ان کے بدلے کفیل بنے تو یہ جائز ہے اور عین مضمون بغیرھا کے بدلے رہن رکھوانا جائز نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ شئی مثل یا قیمت کے بدلے مضمون نہ ہو، جیسے بائع کے قبضے میں مبیع ہے یعنی ایک شخص نے کوئی شئی فروخت کی اور مشتری کے حوالے نہیں کی چناں چہ اس کے بدلے کوئی شئی رہن رکھوادی تو یہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جب عین ہلاک ہوگئی تو بائع کسی شئی کا ضامن نہ ہوگا لیکن ثمن ساقط ہوگا اور وہ بائع کا حق ہے اور کفالت بالنفس اور قصاص بالنفس اور جواس سے کم ہے کے بدلے رہن اور شفعہ کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے یعنی ایک شخص کسی کے نفس کا کفیل بنا چناں چہ اس کے بدلے کوئی شئی رہن رکھوائی کہ وہ اس کو حوالے کرے گا اور جب کسی پر قصاص واجب ہوا پھر اس نے کوئی شئی رہن رکھوائی کہ وہ قصاص دینے سے نہیں رکے گا تو یہ رہن رکھنا ناجائز ہے اور اسی طرح جب بائع نے یا مشتری نے کوئی شئی شفیع کے پاس رہن رکھوائی کہ وہ گھر پر شفعہ کرنے سے دستبرداری کرلے تو یہ جائز نہیں ہے ان تمام صورتوں میں دین نہ ہونے کی وجہ سے اور نوحہ کرنے والی یا گانا گانے والی کی اجرت کے بدلے اور جانی یا مدیون غلام کے بدلے رہن رکھوانا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ مولی پر مضمون نہیں ہے کیوں کہ اگر یہ ہلاک ہوگیا تو مولی پر کچھ لازم نہ ہوگا پس جب ان صورتوں میں رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے تو راہن کے لیے جائز ہے کہ مرہون مرتہن سے لے لے اور اگر شئی مرہون مرتہن کے قبضے میں راہن کے طلب کرنے سے قبل ہلاک ہوگئی تو بلا کسی شئی کے ہلاک ہوگی اس لیے کہ باطل کے لیے کوئی حکم نہیں ہے۔ لہٰذا قبضہ مالک کی اجازت سے باقی ہے۔

تشریح:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ جب ان اشیاء کو بیان کرچکے جن کو رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے اب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء کا ذکر کررہے ہیں جن کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے چناں چہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امانات کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے امانات سے مراد ودیعت، عاریت پر لی ہوئی شئی، مضاربت کا مال اور شرکت کا مال اور دیگر اشیاء مراد ہیں اس لیے کہ رہن پر قبضہ اس وجہ سے کیا جاتا ہے تاکہ جس کے بدلے رہن رکھوایا گیا ہے اس کے نہ ملنے کی صورت میں رہن سے اس کو وصول کیا جاسکے اور امانات بذات خود مضمون نہیں ہیں۔ چناں چہ ان کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے۔ [تبیین الحقائق: ۷/۱۵۳]

و لا بالدرک ......اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے عمرو کو گھر فروخت کیا اور اس کے ثمن پر قبضہ کرلیا اور گھر عمرو کے حوالے کردیا لیکن عمرو کو اس بات کا خوف ہوا کہ اس گھر کا کوئی مستحق نہ نکل آئے چناں چہ بکر نے عمرو کو اس بات کا یقین دلایا کہ اس گھر کا کوئی مستحق نہیں

نکلے گا اور اس کے بدلے بکر نے عمرو کے پاس کوئی شئی رہن رکھوادی تو یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ رہن پر قبضہ وصولی کے لیے کیا جاتا ہے اور وصولی وجوب کے بعد ہوتی ہے اور یہاں بکر کے ذمے استحقاق سے قبل کچھ واجب نہیں ہے۔ چناں چہ اس کا رہن رکھوانا باطل ہے و لـو کـفـل بهذا ...... یعنی اگر ایک شخص درک کا کفیل بنا کہ اگر اس گھر کا کوئی شخص مستحق نکلا تو میں اس کا کفیل ہوں تو یہ جائز ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ رہن استیفاء کے لیے ہوتا ہے اور وجوب سے قبل استیفاء نہیں ہوتا اور کفالت مطالبے کو لازم کرنا ہے۔ [شامی: ۶/۴۹۲]

و لا بـعـین مضمونة ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اعیان مضمونہ بغیرھا کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے۔ اعیان مضمونہ بغیرھا سے مراد وہ اشیاء ہیں کہ جن کے ہلاک ہونے کے وقت ان کی مثل یا ان کی قیمت واجب نہ ہو جیسے ایک شخص نے کسی کو شئی فروخت کی اور شئی مشتری کے حوالے نہیں کی پھر بائع نے مبیع کے بدلے مشتری کو رہن رکھوایا تو یہ ناجائز ہے اس لیے کہ اگر یہ مبیع بائع کے قبضے میں ہلاک ہوجائے تو بائع پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا بلکہ صرف ثمن ساقط ہوجائے گا اور ثمن بائع کا حق ہے چناں چہ ان کے بدلے رہن لینا جائز نہیں ہے۔

و لا بـالـکـفـالة ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ مزید تین اشیاء کا ذکر کر رہے ہیں جن کے بدلے رہن رکھوانا جائز نہیں ہے۔ پہلی شئی کفالت بالنفس ہے یعنی ایک شخص کسی دوسرے کی ذات کا کفیل بنا اور پھر مکفول لہ کو رہن رکھوایا تو یہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ رہن استیفاء کے لیے ہوتا ہے اور یہاں رہن سے مکفول کو وصول کرنا ممکن نہیں ہے۔

دوسری شئی قصاص ہے خواہ قصاص نفس کا ہو یا کسی عضو کا ہو دونوں کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے کیوں کہ رہن سے قصاص وصول کرنا ممکن نہیں ہے۔

تیسری شئی شفعہ ہے یعنی شفیع نے بائع یا مشتری سے مشفوعہ گھر کے بدلے رہن لے لیا تو یہ ناجائز ہے اس لیے کہ مبیع بائع یا مشتری کے ذمے مضمون نہیں ہے۔ چناں چہ اس کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صورتوں کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان میں دین نہیں ہے۔ چناں چہ ان کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے۔

عبارت:

و لا رهـن خمر و ار تهانها من مسلم او ذمی للمسلم ای لایجوز للمسلم ان یرهن خمرا او یرتهنها من مسلم او ذمـی و لا یضمن به مرتهنا ذمیا و فی عکسه الضمان ای ان رهن المسلم من ذمی خمرا فهلکت فی ید الذمی لا یـضـمـن للمسلم شئیا و ان رهن الذمی من المسلم خمرا فهلکت فی ید المسلم یضمن المسلم للذمی لانها مـال متـقـوم فـی حق الـذمـی دون المسلم وصح بعین مضمونة بالمثل او بالقیمة کالمغصوب و بدل الخلع و الـمـهـر و بـدل الـصـلـح عـن دم عـمد فان هذه الاشیاء اذا کانت قائمة یجب عینها و ان هلک یجب المثل او القیمة فیصح الرهن بها و بالدین و لو موعودا بان رهن لیقرضه کذا فهلکه فی ید المرتهن علیه بما وعده ای ان هـلـک فی ید المرتهن فللراهن علی المرتهن المقدار الذی وعدا قراضه فهلکه بالرفع مبتداء و فی ید المرتهن صفته و علیه خبره و اعلم ان الرهن انما یکون مضمونا بالدین الموعود اذا کان الدین متساویا للقیمة او اقل اما اذا کان اکثر فلا یکون مضمونا بالدین بل بالقیمة و انما لم یذکر هذا القسم لان الظاهر ان لا یکون الدین اکثر من قیمة الرهن و ان کان علی سبیل الندرة فحکمه یعلم مما سبق فاعتمد علی ذلک۔

ترجمہ:

اور شراب کو رہن رکھوانا اور رہن لینا مسلمان یا ذمی سے مسلمان کے لیے ناجائز ہے۔یعنی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ شراب رہن رکھوائے یا مسلمان یا ذمی سے شراب بطور رہن لے اور مسلمان کے لیے شراب کی ضمان نہیں دی جائے گی دراں حالکہ مرتہن ذمی ہو اوراس کے برعکس ضمان ہے یعنی اگر کسی مسلمان نے ذمی کو شراب رہن رکھوائی پھر وہ ذمی کے قبضے میں ہلاک ہوگئی تو ذمی مسلمان کے لیے کسی شئی کا ضامن نہ ہوگا اور اگر ذمی نے مسلمان کو شراب رہن رکھوائی پھر وہ مسلمان کے قبضے میں ہلاک ہوگئی تو مسلمان ذمی کے لیے ضامن ہوگا اس لیے کہ شراب ذمی کے حق میں مال متقوم ہے نہ کہ مسلمان کے حق میں اوراس شئی کے بدلے رہن رکھوانا صحیح ہے جو مثل یا قیمت کے بدلے مضمون ہو جیسے شئی مغصوبہ اور بدلِ خلع اور مہراور قتل عمد سے صلح کا بدل کیوں کہ یہ اشیاء جب موجود ہوں تو ان کی عین واجب ہوتی ہے اور اگر ہلاک ہوجائیں تو مثل یا قیمت واجب ہوتی ہے چناں چہ ان کے بدلے رہن رکھوانا صحیح ہے اور دین کے بدلے رہن رکھوانا صحیح ہے اگر چہ دین موعود ہو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص رہن لے تا کہ راہن کو اتنا قرض دے چناں چہ رہن کا مرتہن کے قبضے میں ہلاک ہونا مرتہن پر اتنا مال لازم کرے گا جس کا مرتہن نے راہن سے وعدہ کیا تھا یعنی اگر وہ شئی مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو راہن کے لیے مرتہن کے ذمے اتنی مقدار ہے جس کے قرض دینے کا مرتہن نے وعدہ کیا تھا۔''فهلكه'' رفع کے ساتھ مبتداء ہے اور''في يد المرتهن''اس کی صفت ہے اور''عليه''اس کی خبر ہے اور تو جان لے کہ رہن اسی وقت دین موعود کے بدلے مضمون ہوتا ہے جب کہ وہ دین قیمت کے برابر یا اس سے کم ہو بہرحال جب زیادہ ہو تو رہن دین کے بدلے مضمون نہ ہوگا بلکہ قیمت کے بدلے مضمون ہوگا اور سوائے اس کے نہیں کہ اس قسم کو ذکر نہیں کیا گیا اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ دین رہن کی قیمت سے زائد نہیں ہوتا اور اگر بطور نادر ہو بھی تو اس کا حکم ماقبل گزرنے والی صورت سے معلوم ہوسکتا ہے تو آپ اس پر اعتماد کریں۔

تشریح:

و صح بعين...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایسی اشیاء کے بدلے رہن رکھوانا صحیح ہے جن کے ہلاک ہونے کی صورت میں قیمت یا مثل لازم ہوتی ہو، جیسے شئی مغصوبہ اگر غاصب کے پاس ہلاک ہوجائے تو اس کے ذمے قیمت یا مثل واجب ہوگی چناں چہ اس کے بدلے رہن رکھوانا بھی صحیح ہے اسی طرح بدل خلع، مہر اور بدلِ صلح کا حکم ہے۔

و بالدين و لو موعودا...... یعنی دین کے بدلے رہن رکھوانا صحیح ہے خواہ وہ دین موعود ہو اس کی صورت یہ ہے کہ طلحہ نے شمس کو کپڑا رہن رکھوایا تا کہ شمس اس کے بدلے پانچ سو روپے قرض طلحہ کو دے دے اور ابھی شمس نے پانچ سو روپے طلحہ کو نہیں دیئے تھے کہ وہ کپڑا شمس کے پاس ہلاک ہوگیا تو اس کے ذمے پانچ سو روپے دینا لازم ہے۔اعلم ان الرهن...... یعنی یہ جو کہا گیا ہے کہ شمس کو پانچ سو روپے دینا لازم ہیں یہ اس صورت میں ہے جب دین جو پانچ سو روپے ہے وہ کپڑے کی قیمت کے برابر یا اس سے کم ہو یعنی کپڑے کی قیمت چھ سو روپے ہو بہرحال اگر دین کپڑے کی قیمت سے زائد ہو مثلاً کپڑا چار سو روپے کا ہو تو ایسی صورت میں رہن دین کے بدلے مضمون نہ ہوگا بلکہ کپڑے کی قیمت کے بدلے مضمون ہوگا یعنی مرتہن کے ذمے پانچ سو روپے جو دین ہے وہ لازم نہ ہوں گے بلکہ کپڑے کی قیمت جو چار سو روپے ہے وہ لازم ہوگی اب رہی یہ بات کہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ صورت کیوں ذکر نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ عموماً دین شئی کی قیمت سے زائد نہیں ہوتا اور اگر کبھی دین زائد ہو تو اس کا حکم معلوم ہو چکا کہ ایسی صورت میں قیمت کے بدلے مضمون ہوگا۔

عبارت:

و براس مال السلم و ثمن الصرف و المسلم فيه فان هلک فی المجلس فقد اخذا و ان افترقا قبل المرهون و هلک بطلا ای اذا رهن براس مال السلم او ثمن الصرف فان هلک الرهن قبل الافتراق فالمرتهن قد استوفی حقه و ان افترقا قبل نقد المرهون به و قبل هلاک المرهون بالطل السلم و الصرف و هذا التفصيل لا يتاتی فی الرهن بالسلم فيه فيصح مطلقا فان هلک الرهن يصير مستوفيا للمسلم فيه فلا يبقی السلم و رهن المسلم فيه ببدله اذا فسخ ای اذا كان الشئی مرهونا بالمسلم فيه ثم فسخا عقد السلم فهو مرهون بالبدل ای يكون لرب السلم ان يحبس الرهن حتی يقبض راس المال و لو هلک رهنه بعد الفسخ هلک به ای اذا رهن المسلم اليه عند رب السلم شئيا بالمسلم فيه ثم فسخا عقد السلم فهلک الرهن فی يد رب السلم فهلكه يكون بالمسلم فيه لانه اذا هلک الرهن صار كان رب السلم استوفی المسلم فيه لان يد المزتهن علی الرهن يد استيفاء فيتقرر بالهلاک فصار كان رب السلام استوفی المسلم فيه ثم فسخا العقد فعلی رب السلم اداء المسلم فيه الی المسلم اليه.

ترجمہ:

اور سلم کے راس المال اور بیع صرف کے ثمن اور مسلم فیہ کے بدلے رہن لینا جائز ہے چناں چہ اگر رہن مجلس میں ہلاک ہو گیا تو مرتہن نے ثمن وصول کر لیا اور وہ دونوں مرہون نقد لینے دینے سے قبل جدا ہو گئے اور مرہون شئ ہلاک ہو گئی تو یہ دونوں عقد باطل ہو گئے یعنی جب ایک شخص نے سلَم کے راس المال یا صَرف کے ثمن کے بدلے رہن رکھوایا پھر اگر رہن جدا ہونے سے قبل ہلاک ہو گیا تو مرتہن نے اپنا حق وصول کر لیا اور وہ دونوں شئ مرہون بہ کے نقد دینے سے قبل اور مرہون کے ہلاک ہونے سے قبل جدا ہو گئے تو بیع سلَم اور صَرف باطل ہو جائے گی اور یہ تفصیل مسلم فیہ کے بدلے رہن رکھوانے کی صورت میں نہیں ہے۔ چناں چہ وہ مطلقاً صحیح ہے لہٰذا اگر رہن ہلاک ہو گیا تو مرتہن مسلم فیہ وصول کرنے والا شمار ہو گا پس سلَم باقی نہ رہے گا اور مسلم فیہ کا رہن اس کے بدل (یعنی راس المال) کے بدلے رہن شمار ہو گا جب عقد فسخ ہو جائے یعنی جب ایک شئ مسلم فیہ کے بدلے مرہون تھی پھر ان دونوں نے عقد سلم فسخ کر دیا تو وہ شئ بدل کے بدلے مرہون ہو گی یعنی رب السلم کے لیے جائز ہے کہ راس المال پر قبضہ کرنے کے لیے رہن روک لے اور اگر مسلم فیہ والا رہن فسخ کے بعد ہلاک ہوا تو مسلم فیہ کے بدلے ہلاک شمار ہو گا یعنی جب مسلم الیہ نے رب السلم کے پاس کوئی شئ رہن رکھوائی پھر ان دونوں نے عقد فسخ کر دیا پھر رہن رب السلم کے قبضے میں ہلاک ہو گیا تو اس کا ہلاک ہونا مسلم فیہ کے بدلے شمار ہو گا یعنی رب السلم پر لازم ہے کہ مسلم الیہ کو اس اناج کی مقدار واپس کرے جو مسلم فیہ ہے اس لیے کہ جب رہن ہلاک ہو گیا تو ایسا ہو گا کہ رب السلم نے مسلم فیہ وصول کر لی کیوں کہ مرتہن کا رہن پر قبضہ استیفاء والا قبضہ ہے۔ لہٰذا ہلاکت ثابت ہو گئی پس یہ ایسا ہو گیا کہ رب السلم نے مسلم فیہ وصول کر لی پھر ان دونوں نے عقد فسخ کر دیا چناں چہ رب السلم پر مسلم الیہ کو مسلم فیہ ادا کرنا لازم ہے۔

تشریح:

و براس مال السلم...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ بیع سلم میں راس المال اور مسلم فیہ کے بدلے رہن رکھنا صحیح ہے اور اسی طرح بیع صَرف کے ثمن کے بدلے بھی رہن رکھنا صحیح ہے۔

بیع سلم کی صورت یہ ہے کہ کلیم نے عابد سے سو روپے کے بدلے دس کلو گندم میں عقد سلم کیا اور ابھی کلیم نے جو رب السلم ہے، راس المال نہیں دیا تھا کہ اس نے عابد کو راس المال کے بدلے کوئی شئی رہن رکھوادی تو یہ صحیح ہے یا اسی طرح عابد جو مسلم الیہ ہے نے مسلم فیہ کے بدلے کلیم کو کوئی شئی رہن رکھوادی تو یہ صحیح ہے اور بیع صرف کی صورت یہ ہے کہ خالد نے عمر سے ایک درہم کے بدلے ایک دینار خریدا اور ابھی خالد نے ایک درہم نہیں دیا تھا اور اس کے بدلے عمرو کے پاس رہن رکھوادیا تو یہ صحیح ہے۔

فـان هلـک ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ اشیاء کے بدلے رہن کے صحیح ہونے کا فائدہ بیان کر رہے ہیں چناں چہ اگر راس المال یا صرف کے ثمن کے بدلے رہن رکھوایا تھا اور وہ رہن مجلسِ عقد میں ہلاک ہوگیا تو مرتہن اپنا حق وصول کرنے والا شمار ہوگا۔ لہٰذا اگر مرتہن مسلم الیہ ہو تو اس کو مسلم فیہ دینا ضروری ہوگیا اور اگر مرتہن بیع صرف میں بائع ہو تو اس کو مبیع حوالے کرنا ضروری ہوگی اور امام قہستانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ مرتہن اپنا حق اس صورت میں وصول کرنے والا شمار ہوگا جب رہن کی قیمت راس المال یا بیع صرف کے ثمن کے برابر ہو چناں چہ اگر رہن ان سے قیمت کے لحاظ سے کم ہو تو رہن کی قیمت کے بقدر اپنا حق وصول کرنے والا ہوگا اور اس کے علاوہ راہن سے لے گا۔ [شامی:۶/۴۹۵]

البتہ اگر وہ دونوں جدا ہوگئے اور شئی مرہون یہ یعنی بیع سلم میں راس المال اور بیع صرف میں ثمن پر قبضہ نہیں کیا گیا اور ان کے جدا ہونے کے بعد رہن ہلاک ہوا تو اب بیع سلم اور بیع صرف باطل ہوگی کیوں کہ راس المال اور ثمنِ صرف پر قبضہ نہیں پایا گیا۔ لہٰذا یہ دونوں عقد باطل ہوجائیں گے اور مرتہن کے ذمے رہن واپس کرنا ضروری ہے۔

و هـذا التـفـصـيـل ...... سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ مذکورہ بالا تفصیل (کہ افتراق سے قبل ہلاک ہونے کی صورت میں مرتہن اپنا حق وصول کرنے والا ہے اور افتراق کے بعد ہلاک ہونے کی صورت میں عقد باطل ہوجائے گا)۔ صرف راس المال اور ثمنِ صرف کے بدلے رہن رکھنے کی صورت میں ہے چناں چہ اگر کسی نے مسلم فیہ کے بدلے رہن رکھوایا اور رہن ہلاک ہوگیا تو اب چاہے رہن جدا ہونے سے قبل ہلاک ہوا ہو یا جدا ہونے کے بعد ہلاک ہوا ہو دونوں صورتوں میں مرتہن (یعنی رب السلم) اپنا حق وصول کرنے والا شمار ہوگا۔ لہٰذا عقد سلم پورا ہوجائے گا۔

و رهن المسلم ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر رہن ہلاک نہ ہوا اور دونوں متعاقدین نے عقد سلم فسخ کردیا تو اب فسخ کے بعد وہی رہن جو مسلم فیہ کے بدلے مرہون تھا وہی شئی راس المال کے بدلے رہن بن جائے گی یعنی رب السلم نے پہلے جس شئی پر قبضہ مسلم فیہ کے بدلے بطور رہن کیا تھا اب بھی رب السلم اس شئی کو اپنے پاس راس المال کے بدلے رہن رکھے گا اس لیے کہ راس المال، مسلم فیہ کا بدل ہے جب مسلم فیہ کے بدلے رہن نہ رہا تو راس المال کے بدلے رہن ہوجائے گا۔ **و لـو هـلـک**...... یعنی جب مسلم الیہ نے رب السلم کے پاس کوئی شئی مسلم فیہ کے بدلے رہن رکھوائی پھر ان دونوں نے عقدِ سلم فسخ کردیا پھر وہ رہن رب السلم کے پاس ہلاک ہوگیا تو اب یہ شئی مسلم فیہ کے بدلے ہلاک شمار ہوگی یعنی رب السلم پر لازم ہے کہ مسلم الیہ کو اس کی مسلم فیہ کے بدلے اناج واپس کرے کیوں کہ جب رہن رب السلم کے پاس ہلاک ہوگیا تو یہ ایسا ہے گویا رب السلم نے مسلم فیہ وصول کرلی ہے اس لیے کہ مرتہن کا رہن پر قبضہ وصولی کا قبضہ ہوتا ہے اور جب رہن ہلاک ہوگیا تو ہلاک ہونے کی وجہ سے مسلم فیہ کو وصول کرنا پختہ ہوگیا ہے تو ایسا ہے جس طرح رب السلم نے مسلم فیہ وصول کرلی ہو پھر ان دونوں نے عقد سلم فسخ کیا ہو تو رب السلم پر واجب ہے کہ مسلم الیہ کو مسلم فیہ ادا کرے۔

عبارت:

و بدين عليه عبد طفله عطف على راس المال اى صح الرهن بدين على الاب عبد طفله هذا عندنا و عند ابى يوسف و زفر لا يصح و هو القياس اعتبار بحقيقة الايفاء وجه الاستحسان ان فى حقيقة الايفاء ازالة ملك الصغير بلا عوض فى الحال و فى هذا نصب حافظ لماله مع بقاء ملكه و بثمن عبداً وخل او ذكية ان ظهر العبد حرا و الخل خمرا او لذكية ميتة اى اشترى عبدا او خلا او شاة مذبوحة ورهن ثمر المشترى و هو عشرة دراهم مثلاً شئيا ثم ظهر العبد حر او الخل خمرا و الشاة ميتة فالرهن مضمون اى ان هلك و قيمته عشرة دراهم او اكثر فعلى المرتهن عشرة دراهم يو ديها الى الراهن و ان كانت قيمته اقل فعليه القيمة لان رهنه بدين واجب ظاهر او ببدل صلح عن انكار ان اقران لا دين صالح مع انكاره و رهن ببدل الصلح شيئا ثم تصادقا على ان لا دين فالرهن مضمون كما ذكرنا۔

ترجمہ:

اور باپ پر دین کے بدلے اپنے بچے کے غلام کو رہن دینا صحیح ہے۔اس کا ''رأس المال'' پر عطف ہے یعنی باپ پر دین کے بدلے اپنے بچے کے غلام کو رہن دینا صحیح ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اور یہ حقیقۃً ادا کرنے پر قیاس کرنا ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی ادا کرنے میں صغیر کی ملک بلاعوض فی الحال ضائع کرنا ہے اور اس میں اس کی ملکیت کے باقی رہنے کے ساتھ ساتھ اس کے مال پر حافظ مقرر کرنا ہے اور غلام یا سرکے یا مذبوحہ جانور کے ثمن کے بدلے رہن رکھنا صحیح ہے اگر غلام آزاد اور سرکہ شراب اور مذبوحہ جانور مردار ظاہر ہوا یعنی ایک شخص نے غلام یا سرکہ یا مذبوحہ بکری خریدی اور مشتری نے ثمن کے بدلے جو ثمن مثلاً دس درہم ہے کوئی شئی رہن رکھوادی پھر غلام آزاد اور سرکہ شراب اور مذبوحہ بکری مردار ظاہر ہوئی تو رہن مضمون رہے گا یعنی اگر رہن ہلاک ہو گیا دراں حالکہ اس کی قیمت دس دراہم یا زائد تھی تو مرتہن کے ذمے دس دراہم ہیں جو دراہم وہ راہن کو ادا کرے گا اور اگر اس کی قیمت کم ہو تو اس کے ذمے قیمت ہوگی اس لیے کہ اس کا رہن ایسے دین کے بدلے ہے جو ظاہراً واجب ہے اور انکار سے بدلِ صلح کے بدلے رہن رکھنا صحیح ہے اگر مرتہن نے دین نہ ہونے کا اقرار کرلیا ایک شخص نے اپنے انکار کے باوجود صلح کرلی اور بدلِ صلح کے بدلے کوئی شئی رہن رکھوادی پھر ان دونوں کا دین نہ ہونے پر اتفاق ہو گیا تو رہن مضمون رہے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کردیا۔

تشریح:

و بدين عليه ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص پر کسی کا دین ہے اور اس نے دین کے بدلے اپنے نابالغ بچے کا غلام رہن رکھوا دیا تو یہ رہن رکھوانا ہمارے نزدیک صحیح ہے جب کہ امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح نہیں ہے۔

امام ابو یوسف و امام زفر رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

ان حضرات کا مذہب قیاس پر مبنی ہے کہ جس طرح باپ کے لیے یہ ناجائز ہے کہ اپنے دین کو اپنے بچے کے غلام سے ادا کرے اسی طرح باپ کے لیے یہ بھی ناجائز ہے کہ اپنے دین کے بدلے بچے کے غلام کو رہن رکھوائے کیوں کہ رہن رکھوانا بھی ادا کرنے کے حکم میں ہے تو جس طرح بچے کے غلام سے حقیقۃً دین ادا کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح حکماً بھی جائز نہیں ہے۔

طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

ان حضرات کا مذہب استحسان پر مبنی ہے کہ اپنے بچے کے غلام سے اپنا دین ادا کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ اس میں بچے کی ملک بلا کسی عوض مالی ضائع ہو جائے گی اور باپ کے لیے اس طرح کرنا جائز نہیں ہے البتہ جب باپ نے اپنے بچے کے غلام کو رہن رکھوایا تو یہ جائز ہے کیوں کہ رہن مرتہن کے ذمے مضمون ہے۔ لہٰذا مرتہن اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔

فائدہ:

خواہ اس رہن کی قیمت دین کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو دونوں صورتوں میں اگر یہ رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا تو باپ بچے کے لیے دین کے بقدر رقم کا ضامن ہو گا۔ [درمختار: ٦/٤٩٥]

و بثمن عبد ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی سے غلام یا سرکہ یا مذبوحہ بکری خریدی اور اس کا ثمن ادا نہیں کیا بلکہ اس ثمن کے بدلے بائع کے پاس کوئی شئی رہن رکھوا دی پھر وہ غلام آزاد نکلا یا سرکہ شراب ظاہر ہوا یا مذبوحہ بکری مردار نکلی تو ایسی صورت میں وہ رہن مرتہن (یعنی بائع) کے پاس مضمون رہے گا اگر وہ رہن ہلاک ہو گیا تو اس رہن کی قیمت اور شئی کا ثمن دیکھا جائے گا اگر ثمن دس درہم تھا اور اس رہن کی قیمت بھی دس درہم یا اس سے زائد ہو تو ایسی صورت میں مرتہن (یعنی بائع) کے ذمے لازم ہے کہ دس درہم (یعنی ثمن کی مقدار) راہن (یعنی مشتری) کو واپس کرے کیوں کہ بیع نافذ نہیں ہوئی اور اگر رہن کی قیمت آٹھ درہم ہے اور ثمن دس درہم ہے تو ایسی صورت میں مرتہن پر رہن کی قیمت آٹھ درہم لازم ہو گی اس لیے کہ یہ رہن ایسے دین کے بدلے ہے جو ظاہراً واجب ہے۔

فائدہ قید:

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ظاهراً'' کی قید لگائی ہے اس لیے کہ یہ دین حقیقۃً واجب نہیں تھا کیوں کہ بیع نافذ نہیں ہوئی چناں چہ مشتری پر ثمن لازم نہ ہو گا۔ لیکن یہ دین ظاہراً واجب ہے وہ اس طرح کہ اگر یہ دونوں متعاقدین غلام کے آزاد ظاہر ہونے سے قبل قاضی کے پاس اپنا جھگڑا لے کر جاتے تو قاضی مشتری پر ثمن کا فیصلہ کر دیتا اس لحاظ سے اس کو ظاہراً واجب کہا ہے۔ [عنایہ: ۹/۹۸]

و ببدل صلح ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے عمرو پر ہزار دراہم دین کا دعویٰ کیا لیکن عمرو نے دین کا انکار کیا لیکن پھر عمرو نے پانچ سو دراہم پر صلح کر لی اور بدل صلح کے بدلے پانچ سو دراہم کی شئی رہن رکھوا دی اور یہ شئی مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئی پھر ان دونوں کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ دین عمرو کے ذمے نہ تھا تو ایسی صورت میں رہن مرتہن پر مضمون ہے۔ چناں چہ وہ اس کی قیمت عمرو کو واپس کرے گا۔ [شامی: ٦/٤٩٦]

نوٹ:

مذکورہ بالا تشریح متن کی عبارت کے لحاظ سے مشکل ہے کیوں کہ عبارت میں کچھ محذوف الفاظ ہیں جو یہ ہیں۔ ''و صح ببدل صلح عن انکار ان اقر المرتهن بعد الرهن ان لا دين عليه''۔ [درمختار: ٦/٤٩٦]

عبارت:

و رهن الحجرين والمكيل و الموزون فان رهن بجنسه فهلكه بمثله قدرا من دينه ولا عبرة للجودة قوله قدرا تميز من مثله اى يعتبر المماثلة فى القدر و هو الوزن والكيل بلا اعتبار الجودة و عندهما يعتبر القيمة

فیقوم بخلاف الجنس و یکون رهنا مکانه فان رهن ابریق فضة وزنه عشرة دراهم بعشرة دراهم فهلک فعندابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ هلک بالدین و عندهما انکان قیمته مثل وزنه او اکثر فکذا و ان کان قیمته اقل و هی ثمانیة مثلا یشتری بثمانیة دراهم ذهب لیکون رهنا مکانه فان قیل فی هذا الترکیب و هو قوله فهلکه بمثله قدرا من دینه نظر لان الدین اذا کان خمسة عشر و وزنه عشرة و قد هلک فقد هلک بعشرة دراهم من الدین فعلی المدیون خمسة فیکون من للتبعیض فلا یتناول ما اذا کان وزنه عشرة والدین عشرة لان التبعیض غیر ممکن ولا یکون للبیان هنا لانه لما ارید به التبعیض فی صورة لا یکون للبیان فی صورة اخری لان لمشترک لا عموم له و لا یتناول ایضا اذا کان وزنه خمسة عشر والدین عشرة لانه یصیر معناه ان هلاکه بمقدار خمسة عشر من الدین و هو عشرة فهذا غیر مستقیم قلنا لیس غرضه بیان انه بای شئی مضمون فی صورة بل الغرض انه هالک باعتبار الوزن لا اعتبار القیمه فتقدیره انه هالک بمثله وزن من الدین اذا کان الدین زائدا فاذا علم الحکم فی هذه الصورة یعلم فی صورة المساواة و فی صورة ان یکون الوزن زائدا علی الدین لما عرف ان الفضل امانة۔

ترجمہ:

اورحجرین (سونا اور چاندی) کو اور مکیلی اور موزونی شئی کو رہن رکھنا صحیح ہے چناں چہ اگران کو ان کی جنس کے بدلے رہن رکھا گیا تو اس کا ہلاک ہونا اس کی مثل کے بدلے دین سے مقدار کے لحاظ سے ہوگا اور بناوٹ کا اعتبار نہیں ہے ماتن رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ''قدرا من مثلہ'' سے تمیز ہے یعنی قدر میں مماثلت کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ قدر بناوٹ کا اعتبار کیے بغیر وزن اور کیل ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ چناں چہ خلافِ جنس کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس کی جگہ رہن ہوگی پس اگر چاندی کا لوٹا جس کا وزن دس دراہم ہے دس دراہم کے بدلے رہن رکھوایا گیا پھر وہ ہلاک ہوگیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین کے بدلے ہلاک ہوا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں اگر اس کی قیمت اس کے وزن کے برابر یا اس سے زائد ہے تو اسی طرح حکم ہے اور اگر اس کی قیمت کم ہے اور وہ مثلاً آٹھ دراہم ہے تو آٹھ دراہم کا سونا خریدا جائے گا تا کہ وہ لوٹے کی جگہ رہن ہو جائے اور اگر کہا جائے اس ترکیب میں اور وہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''فهلکه بمثله قدراً من دینه'' ہے۔ چُوک ہے اس لیے کہ دین جب پندرہ دراہم ہو اور لوٹے کا وزن دس دراہم ہو اور وہ ہلاک ہو جائے تو بلا شبہ وہ دین میں سے دس دراہم کے بدلے ہلاک شمار ہوگا۔ لہٰذا مدیون پر پانچ دراہم لازم ہوں گے پس ''مـــن'' تبعیض کے لیے ہوگا لہٰذا یہ اس صورت کو شامل نہ ہوگا جب لوٹے کا وزن دس دراہم ہو اور دین دس دراہم ہو اس لیے کہ تبعیض ممکن نہیں ہے اور ''مـــن'' یہاں بیان کے لیے نہیں ہوگا اس لیے کہ جب ایک صورت میں اس کو تبعیض کے لیے مراد لیا گیا تو دوسری صورت میں بیان کے لیے نہیں ہوسکتا اس لیے کہ مشترک کے لیے عموم نہیں ہے اور یہ اس صورت کو بھی شامل نہ ہوگا جب اس کا وزن پندرہ دراہم ہو اور دین دس دراہم ہو اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کا ہلاک ہونا دین کے پندرہ دراہم کے بدلے ہے حالاں کہ دین دس دراہم ہے۔ چناں چہ یہ مطلب صحیح نہیں ہے۔ ہم نے کہا اس کی غرض اس بات کو بیان کرنا نہیں ہے کہ یہ رہن کسی شئی کے بدلے ایک صورت میں مضمون ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ یہ وزن کے اعتبار سے ہلاک شمار ہوگا نہ کہ قیمت کے اعتبار سے۔ چناں چہ اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی کہ یہ لوٹا اپنی مثل کے بدلے وزن کے اعتبار سے دین سے ہلاک شمار ہوگا جب کہ دین زائد ہو۔

چناں چہ جب اس صورت میں حکم معلوم ہو گیا تو برابری والی صورت میں بھی معلوم ہو گیا اور وزن کے دین پر زائد ہونے والی صورت میں بھی معلوم ہو گیا اس لیے کہ یہ بات معلوم ہے کہ زیادتی امانت ہے۔

تشریح:

و رهن الحجرين ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرر ہے ہیں کہ سونا اور چاندی اور ہر مکیلی اور موزونی شئی کو رہن رکھنا جائز ہے کیوں کہ رہن سے مقصود اپنا حق وصول کرنا ہوتا ہے اور وہ اس سے بھی حاصل ہو جاتا ہے چناں چہ یہ محل رہن ہے۔

فان رهن بجنسه ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرر ہے ہیں کہ اگر سونا یا چاندی کو اس کی جنس کے بدلے رہن رکھا گیا یعنی ایک شخص کے کسی پر دس دراہم دین ہے اور مدیون نے اس کو چاندی کا لوٹا رہن رکھوا دیا جس کا وزن بھی دس دراہم کے برابر ہے اب اگر یہ لوٹا مرتہن کے پاس ضائع ہو گیا۔

تو رہن کی ضمان کس طرح لازم ہو گی اس میں ائمہ احناف کا آپس میں اختلاف ہے۔

چناں چہ یہ جان لیں کہ اس مسئلے کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ دین دس دراہم ہو اور چاندی کا لوٹا جو مرہون ہے، اس کا وزن دس دراہم اور اس کی قیمت بھی دس دراہم ہے، اس صورت میں اختلاف نہیں ہے بلکہ بالا تفاق مرتہن نے اپنا دین وصول کر لیا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وزن کے لحاظ سے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں قیمت کے لحاظ سے وصول کر لیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دین دس دراہم ہو اور چاندی کے لوٹے کی قیمت پندرہ دراہم اور وزن دس دراہم ہو تو اس صورت میں بھی اختلاف نہیں ہے بلکہ بالا تفاق مرتہن نے اپنا دین وصول کر لیا، بہر حال امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وزن کے لحاظ سے وصول کر لیا ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک چوں کہ لوٹے کی قیمت پندرہ دراہم ہے تو مرتہن کے دس دراہم دین کے دس دراہم کے بدلے ہو گئے اور بقیہ پانچ دراہم مرتہن کے پاس امانت تھے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دین دس دراہم ہو اور چاندی کے لوٹے کی قیمت آٹھ دراہم اور وزن دس دراہم ہو تو یہ صورت اختلافی ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتہن نے اپنا دین وزن کے لحاظ سے وصول کر لیا ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں نہ وزن کے لحاظ سے مرتہن اپنا دین وصول کر سکتا ہے اور نہ صرف قیمت کے لحاظ سے وصول کر سکتا ہے۔ کیوں کہ اگر صرف وزن کا لحاظ کریں تو پھر مرتہن کے حق کی لوٹے کی بناوٹ میں رعایت نہ رکھی گئی اور صرف قیمت کے لحاظ سے وصول کرنا ممکن نہیں ہے کیوں کہ مرتہن کا دین دس دراہم ہے اور لوٹے کی قیمت آٹھ دراہم ہے اس طرح ربا لازم آئے گا۔ پس یہی بات متعین ہے کہ مرتہن کو اس کا مکلّف بنایا جائے کہ وہ رہن کی قیمت کے بدلے اس کی خلاف جنس شئی خرید لے اور اس کو رہن رکھ لے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تینوں صورتوں (خواہ رہن کی قیمت اس کے وزن کے برابر ہو یا اس سے کم ہو یا اس سے زائد ہو) مرتہن اپنا دین وزن کے لحاظ سے وصول کرنے والا شمار ہو گا جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک رہن کی قیمت اس کے وزن کے برابر یا زائد ہونے کی صورت میں مرتہن اپنا دین وزن کے لحاظ سے وصول کرنے والا شمار ہو گا اور رہن کی قیمت اس کے وزن سے کم ہونے کی صورت میں مرتہن کو خلاف جنس کو خرید کر رہن رکھنے کا مکلّف بنایا جائے گا۔

نوٹ:

مذکورہ بالا تفصیل اس صورت میں ہے جب رہن ہلاک ہو جائے اور اگر رہن ہلاک نہ ہو بلکہ اس میں نقص پڑ جائے تو اس کی بہت ساری صورتیں بنتی ہیں جو مطولات میں مذکور ہیں من شأ فلیراجعه۔ [بحر الرائق: ۴۵۶/۸]

ترکیب پر اشکال:

فان قیل ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ متن کی عبارت "فهلكه بمثله قدرا من دينه" پر اشکال ذکر کر رہے ہیں کہ اس عبارت میں لفظ "من" یا تبعیض کے لیے ہے یا پھر بیان کے لیے ہے۔

اگر "من" کو تبعیض کے لیے مانا جائے تو یہ عبارت اس صورت کو شامل ہو جائے گی جب دین پندرہ دراہم اور رہن کا وزن دس دراہم ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ رہن کا ہلاک ہونا اس کی مثل کے بدلے بعض دین میں سے ہوگا اور وہ بعض دس دراہم ہے جو کہ پندرہ درہم کا بعض حصہ ہے۔ البتہ اس وقت یہ عبارت اس صورت کو شامل نہ ہوگی جب دین دس دراہم ہو اور رہن کا وزن بھی دس درہم ہو کیوں کہ اس صورت میں رہن بعض دین کے بدلے ہلاک نہ ہوگا بلکہ سارے دین کے بدلے ہلاک ہوگا۔

اور اگر "من" کو بیان کے لیے لیا جائے تو یہ اس صورت کو شامل ہوگا جب دین دس درہم ہو اور رہن کا وزن بھی دس درہم ہو کیوں کہ مطلب یہ ہوگا کہ رہن کا ہلاک ہونا اس کی مثل یعنی دین کے بدلے ہوگا لیکن پھر یہ اس صورت کو شامل نہ ہوگا جب رہن کا وزن پندرہ دراہم اور دین دس دراہم ہو کیوں کہ پھر مطلب یہ ہوگا کہ رہن کا ہلاک ہوگا اس کی مثل یعنی دین کے بدلے ہوگا تو یہ مطلب صحیح نہیں ہے اس لیے کہ دین دس درہم ہے پندرہ درہم نہیں ہے۔

پس جب "من" تبعیض کے لیے ہو تو وہ ایک صورت کو شامل ہے دوسری کو شامل نہیں ہے اور اگر "من" بیان کے لیے ہو تو وہ ایک صورت کو شامل ہے اور دوسری کو شامل نہیں ہے اور یہ خلاف قانون ہے کہ ایک صورت کے لیے "مِن" کو تبعیضہ قرار دیں اور دوسری کے لیے بیانیہ قرار دیں کیوں کہ لفظ "مِن" مشترک ہے اور عموم مشترک جائز نہیں ہے۔

جواب:

قلنا لیس ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ اس اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ یہاں "مِن" لا کر یہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ رہن کس صورت میں کس شئی کے بدلے مضمون ہوگا بلکہ اس عبارت سے غرض یہ ہے کہ رہن کا ہلاک ہونا وزن کے لحاظ سے شمار ہوگا یا قیمت کے لحاظ سے شمار ہوگا۔ لہٰذا عبارت کا مطلب یہ ہے کہ رہن اپنی مثل کے بدلے دین سے وزن کے اعتبار سے ہلاک شمار ہوگا۔ جب کہ رہن کی قیمت کم ہو اور دین زائد ہو پس جب اس صورت کا حکم معلوم ہو گیا تو اب برابری والی صورت اور اس صورت میں جب وزن دین سے زائد ہو کا حکم معلوم ہو گیا جیسا کہ گزر چکا ہے کہ زائد امانت ہے۔

عبارت:

و من شرى شيئا على ان يرهن شيئا او يعطى كفيلا بعينها من ثمنه وابى صح استحسانا و القياس ان لا يجوز لانه صفقة فى صفقة و وجه الاستحسان انه شرط ملائم لان الكفالة والرهن للاستيثاق والاستيثاق ملائم للوجوب. وانما قال بعينها لانه لو لم يكن الرهن او الكفيل معينا يفسد البيع و لا يجبر على الوفاء هذا عندنا لانه لا جبر على التبرعات و عند زفر رحمه الله تعالىٰ يجبر لان الرهن اذا شرط فى البيع صار حقا من حقوقه

کالوکالة المشروطة فی الرهن وللبائع فسخه الا اذا سلم ثمنه حالاً او قیمة الرهن رهنا اذ عندنا لما صح الشرط فانه وصف مرغوب فبفواته یکون للبائع حق الفسخ فان قال لبائعه امسک هذا حتی اعطی ثمنک فهو رهن ای اعطی المشتری البائع شئیا غیر مبیعه و قال امسک هذا حتی اعطی ثمنک یکون رهنا لانه تلفظ بما ینبئی عن الرهن و العبرة للمعانی و عند زفر رحمه الله تعالیٰ لا یکون رهنا۔

ترجمہ:

اور جس نے کوئی شئی فروخت کی اس شرط پر کہ مشتری کوئی معین شئی یا معین کفیل اس کے ثمن کی وجہ سے دے اور مشتری نے انکار کیا تو یہ استحسانا صحیح ہے اور قیاس یہ ہے کہ یہ نا جائز ہے اس لیے کہ یہ ایک صفقے میں دوسرا صفقہ ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط ملائم ہے اس لیے کہ کفالت اور رہن استیثاق کے لیے ہے اور استیثاق وجوب کے مناسب ہیں اور سوائے اس کے نہیں کہ ماتن رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا دونوں معین ہوں اس لیے کہ اگر رہن اور کفیل معین نہ ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی اور مشتری کو شرط پوری کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا یہ ہمارے نزدیک ہے اس لیے کہ تبرعات پر جبر نہیں ہے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجبور کیا جائے گا اس لیے کہ رہن کی جب بیع میں شرط لگا دی جائے تو وہ اس کے حقوق میں سے حق بن جاتا ہے جس طرح وہ وکالت جس کی رہن میں شرط لگائی گئی ہو اور بائع کے لیے اس بیع کو فسخ کرنا جائز ہے مگر جب مشتری اس کا ثمن نقد حوالے کر دے یا رہن کی قیمت بطور رہن حوالے کر دے اس لیے کہ ہمارے نزدیک جب شرط صحیح ہے کیوں کہ وہ وصفِ مرغوب ہے تو اس کے فوت ہونے کی وجہ سے بائع کو حق فسخ ہوگا اور اگر مشتری نے اس بائع سے کہا یہ شئی رکھ لے یہاں تک کہ میں تجھے تیرا ثمن دے دوں تو وہ رہن ہے یعنی مشتری نے بائع کو مبیع کے علاوہ کوئی شئی دی اور کہا یہ شئی تم روک لو یہاں تک کہ میں تمہیں تمہارا ثمن دے دوں تو وہ شئی رہن ہوگی اس لیے کہ مشتری نے وہ الفاظ بولے ہیں جو رہن ہونے کی خبر دے رہے ہیں اور اعتبار معانی کا ہوتا ہے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شئی رہن نہ ہوگی۔

تشریح:

و من شریٰ ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے کوئی شئی اس شرط پر فروخت کی کہ مشتری اس کے ثمن کے بدلے بائع کے پاس کسی معین شئی کو رہن رکھوائے گا یا کسی معین شخص کو کفیل دے گا تو اب استحسانا یہ عقد جائز ہے اور قیاساً نا جائز ہے۔

قیاسی دلیل:

لانہ صفقة...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ قیاسی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ یہاں ایک صفقے میں دوسرا صفقہ داخل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضہ نہیں کرتا اور اس میں بائع کا نفع ہے۔

استحسانی دلیل:

وجہ الاستحسان ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ استحسانی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ کفالت اور رہن استیثاق (بھروسے) کے لیے کیے جاتے ہیں اور استیثاق وجوب کے مناسب ہے چناں چہ جب کفیل حاضر ہو یا رہن معین شئی ہو تو ہم نے اس معنیٰ کا اعتبار کرتے ہوئے عقد کو جائز قرار دیا ہے۔ [الکفایہ:۸۹/۹]

تصحیح عبارت:

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ''لان الکفاله والرهن والا استیثاقق ملائم ''میں کاتب سے غلطی ہوئی ہے اور ایک لفظ رہ گیا ہے جس کی وجہ سے مطلب میں خلل واقع ہوگیا۔ چناں چہ صحیح عبارت یوں ہے: ''لان الکفالة والرهن للاستیثاق والاستیثاق ملائم للوجوب'' اب مطلب واضح ہوگیا اسی کے مطابق بندہ نے ترجمہ اور تشریح کی ہے۔

وانما قال بعینها...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے معین ہونے کی قید کا فائدہ بیان کررہے ہیں۔ چناں چہ اگر یہ دونوں معین نہ ہوں تو بیع فاسد ہوجائے گی اس لیے کہ رہن اور کفیل جب معین نہیں ہیں بلکہ مجہول ہیں تو پھر ان دونوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کیوں کہ ان میں استیثاق کا معنی نہیں ہے جب استیثاق کا معنی نہیں ہے چناں چہ یہ بیع فاسد ہے۔ [الکفایة: ۹/۸۹]

ولا یجبر...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ اگر مشتری رہن نہ دے تو اس کو رہن دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشتری کو مجبور کیا جائے گا اس لیے کہ رہن کی بیع میں شرط رکھی گئی ہے اور اس کی شرط لگانے کی وجہ سے یہ بیع کے حقوق میں سے حق بن گیا ہے جب یہ حقوق بیع میں سے ہے تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے یہ شرط اسی طرح ہے جس طرح راہن مرتہن کو اس بات کا وکیل بنادے کہ اگر میں نے فلاں تاریخ تک دین ادا نہ کیا تو تم اس کو فروخت کردینا جس طرح اس شرط کو پورا کرنا ضروری ہے اسی طرح اس شرط کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ رہن عقد تبرع ہے اور عقودِ تبرعات پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا مشتری کو رہن دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

[الکفایة: ۹/۹۸]

وللبائع فسخه...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ جب مشتری نے رہن نہیں دیا تو اب بائع کو اختیار ہے اگر چاہے تو رہن نہ لے اور بیع باقی رہنے دے اور اگر چاہے تو بیع فسخ کردے بائع کو خیار اس وجہ سے دیا گیا کہ ثمن کے بدلے رہن رکھوانا ایک وصفِ مرغوب ہے کیوں کہ وہ ثمن جس کے بدلے رہن ہو وہ اس ثمن سے زیادہ بھروسے والا ہے جس کے بدلے رہن نہ ہو۔ جب یہ وصفِ مرغوب ہے تو اس وصف کے فوت ہونے کی وجہ سے خیار ملے گا: الا اذا...... البتہ اگر مشتری نے اسی مجلس میں ثمن حوالے کردیا یا رہن کی قیمت درہم یا دنانیر کی صورت میں رہن رکھوادی تو پھر بائع کو خیار نہ ملے گا کیوں کہ مقصود حاصل ہوگیا ہے۔ [شامی: ۶/۴۹۷]

فان قال لبائعه...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی سے کوئی شئی خریدی اور اس کا ثمن ادا نہیں کیا پھر مشتری نے بائع سے کہا کہ یہ شئی (خواہ وہی شئی ہو جو اس نے خریدی ہے یا دوسری شئی ہو) تم اپنے پاس روک لو یہاں تک کہ میں تمہارا ثمن ادا کردوں تو مشتری کا یہ کہنا رہن شمار ہوگا کیوں کہ اس نے ایسے الفاظ بولے ہیں جو رہن کی خبر دے رہے ہیں اگر چہ حقیقۃً لفظ رہن نہیں بولا اس لیے کہ عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے اور معنیً یہ عقدِ رہن ہے۔ البتہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کہنا رہن شمار نہ ہوگا کیوں کہ لفظ ''امسک'' میں ودیعت دینے اور رہن دینے دونوں کا احتمال ہے اور ودیعت رہن سے کم درجے کی ہے کیوں کہ اس کی ہلاکت سے ضمان لازم نہیں ہوتا پس جو کم درجے والی شئی ہے وہ اس لفظ سے مراد ہوگی۔ [هدایه]

نوٹ:

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ''شیئاً وغیره مبیعه'' والی قید احترازی نہیں ہے کیوں کہ امام تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اگر مشتری نے وہی خریدی ہوئی شئی قبضہ کرکے بائع کو رکھنے کے لیے دے دی تو یہ بھی رہن شمار ہوگا اور اگر مشتری نے قبضہ نہ کیا اور بائع کے

حوالے کردی تو یہ رہن شمار نہ ہوگا۔ [الکفایہ:۹/۹۸، درمختار:۶/۴۹۸]

عبارت:

وان رهن عينا من رجلين بدين لكل منهما صح و كله رهن من كل منها اى يصير كله محبوسا بدين كل واحد لا ان نصفه يكون رهنا عند هذا و نصفه عند ذلك و هذا بخلاف الهبة من رجلين حيث لا يصح عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ فان الاول لايقبل الوصف بالتجزى بخلاف الهبة و اذا تهائيا فكل فى نوبته كالعدل فى حق الأخر و لو هلك ضمن كل حصته فان عند الهلاك يصير كل مستوفيا حصته و الاستيفاء مما يتجزى فان قضى دين احدهما فكله رهن للأخر لما مر ان كله رهن عند كل واحد و ان رهنا رجلا رهنا بدين عليهما صح بكل الدين و يمسكه الى قبض الكل و انما صح هذا لان قبض الرهن وقع فى الكل بلا شيوع و بطل حجة كل منهما انه رهن هذا منه و قبضه هذه مسئلة مبتدأة لا تعلق لها بما سبق و صورتها ان كل واحد من الرجلين ادعى ان زيدا رهن هذا العبد من هذا المدعى و سلمه اليه و اقام على ذلك بينة تبطل حجة كل واحد لانه لا يمكن القضاء لكل واحد منهما ولا لاحدهما لعدم او لويته ولا الى القضاء لكل بالنصف للشيوع و لو مات راهنه والرهن معهما فيرهن كل ذلك كان مع كل نصفه رهنا بحقه هذا قول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و محمد رحمه الله تعالىٰ و هو استحسان و عند ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ هذا باطل و هو القياس كما فى الحيوة و جه الاستحسان ان حكمه فى الحيوة و هو الحبس و الشيوع يضره و بعد الممات الاستيفاء بالبيع فى الدين و الشيوع لا يضره۔

ترجمہ:

اور اگر ایک شخص نے دو شخصوں کو ان میں سے ہر ایک دین کے بدلے کوئی شئی رہن رکھوائی اور سارا کا سارا ان میں سے ہر ایک کے پاس رہن ہوگا یعنی سارا رہن ان میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے محبوس ہوگا نہ یہ کہ رہن کا نصف اس کے پاس رہن ہوگا اور رہن کا نصف اس کے پاس رہن ہوگا اور یہ دو شخصوں کو ہبہ دینے کے برخلاف ہے اس طور پر کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیوں کہ پہلا تجزی کے وصف کو قبول کرتا ہے۔ برخلاف ہبہ کے ہے اور جب دونوں کرلیں تو ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کے حق میں عادل کی طرح ہے اور اگر مال ہلاک ہوگیا تو ہر ایک اپنے حصے کا ضامن ہوگا کیوں کہ ہلاکت کے وقت ہر ایک اپنا حصہ شمار کرنے والا ہوگا اور استیفاء ان میں سے ہے جو تجزی قبول کرتا ہے اور اگر اس شخص نے ان میں سے ایک کا دین ادا کردیا تو سارا کا سارا دوسرے کے لیے رہن ہوگا اس لیے کہ یہ بات گزر چکی ہے سارا رہن ہر ایک کے پاس رہن ہوگا اور اگر دو شخصوں نے ایک آدمی کو اپنے دیون کے بدلے رہن رکھوایا تو تمام دین کے بدلے رہن صحیح ہے اور مرتہن رہن کو تمام دین پر قبضہ کرنے تک روکے رکھے گا اور سوائے اس کے نہیں یہ صحیح ہے اس لیے کہ رہن کا قبضہ تمام میں بلا شیوع واقع ہوا ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی اس بات پر گواہی باطل ہے کہ فلاں نے یہ اس کے پاس رہن رکھوایا ہے اور اس نے رہن پر قبضہ کیا ہے۔ یہ نیا مسئلہ ہے جس کا ماقبل کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ زید نے یہ غلام اس مدعی کو رہن رکھوایا ہے اور زید نے غلام مدعی کے حوالے کیا ہے اور ہر ایک نے اس پر گواہی قائم کی تو ہر ایک کی گواہی باطل ہے اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ان

میں سے کسی ایک کے لیے فیصلہ کرنا ممکن ہے اس کے اولیٰ نہ ہونے کی وجہ سے اور نہ ہر ایک کے لیے نصف کا فیصلہ کرنا ممکن ہے۔ شیوع کی وجہ سے اور اگر اس کا راہن مرگیا دراں حالکہ رہن دونوں کے پاس ہے پھر ہر ایک نے گواہی قائم کی تو ہر ایک کے پاس اس کا نصف اس کے حق کے بدلے رہن رہے گا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور یہ استحسان ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ باطل ہے اور یہ قیاس ہے جیسا کہ زندگی میں ہے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس کا حکم زندگی میں وہ حبس ہے اور اس کو شیوع ضرر دیتا ہے اور مرنے کے بعد بیع کے ساتھ دین وصول کرنا ہے اور شیوع اس کو نقصان نہیں دیتا۔

تشریح:

وان رهن عینا ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر دو شخصوں کا کسی ایک آدمی پر دین ہو خواہ دونوں دین میں شریک ہوں یا شریک نہ ہوں پھر مدیون شخص نے دونوں کے دین کے بدلے کوئی شئی ان دونوں کو بطور رہن دے دی تو اب یہ پوری شئی ہر ایک کے دین کے بدلے محبوس ہوگی نہ یہ کہ اس شئی کا نصف ایک شخص کے پاس رہن ہو اور دوسرا نصف دوسرے کے پاس رہن ہو کیوں کہ رہن کی نسبت ایک ہی صفقے میں پوری شئی کی طرف کی گئی ہے اور رہن تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ ہر ایک کے دین کے بدلے محبوس ہوگا۔ **هذا بخلاف الهبة** ...... یعنی ہبہ کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو ایک شئی ہبہ کی تو یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

وجہ فرق:

ہبہ اور رہن کے حکم میں فرق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ سے ملکیت ثابت ہوتی ہے اور ایک شئی ایک ہی وقت میں پوری کی پوری دو آدمیوں کی ملک میں نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا لازمی طور پر نصف ایک کی ملک ہوگی اور نصف دوسرے کی ملک ہوگی پس شیوع لازم آیا اور شیوع کی وجہ سے ہبہ باطل ہوجائے گا۔ جب کہ رہن کا حکم شئی کو روکنا ہے اور ایک شئی دو آدمیوں میں سے ہر ایک کے حق کے بدلے محبوس ہوسکتی ہے۔ لہٰذا یہ جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رہن تجزی کے وصف کو قبول نہیں کرتا لہٰذا اس میں شیوع لازم نہ آئے گا جب کہ ہبہ تجزی کے وصف کو قبول کرتا ہے تو اس میں شیوع لازم آئے گا۔ [الکفایۃ: ۱۰۳/۹]

واذا تهایئا ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ مذکورہ مسئلے میں اگر دونوں میں سے ہر ایک نے اس رہن کو باری باری اپنے پاس رکھا کہ ایک دن ایک شریک رکھے اور دوسرے دن دوسرا شریک رکھے تو جب وہ شئی ایک شریک کے پاس ہوگی تو وہ شریک دوسرے کے حق میں عادل شخص کی طرح ہے جس کے پاس رہن رکھوایا جاتا ہے۔ [دوسرے کے حق میں عادل ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ رہن کی ضمان دونوں پر ہوگی] اور اگر وہ شئی کسی ایک کے پاس ہلاک ہوگئی تو ہر شریک اپنے حصے کے بقدر ضامن ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ زید کے عمرو پر دس دراہم ہیں اور بکر کے عمرو پر پانچ دراہم ہیں پھر عمرو نے دونوں کو ایک شئی بطور رہن دے دی جس کی قیمت تیس دراہم تھی اور وہ شئی اس طرح ضائع ہوئی کہ ضائع ہونے کے بعد بھی اس کی قیمت دس دراہم رہی تو اب دس درہم کے تین حصے کیے جائیں گے دو حصے زید کے اور ایک حصہ بکر کا ہوگا کیوں کہ جس قدر شئی ہلاک ہوگئی اس کے بقدر ہر ایک نے اپنا حصہ وصول کرلیا ہے اور وصول کرنا تجزی کو قبول کرتا ہے۔ [البنایۃ: ۲۷۷/۱۵]

فان قضی ...... یعنی اگر مدیون نے ایک دائن کا حصہ ادا کردیا تو وہ شئی ساری کی ساری دوسرے دائن کے پاس مرہون ہوجائے گی

کیوں کہ ماقبل میں یہ بات گزرچکی ہے کہ یہ شئی ساری دونوں میں سے ہر ایک کے پاس رہن ہوگی۔

وان رهنا...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کررہے ہیں کہ اگر ایک شخص کا دو شخصوں پر دین ہو اور وہ دونوں ایک صفقے میں کوئی شئی دائن کے پاس رہن رکھوادیں تو یہ صحیح ہے اور مرتہن اس رہن کو اس وقت تک روکے رکھے جب تک کہ وہ اپنے دین پر قبضہ نہ کرلے ان دو شخصوں کا ایک کے پاس رہن رکھوانا اس وجہ سے صحیح ہے کہ رہن پر قبضہ بلا کسی شیوع صرف ایک شخص نے کیا ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک نے دین ادا کردیا تو بھی اپنے حصے کے رہن پر قبضہ نہیں کرسکتا جب تک دوسرا شریک بھی دین ادا نہ کردے کیوں کہ اس سے تفریق صفقہ لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔ [شامی: ۶/۴۹۸]

وبطل حجة...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ایک نیا مسئلہ ذکر کررہے ہیں جس کا ماقبل والے مسئلے سے بالکل تعلق نہیں ہے اس کی صورت یہ ہے کہ راشد کے پاس ایک غلام ہے پھر عثمان اور خالد میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ راشد نے یہ غلام مجھے رہن رکھوایا تھا اور میرے حوالے کیا تھا اور پھر میں نے اس کو بطور عاریت دیا ہے اور اس دعوے پر ہر ایک نے اپنی اپنی گواہی بھی پیش کردی تو اب کسی کی گواہی پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ دونوں گواہیاں باطل ہوجائیں گی اس لیے کہ فیصلہ کرنے کی تین صورتیں ہیں جو تینوں ممکن نہیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے قاضی پورے غلام کا فیصلہ کردے یہ ممکن نہیں ہے کیوں کہ ایک غلام اس کے پاس بھی رہن ہو اور وہی غلام دوسرے کے پاس بھی رہن ہو یہ محال ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قاضی ان میں سے ایک کے لیے غلام کا فیصلہ کردے یہ بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ دعوے اور گواہی پیش کرنے میں دونوں برابر ہیں ایک دوسرے سے اولیٰ و افضل نہیں ہے کہ اس کے لیے فیصلہ کیا جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے نصف غلام کا فیصلہ کیا جائے اس صورت میں غلام میں شیوع لازم آئے گا۔ جب تینوں صورتوں میں سے کسی کے مطابق فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ دونوں گواھیاں باطل ہوجائیں گی۔ [البنایہ: ۱۵/۲۷۹]

ولومات راهنه...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ مذکورہ بالا مسئلے میں اگر راہن کا انتقال ہوجائے اور رہن ان دونوں کے پاس ہو اور ہر ایک اسی پر گواہی قائم کرے تو وہ غلام ہر ایک کے پاس اس کے نصف حق کے بدلے مرہون ہوگا۔

یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور یہ استحسان ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح راہن کی زندگی میں ان دونوں کی گواہیاں باطل تھیں اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی دونوں کی گواھیاں باطل ہوں گی۔

وجه الاستحسان ...... طرفین کی دلیل یہ ہے کہ راہن کی زندگی میں رہن کا حکم حبس (شئی کو روکنا) تھا اور شیوع اس کے لیے مضر ہے اور راہن کے مرنے کے بعد اس کا حکم حبس نہیں ہے بلکہ شئی کو فروخت کرکے دین وصول کرنا ہے اور شیوع اس کے لیے مضر نہیں ہے۔ چناں چہ یہ جائز ہے۔

......☆☆☆☆......

باب الرهن عند عدل

عبارت:

یتم الرهن بقبض عدل شرط و ضعه عنده هذا عندنا و قال مالک رحمه الله تعالیٰ لا یجوز لان یده ید الملک و لهذا یرجع علیه عند الاستحقاق فانعدم القبض قلنا یده علی الصورة ید الملک و فی المالیه ید المرتهن لان یده ید ضمان والمضمون المالیة فنزل منزلة شخصین و لا اخذ لاحدهما منه و ضمن بد فعه الی احدهما و هلکه معه هلک رهن فان وکل العدل او غیره ببیعه اذا حل اجله صح فان شرط ای التوکیل فی الرهن لا ینعزل بالعزل و لا بموت الراهن او المرتهن بل بموت الوکیل سواء کان الوکیل المرتهن او العدل او غیرهما و اذا مات الوکیل لا یقوم وارثه او وصیه مقامه عندنا و عند ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ ان وصی الوکیل یملک له بیعه بغیبة و رثته ای للوکیل بیع المرهون بغیبة ورثة الراهن و لا یبیع الراهن او المرتهن الا برضی الاخر ای لا یکون للراهن بیع الرهن الا برضاء المرتهن و ایضا لا یکون للمرتهن بیع الرهن الا برضاء الراهن بان وکله او باعه فاجاز الراهن بیعه۔

ترجمہ:

اس عادل کے قبضے سے رہن تام ہو جائے گا جس کے پاس رہن رکھنے کی شرط لگائی گئی ہو یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا قبضہ مالک کا قبضہ ہے اور اسی وجہ سے عادل اس پر استحقاق کے وقت رجوع کرے گا۔ لہٰذا قبضہ مقدم ہو گیا ہم نے کہا عادل کا قبضہ صورۃً مالک کا قبضہ ہے اور مالیت میں مرتہن کا قبضہ ہے، اس لیے کہ اس کا قبضہ ضمان کا قبضہ ہے اور مضمون مالیت ہے پس وہ دو شخصوں کے قائم مقام ہے، ان دونوں میں سے ایک کے لیے اس سے لینا جائز نہیں ہے اور عادل رہن کو ان میں سے کسی ایک کو دینے سے ضامن ہوگا اور رہن کا اس کے پاس ہلاک ہونا رہن کا ہلاک ہونا ہے اور اگر ان میں سے ایک نے عادل کو یا کسی دوسرے کو رہن فروخت کرنے کا وکیل بنایا جب حلول اجل ہو جائے تو یہ صحیح ہے پس اگر رہن میں توکیل کی شرط لگائی گئی تو وکیل معزول کرنے سے معزول نہ ہوگا اور نہ راہن اور مرتہن کی موت سے معزول ہوگا بلکہ وکیل کی موت سے معزول ہوگا خواہ وکیل مرتہن ہو یا عادل ہو یا ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص ہو اور جب وکیل مرجائے تو اس کا وارث یا اس کا وصی ہمارے نزدیک اس کا قائم مقام نہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وکیل کا وصی رہن کو فروخت کرنے کا مالک ہے اور اس کے لیے رہن کو اس کے ورثہ کی غیر موجودگی میں فروخت کرنا جائز ہے۔ یعنی وکیل کے لیے مرہون راہن کے ورثہ کی غیر موجودگی میں فروخت کرنا جائز ہے اور راہن اور

مرتہن دوسرے کی رضامندی کے ساتھ ہی بیع کریں گے یعنی راہن کے لیے رہن فروخت کرنا مرتہن کی رضامندی کے ساتھ ہی صحیح ہے اور اسی طرح مرتہن کے لیے رہن فروخت کرنا راہن کی رضامندی کے ساتھ ہی ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ راہن نے مرتہن کو وکیل بنادیا ہو یا مرتہن نے فروخت کر دیا پھر راہن نے اس کی بیع کی اجازت دے دی۔

تشریح:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ جب ان احکامات کے بیان سے فارغ ہو گئے جن کا تعلق راہن اور مرتہن کے ساتھ تھا تو اب اس باب میں ان احکامات کو بیان کریں گے جن کا تعلق عادل کے ساتھ ہے۔ عادل سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس رہن رکھنے کے لیے راہن اور مرتہن دونوں راضی ہوں۔ [نتائج الافکار: ۹/۱۰۴]

یتم الرهن ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بتا رہے ہیں کہ ہمارے نزدیک عادل کے قبضہ کرنے سے عقدِ رہن مکمل ہو جائے گا جب کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ عقدِ رہن جائز نہیں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

ان کی دلیل یہ ہے کہ عادل کا رہن پر قبضہ درحقیقت مالک (راہن) کا قبضہ ہے، چناں چہ اگر رہن عادل کے پاس ضائع ہو جائے اور کوئی اس کا مستحق نکلے اور یہ اس مستحق کو ضمان ادا کرے تو اس ضمان کا راہن سے رجوع کرے گا پس عادل کا راہن سے رجوع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رہن پر اصل قبضہ راہن کا ہوتا ہے جب اس پر عادل نے قبضہ کیا ہے تو گویا رہن مرتہن کے قبضہ کے بغیر رہ گیا کیوں کہ راہن کا قبضہ معتبر نہیں ہے اس لیے یہ عقد نا جائز ہے۔ [البنایہ: ۹/۱۰۴]

احناف کی دلیل:

قلنا یدہ ...... سے احناف کی دلیل نقل کی ہے کہ عادل کا قبضہ دونوں (راہن اور مرتہن) کے قبضہ کے قائم مقام ہے کیوں کہ رہن پر قبضہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ رہن پر صورۃً قبضہ اور رہن پر معنیً قبضہ۔ پس صورۃً قبضہ میں عادل راہن کے قائم مقام ہے اور معنیً قبضہ میں مرتہن کے قائم مقام ہے۔ لہٰذا اگر یہ رہن عادل کے پاس ہلاک ہو گیا تو گویا مرتہن کے پاس ہلاک ہوا پس مرتہن ضامن ہوگا۔

ولا اخذ لاحدهما ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بتا رہے ہیں کہ راہن اور مرتہن میں سے کسی کے لیے عادل سے رہن لینا جائز نہیں ہے کیوں کہ عادل رہن کی حفاظت میں راہن کا نائب ہے اور رہن کی مالیت میں مرتہن کا نائب ہے۔ لہٰذا ان میں سے ایک دوسرے کے حق کو باطل نہیں کر سکتا اور اگر عادل نے رہن دونوں میں سے کسی کو دے دیا تو ضامن ہوگا اس لیے کہ عادل عین کے حق میں راہن کا مودَع ہے اور مالیت کے حق میں مرتہن کا مودَع ہے۔ راہن اور مرتہن میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہے اور عادل اجنبی کو دینے سے ضامن ہوگا اور اگر رہن عادل کے پاس ہلاک ہو گیا تو یہ مرتہن کے پاس ہلاک شمار ہوگا۔ [ھدایہ]

فان وکل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بتا رہے ہیں کہ اگر راہن یا مرتہن یا عادل نے کسی شخص کو حلولِ اجل کے وقت رہن فروخت کرنے کا وکیل بنایا تو فروخت کرنے کا وکیل بنانا صحیح ہے اب اگر رہن فروخت کرنے کا وکیل عقدِ رہن کے وقت بنایا گیا تھا تو اب کسی کے معزول کرنے سے وکیل معزول نہ ہوگا اور اسی طرح اگر راہن یا مرتہن مر گئے تو بھی وکالت باطل نہ ہوگی البتہ اگر وکیل مر گیا خواہ وہ مرتہن و یا عادل ہو یا کوئی تیسرا شخص ہو ہر صورت میں وکالت باطل ہو جائے گی اور وکیل کا وارث یا اس کا وصی وکیل کے قائم مقام نہ ہوگا البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وکیل کا وصی اس کا قائم مقام ہوگا۔ لہٰذا وکیل کے مرنے کے بعد رہن فروخت کر سکتا ہے۔

و لا یبیع الراھن ......یعنی راہن رہن کو مرتہن کی اجازت کے بغیر فروخت نہیں کرے گا کیوں کہ رہن کی مالیت کا مرتہن زیادہ حق دار ہے لہٰذا راہن اس کو بیع کے ساتھ حوالے کرنے کا مالک نہیں ہے اور اسی طرح مرتہن رہن کو راہن کی اجازت کے بغیر فروخت نہیں کر سکتا کیوں کہ رہن کی عین راہن کی ملک ہے۔ البتہ اگر راہن اس کو وکیل بنا دے تب اس کا فروخت کرنا جائز ہے یا مرتہن نے فروخت کر دیا جب راہن کو اطلاع ملی تو اس نے اجازت دے دی تو یہ بھی صحیح ہے۔

عبارت:

فان حل اجله و راهنه غائب اجبر الوكيل على بيعه كا لوكيل بالخصومة غاب موكله و اباها فان الوكيل يجبر على الخصومة فالحاصل ان الوكيل لا يجبر على التصرف الا ان في هذه الصورة اذا غاب الراهن و ابى الوكيل عن البيع فان المرتهن يتضرر فيجبر الوكيل على البيع كما يجبر على الخصومة اذا غاب الموكل فان الموكل اعتمد عليه و غاب فلو لم يخاصم يتضرر المؤكل و يضيع حقه فيجير الوكيل على الخصومة و كذا يجبر لو شرط بعد الرهن في الاصح اعلم ان في الجبر قولين احدهما ان الجبر انما يثبت اذا كانت الوكالة لازمة و هي ان تكون في ضمن عقد الرهن فان كان بعده لا يجبر و الأخر ان الجبر بناء على ان حق المرتهن يضيع فيجبر كالوكيل بالخصومة اذا غاب الموكل و انما كان هذا القول اصح لان عدم الدليل لا يدل على عدم المدلول خصوصا اذا وجد دليل اخر۔

ترجمہ:

اور اگر مدت پوری ہوگئی دراں حالکہ راہن غائب ہے تو وکیل کو اس کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا جیسا کہ وکیل بالخصومت ہے جس کا موکل غائب ہو جائے اور وکیل خصومت سے انکار کرے۔ بلاشبہ وکیل کو خصومت پر مجبور کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وکیل کو تصرف پر مجبور صرف اسی صورت میں کیا جاتا ہے جب راہن غائب ہو اور وکیل فروخت کرنے سے انکار کرے کیوں کہ مرتہن کو ضرر ہوگا چناں چہ وکیل کو بیع پر مجبور کیا جائے گا جیسا کہ خصومت پر مجبور کیا جاتا ہے جب کہ موکل غائب ہو کیوں کہ موکل نے وکیل پر اعتماد کیا اور غائب ہوگیا پس اگر وکیل خصومت نہ کرے تو موکل کو ضرر ہوگا اور اس کا حق ضائع ہو جائے گا پس وکیل کو خصومت پر مجبور کیا جائے گا اور اسی طرح وکیل کو مجبور کیا جائے گا اگر رہن کے بعد شرط لگائی گئی اصح قول کے مطابق تو جان لے کہ مجبور کرنے میں دو قول ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جبر اسی وقت ثابت ہوگا جب وکالت لازم ہو اور وہ یہ ہے کہ وکالت عقدِ رہن کے ضمن میں ہو، چناں چہ اگر عقد رہن کے بعد ہو تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا اور دوسرا یہ ہے کہ مجبور کرنا اس بنا پر ہوتا ہے کہ مرتہن کا حق ضائع ہوگا۔ لہٰذا اس کو مجبور کیا جاتا ہے۔ جس طرح وکیل بالخصومت جب کہ موکل غائب ہو اور سوائے اس کے نہیں یہ قول اصح ہے، اس لیے کہ دلیل کا نہ ہونا مدلول کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا خاص طور پر جب دوسری دلیل پائی جائے۔

تشریح:

فان حل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بتا رہے ہیں کہ جب دین ادا کرنے کی مدت آجائے اور راہن نے دین ادا نہیں کیا اور معلوم کہاں چلا گیا تو اب اس کے وکیل کو قاضی رہن فروخت کرنے پر مجبور کرے گا کیوں کہ اگر وکیل نے رہن فروخت نہ کیا تو اس سے مرتہن کو نقصان ہوگا۔ اب وکیل کو مجبور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی اس کو چند دن کے لیے قید کر دے اگر وہ فروخت کر دے تو ٹھیک

ورنہ قاضی اس کو خود فروخت کر کے مرتہن کا دین ادا کرے یہ ایسا ہے جس طرح مدعی یا مدعی علیہ کی طرف سے کوئی شخص خصومت کا وکیل ہو اور اس کا موکل کہیں چلا جائے اور وکیل خصومت سے انکار کرے تو اس کو خصومت پر مجبور کیا جائے گا کیوں کہ موکل نے اس پر اعتماد کیا اور کہیں چلا گیا اب اگر یہ جھگڑا نہ کرے تو موکل کو نقصان ہوگا اور اس کا حق ضائع ہوگا۔ چناں چہ اس کو خصومت پر مجبور کیا جائے گا۔

و کذا یجبر ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ماقبل اس وکالت کا حکم گزرا ہے جس کی عقد رہن میں شرط لگائی گئی ہو اور اگر وکالت کی شرط عقد رہن کے بعد لگائی گی اور پھر حلول اجل ہوگئی اور وکیل نے رہن فروخت کرنے سے انکار کیا تو اب ایک قول کے مطابق وکیل کو مجبور نہیں کیا جائے گا اور ایک قول کے مطابق مجبور کیا جائے گا۔

پہلا قول:

پہلا قول (کہ مجبور نہیں کیا جائے گا) یہ اس پر مبنی ہے کہ مجبور کرنا اس وکالت میں ہوتا ہے جو وکالت لازمہ ہو اور وکالت لازمہ اس وقت ہوتی ہے جب وہ عقد رہن کے ضمن میں پائی جائے پس جو وکالت عقد رہن کے بعد ہو وہ وکالتِ لازمہ نہیں ہے جب یہ وکالت لازمہ نہیں ہے تو اس میں مجبور نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا قول:

(کہ مجبور کیا جائے گا) یہ اس پر مبنی ہے کہ وکیل کو مجبور نہ کرنے کی صورت میں مرتہن کا حق ضائع ہوگا پس مرتہن کے حق کو بچانے کی خاطر اس کو مجبور کیا جائے گا جس طرح ایک شخص خصومت کا وکیل ہو اور اس کا موکل غائب ہو جائے تو اس وکیل کو خصومت پر مجبور کیا جاتا ہے۔

راجح قول:

انما کان ھذا...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ دوسرا قول (یعنی وکیل کو مجبور کیا جائے گا) اصح ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جبر کی دلیل وکالت لازمہ ہے یعنی جو وکالت لازمہ ہو اس میں وکیل کو مجبور کیا جائے گا اور وکالت لازمہ صرف اسی وقت ہوتی ہے جب اس کی عقد رہن میں شرط رکھی جائے۔ پس جب وکیل کو مجبور کرنے کی دلیل وکالت لازمہ ہے اور دلیل کا نہ ہونا مدلول کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ یعنی یہ بات ضروری نہیں ہے کہ جو وکالت لازمہ نہ ہو اس میں وکیل کو مجبور نہ کیا جائے بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک وکالت غیر لازمہ ہو لیکن کسی دوسری دلیل کی وجہ سے اس میں وکیل کو مجبور کیا جائے وہ دوسری دلیل مرتہن کو نقصان ہونا ہے یعنی مجبور نہ کرنے کی صورت میں مرتہن کو نقصان ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ وکالت غیر لازمہ میں دوسری دلیل کی وجہ سے وکیل کو مجبور کیا جائے گا۔

عبارت:

فان باعه العدل فالثمن رهن فهلكه كهلكه فان او في ثمنه المرتهن فاستحق اى الراهن ففى الهالک اى اذا هلک الرهن فى يد المشترى ضمن المستحق الراهن قيمته و صح البيع و القبض او العدل ثم هو الراهن و صحا او المرتهن ثمنه و هوله و رجع المرتهن على راهنه بدينه اى المستحق اما ان ايضمن الراهن قيمة الرهن لانه غاصب وح صح البيع و قبض الثمن لان الراهن ملكه باداء الضمان و اما ان يضمن العدل القيمة لانه متعدٍ بالبيع و التسليم وح العدل بالخيار اما اى يضمن الراهن القيمة وحِ صح البيع و قبض الثمن و اما ان يضمن المرتهن الثمن الذى اداه اليه و هو له اى ذلک الثمن يكون للعدل فيرجع المرتهن على راهنه بدينه و فى القائم اخذه اى المستحق المرهون من مشتريه و رجع هو على العدل بثمنه ثم هو على الراهن به و صح القبض او

علی المرتھن بثمنه ثم هو علی الراهن بدینه ای العدل بالخیار اما ان یرجع علی الراهن بالثمن و ح صح قبض المرتهن الثمن و اما ان یرجع علی المرتهن ثم المرتهن یرجع علی الراهن بدینه و ان لم یشترط التوکیل فی الرهن رجع العدل علی الراهن فقط قبض المرتهن ثمنه او لا ای ما ذکر خیار العدل بین تضمین الراهن او المرتهن انما یکون اذا کانت الوکالة مشروطة فی عقد الرهن فانه ح تعلق حق المرتهن بالوکالة فللعدل تضمین المرتهن لانه باعه لحقه اما اذا لم تکن مشروطة فی الرهن تکون کالوکالة المفردة فانه اذا باع الوکیل و ادی الثمن الی اٰخر بامر الموکل ثم لحقه عهدة لا یرجع علی القابض فهو منا لا یرجع الا علی الراهن سواء قبض المرتهن الثمن او لم یقبض و صورة مالم یقبض ان العدل باع الرهن بامر الراهن و ضاع الثمن فی ید العدل بلا تعدیة ثم استحق المرهون فالضمان الذی یلحق العدل یرجع به علی الراهن۔

ترجمہ:

اوراگر عادل نے رہن فروخت کر دیا تو ثمن رہن ہوگا چناں چہ ثمن کا ہلاک ہونا رہن کے ہلاک ہونے کی طرح ہے، پھر اگر مشتری نے اس کا ثمن مرتہن کو ادا کر دیا پھر رہن کا کوئی مستحق نکل آیا پس ہلاکت کی صورت میں یعنی جب رہن مشتری کے پاس ہلاک ہو گیا تو مستحق راہن کو اس کی قیمت کا ضامن بنائے اور بیع اور قبضہ صحیح ہے یا عادل کو ضامن بنائے پھر عادل راہن کو ضامن بنائے اور دونوں صحیح ہیں یا مرتہن کو اس کے ثمن کا ضامن بنائے اور ثمن عادل کا ہوگا اور مرتہن اپنے راہن پر اپنے دین کا رجوع کرے یعنی مستحق یا تو راہن کو رہن کی قیمت کا ضامن بنائے اس لیے کہ راہن غائب ہے اور بیع اور ثمن پر قبضہ صحیح ہے اس لیے کہ راہن ضمان ادا کرنے سے اس کا مالک بن گیا اور یا عادل کو قیمت کا ضامن بنائے اس لیے کہ عادل فروخت کرنے اور حوالے کرنے سے تعدی کرنے والا بن گیا اور اس وقت عادل کو اختیار ہوگا یا تو راہن کو قیمت کا ضامن بنائے اور اس وقت بیع اور ثمن پر قبضہ صحیح ہے اور یا مرتہن کو اس ثمن کا ضامن بنائے جو اس نے مرتہن کو ادا کیا اور ثمن اس کا ہوگا یعنی یہ ثمن عادل کا ہوگا۔ چناں چہ مرتہن اپنے راہن سے اپنے دین کا رجوع کرے گا اور قائم (رہن موجود ہونے) کی صورت میں مستحق شئ مرہون کو اس کے مشتری سے لے لے اور مشتری عادل سے اس کے ثمن کا رجوع کرے پھر وہ عادل راہن سے اس کا رجوع کرے اور قبضہ صحیح ہے یا مرتہن سے اس کے ثمن کا رجوع کرے پھر مرتہن راہن سے اپنے دین کا رجوع کرے یعنی عادل کو اختیار ہے یا تو راہن سے ثمن کا رجوع کرے اور اس وقت مرتہن کا ثمن پر قبضہ کرنا صحیح ہے اور یا راہن مرتہن سے رجوع کرے پھر مرتہن راہن سے اپنے دین کا رجوع کرے اور اگر رہن میں توکیل کی شرط نہ رکھی گئی ہو تو عادل فقط راہن سے رجوع کرے گا مرتہن نے اس کے ثمن پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو یعنی یہ جو راہن یا مرتہن کو ضامن بنانے کے درمیان عادل کے اختیار کو ذکر کیا گیا ہے یہ اس وقت ہے جب وکالت کی عقد رہن میں شرط رکھی گئی ہو کیوں کہ اس وقت مرتہن کا حق وکالت سے متعلق ہوگا۔ چناں چہ عادل کے لیے مرتہن کو ضامن بنانا جائز ہے، اس لیے کہ عادل نے مرتہن کے حق کی وجہ سے فروخت کیا ہے۔ بہر حال جب وکالت کی عقدِ رہن میں شرط نہ رکھی گئی ہو تو یہ وکالت مفردہ کی طرح ہوگی کیوں کہ جب وکیل نے بیع کی اور دوسرے کو موکل کے حکم سے ادا کر دیا پھر اس کو استحقاق لاحق ہو گیا تو وکیل ثمن پر قبضہ کرنے والے سے رجوع نہیں کرے گا پس یہاں وکیل صرف راہن سے رجوع کرے گا خواہ مرتہن نے ثمن پر قبضہ کیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو اور قبضہ نہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ عادل نے رہن راہن کے حکم سے فروخت کر دیا اور ثمن عادل کے قبضہ میں بلا تعدی ضائع ہو گیا پھر مرہون کا مستحق نکل آیا چناں چہ وہ ضمان جو عادل کو لاحق ہوئی وہ اس کا راہن سے رجوع کرے گا۔

تشریح:

فان باعه العدل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ رہن عادل شخص کے پاس تھا پھر عادل نے اس کو فروخت کر دیا تو اب ثمن اس شئ کی جگہ رہن شمار ہوگا۔ لہٰذا ثمن ہلاک ہونے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ مرہون شئ ہلاک ہوگئی پھر اگر عادل نے وہ ثمن مرتہن کو دے دیا اور اس کے بعد مرہون مبیع کا کوئی مستحق نکل آیا تو اب دو صورتیں ہیں یا تو وہ مرہون شئ ہلاک ہو چکی ہوگی یا موجود ہوگی۔

ففی الهالک ...... یعنی اگر مرہون شئ مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی ہو تو اب مستحق کو اختیار ہے اگر چاہے تو راہن کو اس شئ کی قیمت کا ضامن بنائے اس لیے کہ وہ غاصب ہے اور اگر چاہے تو عادل کو ضامن بنائے اس لیے کہ عادل نے بیع کرنے اور حوالے کرنے سے تعدی کی ہے۔ چناں چہ اب اگر مستحق نے راہن کو ضامن بنایا تو عادل کی بیع کرنا اور مرتہن کا ثمن پر قبضہ کرنا دونوں صحیح ہو جائیں گے کیوں کہ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے راہن اس کا مالک بن گیا پس یہ بات ظاہر ہوگئی کہ عادل نے راہن کی مملوکہ شئ فروخت کی ہے اور اگر مستحق نے عادل کو ضامن بنایا تو عادل کی بیع کرنا صحیح ہے کیوں کہ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس نے اپنی ذاتی شئ فروخت کی ہے البتہ اس صورت میں عادل کو اختیار ملے گا چاہے تو راہن سے اس شئ کی قیمت وصول کرے چناں چہ عادل کا بیع کرنا اور مرتہن کا ثمن پر قبضہ کرنا صحیح ہوگا اور اگر چاہے تو مرتہن سے وہ ثمن واپس لے لے جو عادل نے مرتہن کو ادا کیا تھا تو اب یہ ثمن عادل کا ہوگا۔ لہٰذا مرتہن اپنے راہن سے دین کا رجوع کرے گا۔　　[البنایہ: ۱۵/۲۹۰]

و فی القائم ...... یعنی اگر وہ شئ مشتری کے پاس موجود ہو تو مستحق وہ شئ مشتری سے لے لے کیوں کہ جب بعینہٖ اس کا مال موجود ہے تو وہ اس کو لینے کا زیادہ حق دار ہے اور مشتری عادل (بائع) سے رجوع کرے کیوں کہ وہی عاقد ہے چناں چہ عقد کے حقوق اس سے متعلق ہیں اور ثمن کا رجوع کرنا بھی عقد کے حقوق میں سے ہے اور عادل کو اختیار ہے اگر چاہے تو راہن سے قیمت کا رجوع کرے اور جب عادل نے رجوع کرلیا تو اب مرتہن کا ثمن پر قبضہ کرنا صحیح ہے اور اگر چاہے تو عادل مرتہن سے اس ثمن کا رجوع کرے جو ثمن عادل نے مرتہن کو ادا کیا تھا پھر مرتہن اپنا دین راہن سے وصول کرے۔

و ان لم یشترط ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ماقبل میں جو یہ تفصیل گزری ہے کہ عادل کو اختیار ہے خواہ راہن سے قیمت کا رجوع کرے یا مرتہن سے ادا کیے ہوئے ثمن کا رجوع کرے یہ تفصیل اس وقت ہے جب عادل کو رہن فروخت کرنے کا عقد رہن کے وقت وکیل بنایا گیا ہو چناں چہ اگر عادل کو عقد رہن کے بعد فروخت کرنے کا وکیل بنایا گیا تو اس صورت میں عادل فقط راہن سے قیمت کا رجوع کرے گا مرتہن سے رجوع نہیں کرے گا خواہ اس نے ثمن پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو کیوں کہ جس وکالت کی عقد رہن کے وقت شرط لگائی گئی اس وکالت کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہوگیا چناں چہ عادل نے مرتہن کے حق کی وجہ سے شئ فروخت کی ہے۔ لہٰذا عادل مرتہن سے رجوع کرسکتا ہے البتہ وہ وکالت جس کی شرط عقد کے بعد لگائی گئی وہ وکالتِ مفردہ کی طرح ہے۔ یعنی اس وکالت کی طرح ہے جو نہ عقد کے وقت مشروط ہو اور نہ عقد کے بعد مشروط ہو اس کی صورت یہ ہے کہ جب دین ادا کرنے کا وقت آیا تو راہن نے اپنے وکیل کو شئ فروخت کرنے کا حکم دیا اور ثمن مرتہن کے حوالے کرنے کا حکم دیا پھر وکیل کی فروخت کردہ شئ کا کوئی مستحق نکل آیا تو اب وکیل ثمن کا رجوع صرف موکل سے کرے گا اور ثمن جس کے حوالے کیا ہے اس سے رجوع نہیں کرے گا بالکل اسی طرح یہاں بھی عادل صرف راہن سے رجوع کرے گا۔ مرتہن سے ثمن کا رجوع نہیں کرے گا خواہ اس نے ثمن پر قبضہ کیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو۔

وصورۃ مالم یقبض ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ مرتہن کے ثمن پر قبضہ نہ کرنے کی صورت بیان کررہے ہیں کہ عادل نے مرہون شئی فروخت کی اور ثمن اس کے پاس بلا کسی تعدی ضائع ہوگیا پھر مرہون شئی کا کوئی مستحق نکل آیا تو عادل نے جو ضمان ادا کی ہے اس کا راہن سے رجوع کرے گا۔

عبارت:

فان هلك الرهن مع المرتهن فاستحق و ضمن الراهن قيمته هلك بدينه اى يكون مستوفيا دينه و ان ضمن المرتهن رجع على الراهن بقيمته و بدينه اى المستحق بالخيار بين تضمين الراهن او المرتهن فان ضمن الراهن ملكه باداء الضمان فصح الرهن و ان ضمن المرتهن يرجع على الراهن بالقيمة لانه مغرور من جهة الراهن و بالدين لانه انتقض قبضه فيعود حقه كما كان قيل عليه لما كان قرار الضمان على الراهن و الملك في المضمون يثبت لمن عليه قرار الضمان فتبين انه رهن ملك نفسه۔

ترجمہ:

اور اگر رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہوگیا پھر اس کا مستحق نکل آیا اور راہن اس کی قیمت کا ضامن بنا تو وہ اس کے دین کے بدلے ہلاک ہوگی یعنی مرتہن اپنا دین وصول کرنے والا شمار ہوگا اور اگر مستحق نے مرتہن کو ضامن بنایا تو وہ راہن سے اس کی قیمت اور اپنے دین کا رجوع کرے گا یعنی مستحق کو راہن یا مرتہن کو ضامن بنانے کے درمیان اختیار ہے پس اگر مستحق نے راہن کو ضامن بنایا تو ضمان ادا کرنے سے اس شئی کا مالک بن جائے گا پس رہن رکھنا صحیح ہے اور اگر مرتہن کو ضامن بنایا تو وہ راہن پر قیمت کا رجوع کرے گا اس لیے کہ اس کا قبضہ ٹوٹ گیا چناں چہ اس کا حق لوٹ آیا جس طرح تھا اس پر اعتراض کیا گیا جب ضمان کا ثابت ہونا راہن پر ہے اور مضمون شئی میں ملکیت اس شخص کی ثابت ہوتی ہے جس پر ضمان کا ثبوت ہو پس یہ بات واضح ہوگئی کہ اس شخص نے اپنی ملک رہن رکھی تھی۔

تشریح:

فان هلك الرهن ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ اگر رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہوگیا پھر اس کا کوئی مستحق نکل آیا تو اب مستحق کو اختیار ہے اگر چاہے تو راہن کو اس کی قیمت کا ضامن بنائے اس صورت میں وہ شئی راہن کے دین کے بدلے ہلاک شمار ہوگی چناں چہ مرتہن نے اپنا دین وصول کرلیا اور اگر چاہے تو مرتہن کو اس کی قیمت کا ضامن بنائے اس صورت میں مرتہن راہن سے شئی کی قیمت بھی لے اور اپنا دین بھی لے۔ بہر حال قیمت اس وجہ سے لے گا کہ اس کو راہن نے ایسی شئی دے کر دھوکہ دیا ہے جو راہن کی ملک نہ تھی اور مرتہن نے اس کا ضمان ادا کیا ہے اور دین اس وجہ سے لے گا کہ جب وہ شئی دوسرے کی تھی تو مرتہن کا قبضہ اس پر نہ رہا چناں چہ مرتہن کا دین دوبارہ پہلے کی طرح لوٹ آیا مستحق کے راہن اور مرتہن کو ضامن بنانے کے درمیان فرق یہ ہے کہ راہن کو ضامن بنانے کی صورت میں مرتہن کا دین ادا شمار ہوگا اور مرتہن کا شئی پر قبضہ ختم نہ ہوگا البتہ مرتہن کو ضامن بنانے کی صورت میں مرتہن کا قبضہ ختم ہوجائے گا چناں چہ اس کا حق دوبارہ لوٹ آئے گا۔

اعتراض:

قیل ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ قاضی ابوحازم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اعتراض نقل کررہے ہیں یہ اعتراض اس اصول پر مبنی ہے کہ شئی مضمون میں ملکیت اس شخص کی ہوتی ہے جس پر ضمان آتا ہے اور یہاں دونوں صورتوں میں (خواہ مستحق راہن کو ضامن بنائے یا مرتہن کو ضامن

بنائے اور پھر مرتہن راہن کو قیمت کا ضامن بنائے) ضمان کا ثبوت راہن پر ہے پہلی صورت میں ابتداء راہن ضامن ہے اور دوسری صورت میں راہن انتہاءً ضامن ہے۔ جب دونوں صورتوں میں راہن ضامن ہے۔ چناں چہ شئی مضمون میں ملکیت راہن کی ثابت ہوگی جب شئی مضمون میں راہن کی ملکیت ثابت ہے تو جس طرح پہلی صورت میں مرتہن کا قبضہ ختم نہیں ہوتا اور وہ اپنا دین وصول کرنے والا شمار ہوتا ہے، اسی طرح دوسری صورت میں بھی مرتہن کا قبضہ ختم نہیں ہونا چاہیے اور مرتہن اپنا دین وصول کرنے والا شمار ہو۔

نوٹ:

اس کا جواب ھدایہ اور اس کی شروحات میں مفصلاً مذکور ہے۔ **ترکتها مخافة التطويل من شاء فليراجعه ثمه۔**

[البنایہ: ۱۵/۲۹۴، العنایۃ: ۹/۱۰۹]

......☆☆☆☆......

باب التصرف و الجنایة فی الرهن

عبارت:

وقف بیع الراهن رهنه بان اجازت مرتهنه او قضی دینه نفذ و صار ثمنه رهنا و ان لم یجز و فسخ لا ینفسخ فی الاصح و صبر المشتری الی فک الرهن او الرفع الی القاضی لیفسخ اعلم ان المرتهن اذا فسخ ینفسخ فی روایة و الاصح انه لا ینفسخ لان حقه فی الحبس لا یبطل بانعقاد هذا العقد فبقی موقوفاً فالمشتری ان شاء صبر الی فک الرهن او رفع الامر الی القاضی لیفسخ البیع و صح اعتاقه و تدبیره واستیلاده و رهنه فان فعلها غنیا ففی دینه حالا اخذ دینه و فی موجله قیمته للرهن بدلا الی محل اجله ای اخذ قیمته لاجل ان یکون رهنا عوضا من المرهون الی زمان حلول الاجل فائدته تظهر اذا کانت القیمة من غیر جنس الدین کما اذا کانت القیمة الدراهم و الدین کر برو لا قدرة له علی اداء الدین فی الحال فیکون الدراهم هنا الی محل الاجل و ان فعلها معسر افغی العتق سعی العبد فی اقل من قیمته و من الدین فیرجع علی سیده غنیا و فی اختیه سعی فی کل الدین و لا رجوع. فان الراهن اذا اعتق و هو معسر فان کان الدین اقل من القیمة سعی العبد فی الدین و ان کانت القیمة اقل سعی فی القیمة لانه انما یسعی لانه لما تعذر المرتهن استیفاء حقه من الراهن یاخذه ممن ینتفع بالعتق والعبد انما ینتفع بمقدار ما لیته ثم یرجع بما سعی علی السید اذا ایسر سیده لانه قضی دینه و هو مضطر فیه بحکم الشرع فیرجع علیه بما تحمل عنه و فی التدبیر و الاستیلاد سعی فی کل الدین لان کسب المدبر والمستولدة ملک المولی فیسعیان فی کل دینه و لا رجوع۔

ترجمہ:

راہن کا رہن کو فروخت کرنا موقوف ہوگا چناں چہ اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دے دی یا راہن نے اس کا دین ادا کر دیا تو بیع نافذ ہو جائے گی اور اس کا ثمن رہن ہوگا اور اگر اس نے اجازت نہ دی اور بیع فسخ کی تو اصح قول کے مطابق بیع فسخ نہ ہوگی اور مشتری رہن چھڑوانے تک صبر کرے یا قاضی کے پاس فسخ کے لیے معاملہ لے جائے تو جان لے کہ مرتہن جب بیع فسخ کر دے تو ایک روایت میں بیع فسخ ہو جائے گی اور اصح یہ ہے کہ بیع فسخ نہ ہوگی اس لیے کہ مرتہن کا حق شئی روکنے میں اس عقد کے منعقد ہونے کی وجہ سے باطل نہ ہوگا۔ چناں چہ بیع موقوف رہے گی پس مشتری اگر چاہے تو رہن چھڑوانے تک صبر کرے یا قاضی کے پاس معاملہ لے جائے تا کہ وہ بیع فسخ

کردے اور راہن کا رہن کو آزاد کرنا اور مدبر بنانا اور ام ولد بنانا صحیح ہے چناں چہ اگر راہن نے ان تصرفات کو غنی ہونے کی حالت میں کیا تو اس کے دین حال کی صورت میں مرتہن اپنا دین لے لے اور دین مؤجل کی صورت میں شئی کی قیمت حلول اجل تک رہن کے بدلے لے یعنی اس کی قیمت لے لے اس وجہ سے کہ وہ مرہون کے عوض حلول اجل تک رہن ہو جائے اور اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب قیمت دین کی جنس کا غیر ہو جیسا کہ جب قیمت دراہم ہو اور دین گندم کا گر ہو اور اس کو فی الحال دین ادا کرنے کی قدرت نہ ہو چناں چہ دراہم حلول اجل تک رہن ہوں گے اور اگر ان امور کو کسی نے تنگ دست حالت میں کیا تو آزادی کی صورت میں غلام اپنی قیمت اور دین میں سے اقل میں سعی کرے گا پھر اپنے آقا سے دراں حالکہ وہ غنی ہو رجوع کرے گا اور اس کی دونوں بہنوں (مدبر بنانا، ام ولد بنانا) میں غلام پورے دین میں سعی کرے گا اور رجوع نہیں ہے کیوں کہ راہن جب آزاد کرے دراں حالکہ وہ تنگ دست ہو پس اگر رہن قیمت سے اقل ہو تو غلام دین میں سعی کرے گا اور اگر قیمت اقل ہو تو غلام قیمت میں سعی کرے گا اس لیے کہ غلام اسی وقت سعی کرتا ہے جب مرتہن کے لیے اپنا حق راہن سے وصول کرنا مشکل ہو تو مرتہن اس سے لے گا جس نے آزادی سے نفع اٹھایا ہے اور غلام نے صرف اپنی مالیت کی مقدار نفع اٹھایا ہے پھر وہ آقا سے مزدوری کا رجوع کرے گا جب اس کا آقا مالدار ہو جائے اس لیے کہ غلام نے اس کا دین ادا کیا۔ دراں حالکہ وہ شرع کے حکم سے مجبور تھا چناں چہ غلام اس پر اس مال کا رجوع کرے گا جو غلام نے اس کی طرف سے برداشت کیا ہے اور مدبر بنانے اور ام ولد بنانے میں غلام پورے دین میں سعی کرے گا اس لیے کہ مدبر اور مستولدہ کی کمائی آقا کی ملک ہے۔ چناں چہ وہ دونوں سارے دین میں سعی کریں گے اور رجوع نہیں ہے۔

تشریح:

وقف بيع الرهن ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر راہن نے شئی مرہون فروخت کر دی تو یہ بیع موقوف ہوگی پس اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دے دی تو بیع نافذ ہو جائے گی اور اس کا ثمن رہن شمار ہوگا یا راہن مرتہن کا دین ادا کر دے تو بھی یہ بیع نافذ ہو جائے گی اور اگر مرتہن نے اجازت نہ دی اور بیع فسخ کی تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ بیع فسخ کرنے سے فسخ ہو جائے گی اور دوسری روایت یہ ہے کہ بیع فسخ کرنے سے فسخ نہ ہوگی یہی روایت اصح ہے اس لیے کہ مرتہن کا حق شئی مرہون کو روکنے کا ہے اور اس عقد کے منعقد ہونے سے مرتہن کا حق باطل نہ ہوگا چناں چہ یہ بیع موقوف ہوگی جب یہ بیع موقوف ہے تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو راہن کے رہن چھڑوانے تک صبر کرلے اور چاہے تو یہ معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تاکہ وہ بیع فسخ کرے۔

وصح اعتاقه ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر راہن نے مرہون غلام کو آزاد کر دیا یا مدبر بنا دیا یا مرہون باندی کو ام ولد بنالیا تو راہن کے یہ تصرفات نافذ ہوں گے اور غلام آزاد اور مدبر بن جائے گا اور باندی ام ولد بن جائے گی اور عقد رہن باطل ہو جائے گا۔

ترکیب:

''وصح اعتاقه و تدبيره واستيلاده رهنه'' کی ترکیب یہ ہے کہ ''اعتاق'' مصدر ''ہ'' ضمیر کی مضاف ہے جو اس کا فاعل ہے اور راہن کی طرف راجع ہے اور ''رهنه'' مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ [شامی: ۶/۵۰۹]

فان فعلها غنيا ...... سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ راہن یا تو مالدار ہوگا یا غریب ہوگا۔ پس اگر راہن مالدار ہو تو دو صورتیں ہیں یا تو دین

ادا کرنے کا وقت آ چکا ہو اور راہن نے یہ تصرفات کر دیئے ہوں تو مرتہن اپنا دین لے لے اور اگر دین ادا کرنے کا وقت نہ آیا ہو تو مرتہن دین کے وقت تک رہن کی قیمت رہن کے بدلے رہن کے طور پر لے لے۔ اب قیمت رہن لینے کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب دین قیمت کی جنس میں سے نہ ہو، مثلاً دین گندم کا ایک کُرتھا اور رہن کی قیمت پانچ دراہم تھی تو اب دین ادا کرنے کے وقت تک یہ دراہم بطور رہن مرتہن کے پاس رہیں گے۔

و ان فعلها معسراً ...... سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر راہن غریب ہو تو غلام اپنی قیمت اور دین میں سے اقل رقم مزدوری کر کے مرتہن کو دے گا مثلاً غلام کی قیمت ہزار روپے تھی اور دین بارہ سو روپے تھا تو غلام مزدوری کر کے ہزار روپے مرتہن کو دے گا اور اگر دین ہزار روپے ہو اور غلام کی قیمت بارہ سو روپے ہو تو غلام مزدوری کر کے ہزار روپے دین کے مرتہن کو دے گا اب رہی یہ بات کہ غلام مزدوری کر کے کیوں دے گا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتہن کو اپنا حق راہن سے وصول کرنا مشکل ہو گیا ہے چناں چہ مرتہن اپنا حق اس شخص سے لے گا جس نے آزادی سے فائدہ اٹھایا ہے اور وہ غلام ہے اور غلام نے چوں کہ راہن کا دین مزدوری کر کے ادا کیا ہے۔ لہٰذا جب راہن مالدار ہو جائے تو غلام اس رقم کا راہن سے رجوع کرے گا۔

اور اگر راہن نے غلام کو مدبر بنایا ہو یا باندی کو ام ولد بنایا ہو تو اس صورت میں غلام اور باندی پورے دین کو مزدوری کر کے مرتہن کو ادا کریں گے خواہ غلام اور باندی کی قیمت دین سے کم ہو یا زیادہ ہو اس لیے کہ مدبر اور مستولدہ کی ساری کمائی آقا (راہن) کی ملک ہے چناں چہ وہ دونوں سارے دین کو مزدوری کر کے ادا کریں گے اور مولیٰ کے غنی ہونے کے بعد رجوع نہیں کریں گے۔

عبارت:

و اتلافه رهنه كاعتاقه غنيا في ان اتلف الراهن فكما اعتقه غنيا اى ان كان الدين حالا اخذ منه الدين و ان كان مؤجلا اخذ قيمته ليكون رهنا الى زمان حلول الاجل و اجنبى اتلفه ضمنه مرتهنه و كان اى الضمان رهنا معه و رهن اعاره مرتهنه راهنه او احدهما باذن صاحبه آخر سقط ضمان فهلكه مع مستعيره هلك بلا شئى و لكل منهما ان يرده رهنا فان مات الراهن قبل رده فالمرتهن احق به من الغرماء لان حكم الرهن باقٍ فيه لان يد العارية ليست بلازمة و كونه غير مضمون لا يدل على انه غير مرهون فان ولد الرهن مرهون غير مضمون و مرتهن اُذِنَ باستعمال رهنه و اَستعاره من راهنه لعمل ان هلك قبل عمله او بعده ضمن قيمة الرهن و لو هلك حال عمله لا۔

ترجمہ:

اور راہن کا رہن کو ضائع کرنا راہن کے غنی ہونے کی حالت میں آزاد کرنے کی طرح ہے یعنی اگر راہن نے رہن ضائع کر دیا تو ایسے ہے جس طرح راہن نے غنی ہونے کی حالت میں رہن کو آزاد کر دیا یعنی اگر دین حال ہو تو مرتہن راہن سے دین لے لے اور اگر دین مؤجل ہو تو رہن کی قیمت لے لے تا کہ وہ حلولِ اجل کے زمانے تک رہن بن جائے اور وہ اجنبی جس نے رہن ضائع کر دیا تو مرتہن اس کو ضامن بنائے گا اور ضمان مرتہن کے پاس رہن ہوگا اور وہ رہن جس کو اس کے مرتہن نے راہن کو عاریت پر دیا یا ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کی اجازت سے دوسرے کو عاریت پر دیا تو اس کی ضمان ساقط ہو جائے گی۔ چناں چہ رہن کا اس کے مستعیر کے پاس ہلاک ہونا بلا کسی شئی کے ہلاک ہونا شمار ہوگا اور ان میں سے ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ اس کو بطور رہن واپس کر دے پھر اگر راہن اس کو لوٹانے

سے قبل مرگیا تو مرتہن رہن کا غرماء سے زیادہ حق دار ہے، اس لیے کہ رہن کا حکم اس میں باقی ہے کیوں کہ عاریت کا قبضہ لازمی نہیں ہے اور اس کا غیر مضمون ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ مرہون نہیں ہے کیوں کہ رہن کی بڑھوتری مرہون غیر مضمون ہوتی ہے اور وہ مرتہن کو رہن استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہو یا مرتہن نے رہن اس کے راہن سے عاریتاً کسی عمل کے لیے لے لیا ہو اگر وہ شئی اس کے عمل سے قبل یا بعد میں ہلاک ہوئی تو مرتہن رہن کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر عمل کے وقت ہلاک ہوئی تو مرتہن ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:

و اتلافه رهنه...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرر ہے ہیں کہ اگر راہن نے شئی مرہون کو ہلاک کردیا تو اس کا وہی حکم ہے جو اس مالدار راہن کا حکم ہے جو مرہون غلام کو آزاد کردے یعنی دین کو دیکھا جائے گا اگر دین ادا کرنے کا وقت آچکا ہو تو مرتہن راہن سے دین لے لے اور اگر وقت نہ آیا ہو تو مرتہن مرہون کی قیمت لے کر دین کے وقت تک رہن رکھ لے۔ **اجنبی اتلفه**...... اگر کسی اجنبی (مراد راہن کے علاوہ شخص ہے) نے رہن ضائع کردیا تو اس صورت میں مرتہن اس اجنبی کو رہن کی قیمت کا ضامن بنائے اور رہن کی قیمت وہ معتبر ہوگی جو رہن ہلاک ہونے والے دن تھی چناں چہ اگر ہلاک ہونے والے دن رہن کی قیمت پانچ سو دراہم تھی اور عقدِ رہن والے دن ہزار دراہم تھی تو اجنبی پانچ سو دراہم کا ضامن ہوگا اور وہ پانچ سو دراہم مرتہن کے پاس رہن ہوں گے اور دین میں سے پانچ سو دراہم ساقط ہوجائیں گے۔

و رهن اعار...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کرر ہے ہیں کہ مرتہن نے شئی مرہون پر قبضہ کرنے کے بعد وہ شئی راہن کو بطور عاریت دے دی یا راہن اور مرتہن میں سے کسی نے وہ شئی مرہون کسی اجنبی کو عاریت پر دے دی تو اب وہ شئی مرتہن کے قبضے سے نکلنے کی وجہ سے غیر مضمون ہوگئی۔ لہٰذا اس کے مستعیر کے پاس ہلاک ہونے کی صورت میں بلاکسی ضمان کے ہلاک ہوگی یعنی راہن کے دین سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا البتہ عاریت پر دینے والے کو اختیار ہے کہ اس شئی کو مستعیر سے لے کر دوبارہ رہن بنادے اس لیے کہ شئی مرہون عاریت پر دیئے جانے کے باوجود عقدِ رہن کے حکم میں باقی ہے کیوں کہ عاریت کا قبضہ لازمی نہیں ہے، چناں چہ جب یہ شئی رہن کے حکم میں ہے تو اس کو دوبارہ مرہون بنایا جاسکتا ہے۔

اشکال:

یہاں ایک ہلکا سا اشکال ہوتا ہے کہ جب یہ شئی عاریت پر دیئے جانے کے باوجود رہن کے حکم میں باقی ہے تو عاریت کے باوجود اس کی ضمان مرتہن سے ساقط نہ ہو حالاں کہ ماقبل میں گزرا ہے کہ جب یہ شئی عاریت پر دے دی تو یہ مرتہن کی ضمان سے نکل گئی۔

جواب:

کونه غیر مضمون...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ اسی اشکال مقدر کا جواب دے رہے ہیں کہ اس میں منافات نہیں ہے کہ ایک شئی عاریت پر بھی دی جائے اور وہ رہن کے حکم میں بھی باقی ہو یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شئی مرہون ہونے کے باوجود غیر مضمون ہو جیسا کہ جب کوئی جانور مرہون ہو اور وہ بچہ جنم دے تو وہ بچہ مرہون ہوتا ہے لیکن مضمون نہیں ہوتا۔

فائدہ:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ مرتہن نے وہ شئی راہن کو بطور عاریت دے دی اس کو عاریت کا نام دینا مجازاً ہے کیوں کہ عاریت یہ ہے کہ کسی کو شئی کے منافع کا بلاعوض مالک بنادیا جائے اور مرتہن خود شئی کے منافع کا مالک نہیں ہے تو دوسرے کو کس

طرح مالک بنا سکتا ہے لیکن چوں کہ عاریت میں شئی مضمون نہیں ہوتی اور اس طرح دینے میں بھی مضمون نہیں ہے اس لحاظ سے اس کا نام عاریت رکھا گیا ہے۔ [شامی: ۶/۵۱۰]

و مرتهن اذن ...... سے یہ بیان کرر ہے ہیں کہ اگر کسی مرتہن کو اس کے راہن نے شئی مرہون استعمال کرنے کی اجازت دے دی ہو یا راہن سے مرتہن نے شئی بطور عاریت کسی کام کے لیے لی ہو تو اب اگر وہ شئی کام کرنے سے قبل یا کام کرنے کے بعد ہلاک ہوگئی تو مرتہن اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر وہ شئی کام کرنے کے دوران ہلاک ہوئی تو مرتہن اس کا ضامن نہ ہوگا کیوں کہ کام کے دوران وہ شئی عاریت کے حکم میں ہے جس کی ضمان نہیں لازم نہیں ہوتی۔

عبارت:

و صح استعارة شئی لیرهن بما شاء و ان قید تقید بما عین من قدر و جنس و مرتهن و بلد فان خالف ضمن المعیر مستعیره و یتم رهنه بینه و بین مرتهنه او ایاه الضمیر راجع الی المرتهن و معطوف علی المستعیر و رجع هو بما ضمن و بدینه علی راهنه فان وافق و هلک مع مرتهنه فقد اخذ کل دینه ان کانت القیمة مثل الدین او اکثر و ضمن مستعیره قدر دین اوفاه منه لا القیمة والبعض دینه ان کانت اقل و باقی دینه راهنه ای ان وافق و هلک الرهن مع المرتهن فان کانت قیمته عشرة والدین عشرة فقد اخذ المرتهن کل الدین و یضمن المستعیر الدین الذی اوفاه و هو عشرة للمعیر و ان کانت قیمته خمسة عشر و الدین عشرة فقد اخذ المرتهن کل الدین فیضمن المستعیر الدین الذی اوفاه ای العشرة و لا یضمن القیمة لانه قد وافق فلیس بمتعد و ان کانت القیمة عشرة و الدین خمسة عشر فقد اخذ المرتهن بعض الدین و هو عشرة و باقی الدین علی الراهن و یضمن المستعیر قدرما او فاه من الدین و هو العشرة و لا یمتنع المرتهن اذا قضی المعیر دینه و فک رهنه اذ هو یسعی فی تخلیص ملکه و یرجع علی الراهن بما ادی لانه غیر متبرع کما ذکرنا فلو هلک مع الراهن قبل رهنه او بعد فکه لا یضمن و ان استخدمه او رکبه من قبل لانه امین خالف ثم عاد الی الوفاق فلا یضمن خلافا للشافعی رحمه الله تعالی۔

ترجمہ:

اور کسی شئی کو رہن رکھنے کے لیے عاریت پر لینا صحیح ہے چناں چہ وہ جس کو چاہے رہن رکھوائے اور اگر معیر نے قید لگائی تو عاریت اس مقدار اور جنس اور مرتہن اور شہر کے ساتھ مقید ہوگی لہٰذا اگر اس نے مخالفت کی تو معیر شئی کے مستعیر کو ضامن بنائے گا اور اس کا رہن رکھوانا راہن اور اس کے مرتہن کے درمیان مکمل ہو جائے گا یا مرتہن کو (ضامن بنائے) ضمیر مرتہن کی طرف راجع ہے اور مستعیر پر معطوف ہے اور مرتہن مال مضمون اور اپنے دین کا راہن پر رجوع کرے گا اور اگر مستعیر نے موافقت کی اور وہ شئی اس کے مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو بلاشبہ مرتہن نے اپنا پورا دین وصول کرلیا اگر قیمت دین کے مثل یا زائد ہو اور اس کا مستعیر دین کی اتنی مقدار کا ضامن ہوگا جو مقدار مستعیر نے اس سے ادا کی ہے قیمت کا ضامن نہ ہوگا اور بعض دین کا ضامن ہوگا اگر قیمت کم ہو اور باقی دین اس کے راہن کے ذمے ہوگا۔ یعنی اگر اس نے موافقت کی اور رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہوگیا چناں اگر اس کی قیمت دس دراہم ہو اور دین دس دراہم ہو تو تحقیق مرتہن نے سارا دین لے لیا اور مستعیر اس دین کا جو اس نے ادا کیا ہے وہ دس دراہم ہے معیر کے لیے ضامن ہوگا اور اگر اس کی قیمت پندرہ دراہم ہو

اور دین دس دراہم ہو تو تحقیق مرتہن نے سارا دین وصول کر لیا چناں چہ مستعیر اس دین کا جو اس نے ادا کیا ہے وہ دس دراہم ہے ضامن ہوگا اور قیمت کا ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے موافقت کی ہے۔ لہٰذا یہ تعدی کرنے والا نہیں ہے اور اگر قیمت دس دراہم ہو اور دین پندرہ دراہم ہو تو تحقیق مرتہن نے کچھ دین لے لیا اور وہ دس دراہم ہے اور باقی دین راہن کے ذمے ہے اور مستعیر اتنی مقدار کا ضامن ہوگا جو اس نے دین سے ادا کی ہے اور وہ دس دراہم ہے اور مرتہن نہیں روکے گا جب معیر راہن کا دین ادا کر دے اور اس کا رہن چھڑوالے اس لیے کہ وہ اپنی ملکیت چھڑوانے کی کوشش کرے گا اور معیر راہن سے ادا کیے ہوئے مال کا رجوع کرے گا اس لیے کہ وہ احسان کرنے والا نہیں ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور اگر رہن راہن کے پاس رہن رکھنے سے قبل یا رہن چھڑوانے کے بعد ہلاک ہو گیا تو راہن (مستعیر) ضامن نہ ہوگا اگر چہ راہن نے اس سے رہن رکھنے سے قبل خدمت لی ہو یا سواری کی ہو اس لیے کہ وہ ایسا امین ہے جس نے مخالفت کی پھر وہ موافقت کی طرف لوٹ آیا۔ لہٰذا وہ ضامن نہ ہوگا برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے۔

تشریح:

و صح استعارة ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک شخص پر دین ہو اور اس کے پاس رہن رکھوانے کے لیے کوئی شئی نہ ہو اور وہ کسی سے عاریت پر کوئی شئی لے کر رہن رکھوا دے تو یہ صحیح ہے البتہ اس میں تفصیل ہے کہ معیر نے شئی مطلقاً رہن رکھوانے کے لیے دی ہے یا کسی شرط کے ساتھ دی ہے۔ چناں چہ اگر معیر نے مطلقاً رہن رکھوانے کے لیے شئی عاریت پر دی ہو یعنی مستعیر کی مرضی ہے جس کو چاہے رہن کے لیے دے۔ جتنے دین کے بدلے چاہے دے تو اب مستعیر جس کو چاہے رہن رکھوا سکتا ہے۔

البتہ اگر معیر نے عاریت پر دیتے وقت دین کی مقدار کی شرط لگائی ہو کہ مثلاً دس دراہم دین کے بدلے رہن رکھوانا اس سے کم یا زائد کے بدلے رہن مت رکھوانا تو اب مستعیر کو اس شرط کی پابندی کرنا لازم ہے یا معیر نے اس بات کی شرط لگائی ہو کہ فلاں شخص کو رہن رکھوانا اس کے علاوہ کسی دوسرے کو رہن مت رکھوانا یا فلاں شہر میں رہن رکھوانا اس کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں رہن مت رکھوانا تو اب مستعیر کو اس شرط کی پاسداری کرنا لازم ہے۔

اب اگر مستعیر نے ان شرائط کی مخالفت کی تو معیر کو اختیار ہے اگر چاہے تو مستعیر کو ضامن بنائے کیوں کہ مستعیر شرائط کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے غاصب بن گیا چناں چہ جب مستعیر ضمان ادا کر دے تو عقد رہن مستعیر اور مرتہن کے درمیان پورا ہو جائے گا کیوں کہ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے وہ شئی مستعیر کی ملک بن گئی تو گویا مستعیر نے اپنی شئی رہن رکھوائی ہے اور اگر معیر چاہے تو مرتہن کو ضامن بنائے پس جب مرتہن ضمان ادا کر دے تو مالِ مضمون اور اپنے دین کا مستعیر (راہن) سے رجوع کرے۔

اور اگر معیر نے ان شرائط کی پابندی کی پھر وہ شئی مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئی تو اب تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ شئی مرہون کی قیمت دس دراہم ہو اور دین بھی دس دراہم ہو اس صورت میں مرتہن نے اپنا پورا دین وصول کر لیا لہٰذا مستعیر (راہن) اتنی رقم کا معیر کے لیے ضامن ہوگا جس سے اس نے اپنا دین ادا کیا ہے اور وہ دس دراہم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شئی کی قیمت پندرہ دراہم ہو اور دین دس دراہم ہو اس صورت میں بھی مرتہن اپنا پورا دین وصول کرنے والا شمار ہوگا البتہ مستعیر اتنی رقم کا ضامن ہوگا جس سے اس نے اپنا دین ادا کیا ہے اور وہ دس دراہم ہے۔ مستعیر پوری قیمت کا ضامن نہ ہوگا کیوں کہ جب مستعیر نے شرائط کی پابندی کی تو اب ہلاک ہونے میں اس کی تعدی نہیں پائی گئی لہٰذا پانچ دراہم امانت شمار ہوں گے اور امانت کے ہلاک ہونے سے ضمان لازم نہیں ہوتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ شئی کی قیمت دس دراہم ہو اور دین پندرہ دراہم ہو اس صورت میں مرتہن نے اپنا کچھ دین وصول کرلیا اور وہ دس دراہم ہے کیوں کہ شئی کی قیمت دس دراہم تھی البتہ بقیہ پانچ دراہم راہن (مستعیر) کے ذمے باقی ہیں لہٰذا مستعیر صرف دس دراہم کا ضامن ہوگا۔

ولا یمتنع ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ اگر معیر نے مستعیر کا دین خود مرتہن کو ادا کردیا اور شئی واپس لینا چاہی تو مرتہن کو شئی واپس کرنے پر مجبور کیا جائے گا اس لیے کہ معیر اپنی شئی چھڑوانے کے لیے کوشش کرے گا اس کے بعد معیر مستعیر سے ادا کی ہوئی رقم کا رجوع کرے کیوں کہ اس نے دین اپنی شئی چھڑوانے کے لیے ادا کیا ہے۔ محض احسان کے طور پر ادا نہیں کیا۔

فلو ھلک ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ یہ شئی چوں کہ عاریت پر لی ہے۔ لہٰذا رہن رکھنے سے قبل اور رہن سے چھڑوانے کے بعد مستعیر ضامن نہ ہوگا اگرچہ اس نے شئی سے خدمت لی ہو یا اس پر سواری کی ہو اس لیے کہ مستعیر ایسا امین ہے جس نے مخالفت کی لیکن ہلاکت سے قبل مخالفت ختم کردی پس وہ شئی دوبارہ امانت بن گئی۔ لہٰذا یہ ضامن نہ ہوگا جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضامن ہوگا۔

عبارت:

و جنایۃ الراھن علی الرھن مضمونۃ و جنایۃ المرتھن علیہ تسقط من دینہ بقدرھا و جنایۃ الرھن علیھما و علی مالھا ھدر ھذا عند ابی حنیفہ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ و قالا جنایۃ الرھن علی المرتھن معتبرۃ لانھا حصلت علی غیر مالکہ و فی الاعتبار فائدۃ و ھی الدفع بالجنایۃ الی المرتھن فان شاء الراھن و المرتھن ابطلا الرھن و دفع بالجنایۃ الی المرتھن فان قال المرتھن لا اطلب الجنایۃ فھو رھن علی حالہ و لہ ان الجنایۃ حصلت فی ضمان المرتھن فعلیہ تخلیصہ فلا یفید وجوب الضمان لہ مع وجوب التخلیص علیہ۔

ترجمہ:

اور راہن کی رہن پر جنایت مضمون ہوگی اور مرتہن کی رہن پر جنایت اس کے دین سے جنایت کے بقدر ساقط ہوگی اور رہن کی ان دونوں پر اور ان کے مال پر جنایت ضائع ہوگی یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا رہن کی مرتہن پر جنایت معتبر ہوگی اس لیے کہ وہ غیر مالک پر ہوتی ہے اور جنایت کے اعتبار میں فائدہ ہے اور وہ جنایت کے بدلے مرتہن کو غلام دینا ہے پس اگر راہن اور مرتہن چاہیں تو رہن باطل کردیں اور غلام جنایت کے بدلے مرتہن کو دے دیا جائے اور اگر مرتہن نے کہا میں جنایت کا مطالبہ نہیں کرتا تو غلام اسی حال میں رہن رہے گا اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ جنایت مرتہن کی ضمان میں حاصل ہوتی ہے۔ چناں چہ مرتہن پر غلام کو خلاصی دینا واجب ہے لہٰذا مرتہن پر خلاصی کے وجوب کے ساتھ اس کے لیے وجوبِ ضمان کا فائدہ نہیں ہے۔

تشریح:

وجنایۃ الراھن ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ عقد رہن ہوجانے کے بعد کسی کی طرف سے ہونے والی جنایت کے احکام بیان کررہے ہیں اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) راہن رہن پر جنایت کرے۔ (۲) مرتہن رہن پر جنایت کرے۔ (۳) رہن راہن یا مرتہن یا ان کے مال پر جنایت کرے۔

پہلی صورت یعنی اگر راہن رہن پر جنایت کرے تو یہ جنایت مضمون ہوگی یعنی راہن اس جنایت کا تاوان ادا کرے گا کیوں کہ راہن نے جنایت کی وجہ سے ایسا حق ختم کر دیا جو لازم بھی ہے اور محترم بھی ہے۔

دوسری صورت یعنی اگر مرتہن رہن پر جنایت کرے تو یہ جنابت بھی مضمون ہوگی یعنی مرتہن کے دین میں اتنی مقدار ساقط ہو جائے گی جتنی مقدار اس جنایت کی ہو مثلاً دین ہزار دراہم ہے اور رہن بھی ہزار دراہم کا ہے اور مرتہن کی جنایت کی وجہ سے اس کی قیمت پانچ سو دراہم ہوگئی تو اب دین میں سے پانچ سو دراہم ساقط ہو جائیں گے یہ بھی اس وقت ہے جب دین درہم یا دینار ہو اگر دین دس کلو گندم ہو تو ایسی صورت میں دین سے جنایت کی مقدار رقم ساقط نہ ہوگی۔

تیسری صورت یعنی اگر رہن جنایت کرے تو اس کی مزید چار صورتیں بنتی ہیں۔

(۱) رہن راہن پر جنایت کرے۔ (۲) رہن مرتہن پر جنایت کرے۔ (۳) رہن راہن کے مال پر جنایت کرے۔ (۴) رہن مرتہن کے مال پر جنایت کرے۔

تیسری اور چوتھی صورت میں اتفاقی طور پر رہن (غلام) کی جنایت باطل ہوگی یعنی غلام پر ضمان نہیں ہے اور پہلی صورت میں جب رہن (غلام) راہن پر جنایت کرے تو اس کی جنایت باطل ہے بشرطیکہ جنایت ایسی ہو جس سے مال لازم ہوتا ہو یعنی قتلِ خطا یا قطعِ عضوء ہو بہر حال اگر رہن (غلام) نے ایسی جنایت کی جس سے قصاص واجب ہوتا ہے تو یہ جنایت مضمون ہوگی۔

دوسری صورت یعنی جب رہن (غلام) مرتہن کی ذات پر ایسی جنایت کرے جس سے مال واجب ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جنایت باطل ہوگی جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جنابت معتبر ہے کیوں کہ غلام نے یہ جنایت اپنے مالک پر نہیں کی بلکہ غیر مالک پر کی ہے جب یہ جنایت غیر مالک پر ہے تو یہ معتبر ہوگی جس طرح غلام کی اجنبی پر جنایت معتبر ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس جنایت کا اعتبار کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ غلام مرتہن کو جنایت کے بدلے دے دیا جائے گا۔ چناں چہ اگر راہن اور مرتہن چاہیں تو رہن ختم کر دیں اور راہن مرتہن کو جنایت کے بدلے غلام دے دے اور اگر مرتہن نے کہا میں جنایت کا مطالبہ نہیں کرتا تو اس صورت میں غلام رہن رہے گا۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم اس جنایت کا اعتبار کریں تو مرتہن پر لازم ہے کہ غلام کو اس جنایت سے خلاصی دلائے کیوں کہ جنایت اس کی ضمان میں ہوئی ہے۔ لہٰذا جب مرتہن پر خلاصی دینا واجب ہے تو مرتہن کے لیے وجوبِ ضمان کا فائدہ نہیں ہے۔ پس یہ جنایت باطل ہوگی۔

عبارت:

و من رهن عبدا يعدل الفا بالف موجل فصارت قيمته مائة فقتله رجل و غرم مائة و حل اجله قبض مرتهنه المائة من حقه و سقط باقيه لان نقصان السعر لا يوجب سقوط الدين عندنا خلافا لزفر رحمه الله تعالىٰ فاذا كان الدين باقيا و يد المرتهن يد الاستيفاء فيصير مستوفيا للكل من الابتداء و ان باعه بامره و قبض ثمنه رجع بما بقى اى ان باعه المرتهن بامر الراهن بالمائة بعد ان صار قيمته مائة و قبض ثمنه رجع بما بقى لان الدين لم يسقط بنقصان السعر لان نقصان السعر ليس هلاكا لاحتمال العود على ما كان و اذا كان الدين باقيا و قد امرا الراهن ان يبيعه بمائة يكون الباقى فى ذمته و ان قتله عبده يعدل مائة فدفع به فک بكل دينه هذا عند ابى حنيفة

رحمه الله تعالیٰ و ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ و عند محمد رحمه الله تعالیٰ هو بالخیار ان شاء فکه و ان شاء سلم العبد المدفوع الی المرتهن بماله و عند زفر رحمه الله تعالیٰ یصیر رهنا بمائة لانه بقی الخلف بقدر العشر فیبقی الدین بقدره قلنا لزفر رحمه الله تعالیٰ ان العبد الثانی قائم مقام الاول فصار کما کان الاول قائما و تراجع بسعره ثم لمحمد رحمه الله تعالیٰ ان المرهون تغیر فی ضمان المرتهن فیخیر الراهن کالمبیع اذا قتل قبل القبض و لهما ان التغیر لم یظهر فی حق العبد لقیام الثانی مقامه۔

ترجمہ:

اور جس شخص نے ہزار دراہم ادھار کے بدلے ایسا غلام رہن رکھوایا جو ہزار دراہم کے برابر تھا پھر اس کی قیمت سو دراہم ہوگئی اور اس کو ایک شخص نے قتل کر دیا اور سو دراہم تاوان ادا کر دیا اور مدت آ گئی تو مرتہن اپنے حق میں سے سو دراہم پر قبضہ کر لے اور باقی دین ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ بھاؤ کا کم ہونا ہمارے نزدیک سقوطِ دین کو ثابت نہیں کرتا۔ برخلاف امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے پس جب دین باقی ہے اور مرتہن کا قبضہ استیفاء کا قبضہ ہے۔ لہٰذا مرتہن ابتداء سے سارے دین کو وصول کرنے والا شمار ہوگا اور اگر مرتہن نے اس کے حکم سے رہن فروخت کر دیا اور اس کے ثمن پر قبضہ کر لیا تو باقی دین کا رجوع کرے گا یعنی اگر مرتہن نے راہن کے حکم سے سو دراہم کے بدلے فروخت کر دیا اس کے بعد کہ اس کی قیمت سو دراہم ہو چکی تھی اور اس کے ثمن پر قبضہ کر لیا تو مرتہن باقی دین کا رجوع کرے گا اس لیے کہ بھاؤ کی کمی سے دین ساقط نہیں ہوتا کیوں کہ بھاؤ کی کمی ہلاک ہونا نہیں ہے پہلے بھاؤ کے لوٹنے کے احتمال کی وجہ سے اور جب دین باقی ہے اور دراں حالکہ راہن نے مرتہن کو سو دراہم کے بدلے فروخت کرنے کا حکم دیا ہے تو باقی دین اس کے ذمے میں رہے گا اور اگر ایسے غلام کو ایسے غلام نے قتل کر دیا جو سو دراہم کے برابر ہے پھر قاتل غلام کو مقتول غلام کے بدلے دے دیا گیا تو راہن پورے دین کے بدلے اس کو چھڑوائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو چھڑوائے اور اگر چاہے تو عبدِ مدفوع مرتہن کو اس کے مال کے بدلے دے دے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سو دراہم کے بدلے رہن ہوگا اس لیے کہ دسویں حصے کے بقدر خلیفہ باقی ہے۔ چناں چہ دین اس کے بقدر باقی رہے گا۔ ہم نے امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ دوسرا غلام پہلے کے قائم مقام ہے، پس یہ ایسے ہے جس طرح پہلا موجود ہو اور پہلا اپنے بھاؤ کے ساتھ لوٹ جائے پھر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ مرہون مرتہن کی ضمان میں متغیر ہو گیا ہے پس راہن کو اختیار دیا جائے گا جس طرح مبیع (غلام) ہے کہ جب اس کو قبضے سے قبل قتل کر دیا جائے اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ تغیر غلام کے حق میں ظاہر نہیں ہوا دوسرے کے اس کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے۔

تشریح:

و من رهن...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ تین مسائل بیان کر رہے ہیں جو ایک اصول پر مبنی ہیں۔

اصول:

کسی شئی کے بھاؤ کا کم اور زیادہ ہونا لوگوں کی رغبت کم اور زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے چناں چہ جس کی طرف رغبت کم ہوتی ہے اس کا بھاؤ کم ہو جاتا ہے اور جس کی طرف رغبت بڑھتی ہے اس کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے کوئی شئی خریدی اور اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس کا بھاؤ کم ہو گیا تو اب اس کو شئی واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیوں کہ بھاؤ کا کم اور زیادہ ہونا بیع میں موثر نہیں ہے، اسی طرح

بھاؤ کا کم ہونا دین کو ساقط نہیں کرتا یعنی ایک شخص کا کسی پر ہزار روپے دین تھا پھر مدیون نے دائن کو ہزار روپے کی شئی رہن رکھوادی پھر اس کا بھاؤ کم ہوگیا تو اس کی وجہ سے مرتہن کا دین ساقط نہ ہوگا بلکہ جب مرتہن شئی واپس کرے گا تو اپنا پورا دین لے گا۔ پس احناف کا اصول یہ ہے کہ "نقصان السعر لایوجب سقوط الدین" (بھاؤ کا کم ہونا سقوطِ دین کو ثابت نہیں کرتا) البتہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ یہ اصول اس وقت ہے جب مرتہن کے پاس وہی شئی موجود ہو جو راہن نے عقدِ رہن میں دی ہو۔ لہٰذا شئی واپس کرنے کے بعد مرتہن پورے دین کا مطالبہ کرے گا۔ بہر حال جب مرتہن کے پاس شئی ضائع ہوجائے تو اب مرتہن اس شئی کا سابق قبضے کی وجہ سے ضامن ہوگا اور سابق قبضے کے وقت شئی کی جتنی قیمت تھی اس کا ضامن ہوگا۔ [شامی: ۶/۵۱۸، البنایہ: ۱۵/۳۲۳]

و من رهن عبدا ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ پہلا مسئلہ ذکر کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کے ہزار دراہم دینے تھے پھر مدیون نے دائن کے پاس ایک غلام جس کی قیمت ہزار دراہم تھی رہن رکھوایا اور کچھ عرصے کے بعد اس کی قیمت ہزار دراہم سے کم ہو کر سو دراہم ہوگئی پھر اس غلام کو ایک آزاد شخص نے قتل کر دیا اور سو دراہم تاوان مرتہن کو ادا کر دیا اس کے بعد دین ادا کرنے کا وقت آ گیا تو اب مرتہن انہی سو دراہم کو اپنے حق کے طور پر لے اور مرتہن کا بعینہ نو سو دراہم دین ساقط ہوجائے گا یعنی مرتہن نو سو دراہم لینے کے لیے راہن سے رجوع نہیں کرے گا، اس مسئلے کا یہ حکم متفق علیہ ہے البتہ اس کی دلیل میں امام زفر رحمہ اللہ اور احناف کا اختلاف ہے۔

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لان نقصان ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ احناف کی دلیل نقل کر رہے ہیں جو مندرجہ بالا مذکورہ اصول پر مبنی ہے کہ شئی کے بھاؤ کا کم ہونا دین کو ساقط نہیں کرتا جب یہ دین کو ساقط نہیں کرتا تو وہ شئی پورے دین کے بدلے مرہون ہوگی اور مرتہن کا غلام پر قبضہ دین وصول کرنے کے لیے تھا چناں چہ جب غلام کو قتل کر دیا گیا تو گویا مرتہن نے اپنا دین اسی وقت وصول کر لیا تھا جب اس نے غلام پر قبضہ کیا تھا، پس مرتہن راہن سے بعینہ نو سو دراہم کا رجوع نہیں کرے گا۔

امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ جب غلام مرتہن کے قبضے میں ہو اور اس کی ذات میں کوئی کمی ہوجائے مثلاً اس کا ہاتھ کٹ جائے تو ہاتھ کی دیت کے بقدر دین سے اتنی مقدار ساقط ہوجائے گی اسی طرح جب غلام کا بھاؤ کم ہوگیا ہے تو بھی دین سے اتنی مقدار ساقط ہوجائے گی۔ پس جب غلام ہزار دراہم کا تھا اور اس کا بھاؤ کم ہو کر سو دراہم ہوگیا تو دین میں سے نو سو دراہم ساقط ہوگئے۔

[البنایہ: ۱۵/۳۲۳]

و ان باعه بامره ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرا مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایسے غلام کو جس کی قیمت ہزار دراہم سے کم ہو کر سو دراہم ہوگئی ہو مرتہن نے راہن کے حکم سے سو دراہم کا فروخت کر دیا اور اس کے ثمن پر قبضہ کر لیا اور اب مرتہن بقیہ نو سو دراہم کا راہن سے رجوع کرے گا کیوں کہ بھاؤ کے کم ہونے کی وجہ سے دین ساقط نہ ہوگا کیوں کہ ممکن ہے کہ غلام دوبارہ ہزار دراہم کا ہوجائے پس جب دین ہزار دراہم باقی ہے اور راہن نے مرتہن کو غلام فروخت کرنے کا حکم دیا ہے تو گویا اس طرح ہے کہ راہن نے غلام واپس لے کر خود فروخت کر دیا اور اگر راہن خود غلام فروخت کرتا تو مرتہن نو سو دراہم کا اس سے رجوع کرتا اسی طرح اس صورت میں بھی رجوع کرے گا۔

و ان قتله عبد ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ تیسرا مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر اس غلام کو جس کی قیمت ہزار دراہم سے کم ہو کر سو دراہم ہوگئی ہے کسی ایسے غلام نے قتل کر دیا جس کی قیمت سو دراہم ہے پھر قاتل غلام، مقتول غلام کے بدلے مرتہن کو دے دیا گیا تو

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک راہن اس قاتل غلام کو پورا دین دے کر چھڑوائے گا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو پورے دین کے بدلے چھڑوائے اور اگر چاہے تو قاتل غلام مرتہن کو اس کے دین کے بدلے دے دے اور امام زفر کے نزدیک قاتل غلام سو دراہم کے بدلے مرتہن کے پاس رہن ہے چناں چہ راہن سو دراہم دے کر اس کو چھڑوا سکتا ہے۔

امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لانہ بقی الخلف ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مرتہن کا رہن پر قبضہ دین وصول کرنے کے لیے تھا اور جب غلام کو قتل کر دیا گیا تو گویا مرتہن نے اپنا دین وصول کر لیا لیکن چوں کہ مقتول غلام کے بدلے قاتل غلام مرتہن کو دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا مقتول غلام کے دسویں حصے کے بقدر خلیفہ باقی ہے اور دسواں حصہ سو دراہم ہے پس سو دراہم کے بقدر دین باقی ہے۔ لہٰذا راہن سو دراہم ادا کر کے قاتل غلام چھڑوا لے۔ [البنایہ: ۱۵/۳۲۵]

امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کو جواب:

قلنا لزفر رحمہ اللہ تعالیٰ ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ احناف کی طرف سے امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کو جواب دے رہے ہیں کہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ غلام کے قتل ہونے سے دین ساقط ہو گیا یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ دوسرا غلام پہلے غلام کے قائم مقام ہے جب دوسرا غلام پہلے کے قائم مقام ہے تو گویا پہلا غلام موجود ہے اور اگر پہلا غلام موجود ہوتا اور اس کا بھاؤ کم ہو جاتا تو دین میں سے کچھ ساقط نہ ہوتا اسی طرح جب دوسرا غلام موجود ہے تو بھی دین میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

ثم لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کر رہے ہیں کہ مرہون غلام مرتہن کے قبضے میں بدل چکا ہے اور جب کوئی شئی بدل جائے تو اختیار ملتا ہے لہٰذا یہاں بھی راہن کو اختیار ملے گا جس طرح کوئی شخص غلام خریدے اور ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا کہ کسی نے اس کو قتل کر دیا اور قاتل غلام اس کے بدلے دے دیا گیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو پورے ثمن کے بدلے قاتل غلام لے لے چاہے تو بیع فسخ کر دے۔ [البنایة: ۱۵/۳۲۶]

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو جواب:

و لھما ان ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام محمد کو جواب دے رہے ہیں کہ جب دوسرا غلام پہلے کے قائم مقام بن چکا ہے تو مرہون میں تغیر نہیں ہوا کہ جس کی وجہ سے راہن کو اختیار ملے۔ لہٰذا راہن کو اختیار نہیں ہے۔

عبارت:

فان جنی الرھن خطأ فداہ مرتھنہ و لم یرجع ای علی الراھن لان الجنایة حصلت فی ضمان المرتھن و لا یملک الدفع لان المرتھن غیر مالک فان ابی دفعہ الراھن او فداہ و سقط الدین ای ان ابی المرتھن ان یفدیہ قیل للراھن ادفع العبد او افد عنہ و ایا فعل سقط الدین و اعلم ان الدین انما یسقط بتماعہ اذا کان الدین اقل من قیمة الرھن او مساویا اما اذا کان اکثر یسقط من الدین مقدار قیمة العبد و لا یسقط الباقی لکن لم یذکر فی

المتن هذا لان الظاهر ان لا يكون الدين اكثر من قيمة الرهن و ان مات الراهن باع و صيه رهنه و قضى دينه هذه مسئلة مبتدأة لا تعلق لها بمسئلة الجناية اى اذا مات الراهن فوصيه يبيع الرهن باذن المرتهن و يقضى دينه كما اذا كان الراهن حيا فله البيع باذن المرتهن كذا ههنا فان لم يكن له وصى نصب وصيا يبيعه۔

ترجمہ:

اور اگر رہن نے خطاءً جنایت کی تو اس کا مرتہن اس کا فدیہ دے دے اور وہ رجوع نہ کرے یعنی راہن پر رجوع نہ کرے اس لیے کہ جنایت مرتہن کی ضمان میں حاصل ہوتی ہے اور مرتہن غلام دینے کا مالک نہیں ہے اس لیے کہ مرتہن مالک نہیں ہے اور اگر مرتہن فدیہ دینے سے انکار کرے تو راہن غلام دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اور دین ساقط ہو جائے گا یعنی مرتہن نے فدیہ دینے سے انکار کیا تو راہن سے کہا جائے گا غلام دے دو یا اس کی طرف سے فدیہ دے دو اور جو کام کرے دین ساقط ہو جائے گا اور تو جان لے کہ دین پورا کا پورا اسی وقت ساقط ہوگا جب دین رہن کی قیمت سے اقل ہو یا مساوی ہو، بہر حال جب دین زیادہ ہو تو دین سے غلام کی قیمت کے بقدر حصہ ساقط ہو جائے گا اور باقی ساقط نہ ہوگا لیکن یہ متن میں مذکور نہیں ہے، اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ دین رہن کی قیمت سے زیادہ نہ ہو اور اگر راہن مر گیا تو اس کا وصی رہن فروخت کر دے اور اس کا دین ادا کر دے یہ نیا مسئلہ ہے جس کا جنایت کے مسئلے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے یعنی جب راہن مر گیا تو اس کا وصی رہن مرتہن کی اجازت سے فروخت کر دے اور اس کا دین ادا کر دے جیسا کہ جب راہن زندہ ہو تو اس کے لیے مرتہن کی اجازت سے فروخت کرنا جائز ہے اسی طرح یہاں ہے پھر اگر اس کا وصی نہ ہو تو قاضی ایک وصی مقرر کرے جو اس کو فروخت کرے۔

تشریح:

فان جنى الرهن ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر مرہون غلام نے جنایت خطاء کی تو مرتہن جنایت کا فدیہ دے اور دین پورا کا پورا باقی رہے گا اور مرتہن فدیہ دینے کے بعد ان پیسوں کا راہن سے رجوع نہیں کرے گا اس لیے کہ جنایت مرتہن کی ضمان میں ہوئی ہے تو مرتہن پر غلام کو جنایت سے خلاصی دینا ہے اور مرتہن جنایت کے بدلے غلام نہیں دے سکتا اس لیے کہ مرتہن غلام کا مالک نہیں ہے جب وہ مالک نہیں ہے تو دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا۔ [البنایہ: ۱۵/۳۲۹]

فان ابى دفعه ...... یعنی اگر مرتہن فدیہ دینے سے انکار کرے تو راہن سے کہا جائے گا یا تو جنایت کے بدلے غلام دے دے یا جنابت کا فدیہ دے دے اب راہن خواہ غلام دے یا فدیہ دے دونوں صورتوں میں راہن کے ذمے جو دین ہے وہ ساقط ہو جائے گا اور یہ دین اسی وقت پورا ساقط ہوگا جب دین رہن (غلام) کی قیمت سے اقل یا مساوی ہو بہر حال جب دین رہن کی قیمت سے زیادہ ہو تو دین میں سے صرف غلام کی قیمت کے بقدر رقم ساقط ہوگی اور بقیہ دین رہن کے ذمے لازم ہوگا۔ البتہ متن میں یہ بات مذکور نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر رہن کی قیمت دین سے زائد ہوتی ہے۔

وان مات الراهن ...... یہ مستقل مسئلہ ہے جس کا ماقبل سے تعلق نہیں ہے کہ جب راہن کا انتقال ہو جائے تو اس کا وصی مرتہن کی اجازت سے رہن فروخت کر کے مرتہن کا دین ادا کر دے یہ جائز ہے جس طرح اگر راہن زندہ ہوتا اور خود مرتہن کی اجازت سے رہن فروخت کر کے دین ادا کر دیتا تو یہ جائز تھا اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اس کا وصی دین ادا کرے اور اگر راہن کا وصی نہ ہو تو قاضی ایک وصی مقرر کر دے جو رہن فروخت کر کے مرتہن کا دین ادا کر دے۔

فصل فی المتفرقات

عبارت:

عصیر قیمته عشرة رهن بها فتخمر و تخلل و هو یعد لها ای الخل یعدل عشرة بقی رهنا بها فالحاصل ان ما هو محل للبیع محل للرهن و ما لیس محلا للبیع لیس محلا للرهن و الخمر لیس محلا للبیع ابتداء لکن محل له بقاء فکذا للرهن و شاة قیمتها عشرة رهنت بها فماتت فدبغ جلدها فعدل درهما فهو رهن به و نماء الرهن کولده ولبنه و صوفه و ثمره لراهنه و هو رهن مع اصله ویهلک بلا شئی فانه لم یدخل تحت العقد مقصوداً فان هلک اصله و بقی هو فک بفسطه یقسم الدین علی قیمته یوم فکه و قیمة اصله یوم قبضه و یسقط حصة اصله و فک بفسطة کما اذا کان الدین عشرة و قیمة الاصل یوم القبض عشرة قیمة النماء یوم الفک خمسة فثلثا العشرة حصة الاصل فیسقط و ثلث العشرة حصة النماء فیفک به والزیادة فی الرهن تصح و فی الدین لاهذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ و عند ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ یجوز الزیادة فی الدین ایضا فان الدین بمنزلة الثمن والزیادة فی الثمن یجوز قلنا الزیادة فی الدین توجب الشیوع فی الرهن و عند زفر رحمه اللّٰه تعالیٰ و الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ لایجوز فی شئی منهما کما لا یجوز فی المبیع والثمن عندهما و قد مر فی البیوع۔

ترجمہ:

شیرہ جس کی قیمت دس دراہم ہے اس کو دس دراہم کے بدلے رہن رکھوایا گیا پھر وہ شراب بن گیا اور وہ سرکہ بن گئی دراں حالکہ سرکہ دس دراہم کے برابر ہے یعنی سرکہ دس دراہم کے برابر ہے تو سرکہ دس دراہم کے بدلے رہن باقی رہے گا۔ چناں چہ حاصل یہ ہے کہ جوشئی بیع کا محل ہے وہ رہن کا محل ہے اور جو بیع کا محل نہیں ہے وہ رہن کا محل نہیں ہے اور شراب بیع کا ابتداءً محل نہیں ہے لیکن بیع کا بقاءً محل ہے پس اسی طرح رہن کا محل ہے اور ایک بکری جس کی قیمت دس دراہم ہے اس کو دس دراہم کے بدلے رہن رکھا گیا پھر وہ مرگئی اور اس کی کھال کو دباغت دی گئی اور وہ کھال ایک درہم کے برابر ہوئی تو وہ دس دراہم کے بدلے رہن ہوگی اور رہن کی بڑھوتری جیسے اس کے بچے اور اس کا دودھ اور اس کی اون اور اس کے پھل اس کے راہن کے ہوں گے اور وہ اپنی اصل کے ساتھ رہن ہوگی اور بلاکسی شئی کے ہلاک ہوگی کیوں کہ وہ عقد کے تحت مقصودی طور پر داخل نہیں ہے اور اگر اصل رہن ہلاک ہوگیا اور بڑھوتری باقی رہی تو راہن اس کے حصے کے بدلے چھڑوائے گا دین کو بڑھوتری کی قیمت پر جو اس کے چھڑوانے کے دن تھی اور اصلِ رہن کی قیمت پر جو اس پر قبضے کے دن تھی تقسیم کیا

جائے گا اور اصل رہن کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور بڑھوتری کے حصے کے بدلے چھڑوائے گا جیسا کہ جب دین دس دراہم ہو اور اصل کی قیمت قبضے کے دن دس دراہم ہو اور بڑھوتری کی قیمت چھڑوانے کے دن پانچ دراہم ہو، چناں چہ دس کے دو ثلث اصل رہن کا حصہ ہیں۔ پس وہ ساقط ہو جائے گا اور دس کا ثلث بڑھوتری کا حصہ ہے پس اس کے بدلے چھڑوائے گا اور رہن میں زیادتی صحیح ہے اور دین میں صحیح نہیں ہے یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین میں بھی زیادتی جائز ہے کیوں کہ دین ثمن کے مرتبے میں ہے اور ثمن میں زیادتی جائز ہے ہم نے کہا دین میں زیادتی رہن میں شیوع ثابت کرتی ہے اور امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دونوں میں کوئی شئی جائز نہیں ہے جس طرح ان دونوں کے نزدیک مبیع اور ثمن میں جائز نہیں ہے اور یہ کتاب البیوع میں گزر چکا ہے۔

تشریح:

اس فصل میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ان مسائل کو بیان کریں گے جن کا کسی باب سے تعلق نہیں ہے۔

عصیر قیمته ......یعنی اگر ایک شخص کے پاس دس دراہم کا شیرہ ہے اس نے یہ شیرہ دس دراہم دَین کے بدلے رہن رکھوا دیا پھر وہ شراب بن گیا اور شراب سے سرکہ بن گیا لیکن سرکہ بننے کے بعد بھی وہ دس دراہم کا ہے تو اب بھی وہ دس دراہم کے بدلے رہن رہے گا یہ مسئلہ اس اصول پر مبنی ہے کہ جو شئی بیع کا محل ہے وہ رہن کا بھی محل ہے اور جو بیع کا محل نہیں ہے وہ رہن کا محل نہیں ہے اب شراب ابتداءً بیع کا محل نہیں ہے۔ البتہ بقاءً محل ہے، یعنی کسی کے لیے شراب فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر اس نے شیرہ فروخت کیا اور مشتری کے قبضے سے قبل وہ شراب بن گیا تو بیع کا عقد باقی رہے گا چناں چہ جس طرح شراب ابتداءً بیع کا محل نہیں ہے لیکن بقاءً بیع کا محل ہے اسی طرح شراب ابتداءً رہن کا محل نہیں ہے لیکن بقاءً رہن کا محل ہے اور اس صورت میں شراب رہن کا محل بقاءً ہے کیوں کہ اس نے شیرہ رہن رکھوایا تھا۔

فوائد:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات مطلق ذکر کی ہے کہ شیرا شراب بن گیا اور شراب سرکہ بن گئی البتہ صاحب محیط رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اس عمل کے دوران اگر شیرے کا وزن کم ہو گیا تو دین سے اتنی مقدار ساقط ہو جائے گی۔

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ''هو يعدلها'' قید اتفاقی ہے اس لیے کہ ہمارے نزدیک قیمت کا کم ہونا دین میں سے کچھ ساقط نہیں کرتا۔

[الکفایہ:۹/۱۲۹]

و شاة قیمتها عشرة ......یعنی ایک شخص کے پاس دس دراہم کی بکری تھی اس نے وہ بکری دس دراہم دین کے بدلے رہن رکھوا دی اور مرتہن کے پاس وہ بکری مر گئی اور مرتہن نے اس کی کھال کو دباغت دی اور کھال کی قیمت ایک درہم ہو گئی تو یہ کھال ایک درہم کے بدلے رہن ہو گی اور بقیہ نو دراہم دین ساقط ہو جائے گا۔

فوائد قیود:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ''رهنت بها'' (کہ بکری کو دس دراہم کے بدلے رہن رکھوایا گیا ہو) یہ قید احترازی ہے کیوں کہ اگر بکری بیس دراہم کی ہو اور اس کو دس دراہم کے بدلے رہن رکھوایا جائے اور اس کی کھال ایک درہم کی ہو تو کھال نصف درہم کے بدلے رہن ہو گی اس لیے کہ بکری کے ہر درہم کے مقابل دین میں سے نصف درہم ہے چناں چہ کھال نصف درہم کے بدلے رہن ہو گی۔

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فماتت" یعنی بکری طبعی موت مرگئی لہٰذا اگر کسی نے بکری کو ذبح کر دیا تو ایسی صورت میں مرتہن پوری بکری کا ضامن ہوگا۔

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فدبغ جلدھا" اس سے مراد ایسی شئی سے دباغت دینا ہے جس کی کوئی قیمت نہ ہو چناں چہ اگر کھال کو ذی قیمت شئی کے ساتھ دباغت دی گئی تو مرتہن کھال کو دباغت پر خرچ ہونے والی رقم کے بدلے روک سکتا ہے۔

[شامی:۶/۵۲۱، و تمام بیانہ فی الکفایہ من شاء فلیراجعہ:۹/۱۲۹]

و نماء الرھن ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کررہے ہیں کہ رہن کی بڑھوتری بھی اصل شئی کے ساتھ رہن ہوگی جیسے کسی نے بکری رہن رکھوائی اور اس نے بچے جن دیئے تو یہ بچے بھی بکری کے ساتھ رہن ہوں گے یہ مسئلہ بھی ایک اصول پر مبنی ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

اصول:

ہر وہ شئی جو رہن کی ذات سے پیدا ہو جیسے بچہ، پھل وغیرہ تو ایسی شئی اصل شئی کے ساتھ رہن ہوگی اسی طرح ہر وہ شئی جو اصل شئی کے کسی جز کا بدل ہو وہ بھی اصل شئی کے ساتھ رہن ہوگی جیسے دیت، عُقر وغیرہ البتہ جو شئی نہ رہن کی ذات سے پیدا ہو نہ اس کے کسی جزء کا بدل ہو بلکہ اس شئی کی منفعت کا بدل ہو جیسے کرایہ، کمائی وغیرہ تو یہ اصل کے ساتھ رہن نہ ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ رہن کی بڑھوتری کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو اصل کے ساتھ رہن ہوگی جیسے وہ شئی جو رہن سے پیدا ہوئی ہو یا اس کے جزء کا بدل ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جو اصل کے ساتھ رہن نہ ہوگی جیسے وہ شئی اصل کی منفعت کا بدل ہو۔

[کذا فی ہامش البنایۃ:۱۵/۳۲۷، ذکر صاحب العنایۃ اصولاً اُخر من شاء فلیراجعہ:۹/۱۲۹]

لہٰذا جب یہ ثابت ہوگیا کہ رہن کی بڑھوتری راہن کی ملک ہوتی ہے اور اصل شئی کے ساتھ رہن ہوتی ہے اب اگر یہ بڑھوتری ہلاک ہو جائے تو بلا کسی عوض ہلاک ہوگی یعنی دین میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ یہ بڑھوتری تابع ہے اور تابع عقد کے تحت مقصودی طور پر داخل نہیں ہوتا کیوں کہ عقد کے الفاظ اس کو شامل نہیں ہوتے اور اگر اصل شئی ہلاک ہو جائے اور بڑھوتری باقی رہے تو اب حلولِ اجل کے وقت راہن بڑھوتری کو اس طرح چھڑوائے گا کہ دین کو دو حصوں میں تقسیم کرے گا۔ ایک حصہ بڑھوتری کی قیمت کے مقابل بنائے گا جو قیمت اس پر قبضے کے دن ہو اور ایک حصہ اصل شئی کی قیمت کے مقابل بنائے گا جو قیمت اس پر قبضے کے دن ہو۔ مثلاً دین دس دراہم ہے اور اصل شئی کی قیمت قبضے کے دن دس دراہم تھی اور بڑھوتری کی قیمت چھڑوانے کے دن پانچ دراہم تھی چناں چہ کل رہن (اصل مع بڑھوتری) کی قیمت پندرہ دراہم ہے اور دین دس دراہم ہے۔ اب چوں کہ بڑھوتری کی قیمت (یعنی پانچ دراہم) پندرہ دراہم کا ثلث ہے۔ لہٰذا دین میں سے ثلث کے مقابل بڑھوتری ہوگی اور دین کے دو ثلث کے مقابل اصل شئی ہوگی۔ چوں کہ اصل شئی ہلاک ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس کے مقابل دین ساقط ہو جائے گا اور بڑھوتری باقی رہے گی۔ لہٰذا اس کے مقابل دین راہن ادا کر کے بڑھوتری چھڑوائے گا۔

والزیادۃ فی الرھن ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کررہے ہیں کہ رہن میں زیادتی کرنا صحیح ہے یعنی ایک شخص نے دس دراہم دین کے بدلے ایک کپڑا رہن رکھوایا پھر اس نے مرتہن کو مزید ایک کپڑا رہن میں دے دیا تو یہ صحیح ہے اور دین میں زیادتی کرنا صحیح نہیں ہے یعنی ایک شخص نے ایک غلام ہزار دراہم دین کے بدلے رہن رکھوایا پھر راہن نے مرتہن سے مزید ایک ہزار دراہم دین لیا اور

اس سے کہا کہ غلام پہلے ایک ہزار دراہم کے بدلے رہن تھا اب دو ہزار دراہم کے بدلے رہن ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح رہن میں زیادتی کرنا جائز ہے اسی طرح دین میں زیادتی کرنا جائز ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں (رہن، دین) میں زیادتی صحیح نہیں ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

فان الدین ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کر رہے ہیں کہ ان کے نزدیک عقد رہن میں رہن اور دین کا مقام اس طرح ہے جس طرح عقدِ بیع میں مبیع اور ثمن کا ہے۔ یعنی رہن مبیع کی طرح اور دین ثمن کی طرح ہے چناں چہ جس طرح عقدِ بیع میں ثمن اور مبیع میں زیادتی کرنا جائز ہے اسی طرح عقدِ رہن میں رہن اور دین میں زیادتی کرنا جائز ہے۔

طرفین کی دلیل:

قلنا الزیادۃ ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ رہن میں زیادتی دین میں شیوع ثابت کرتی ہے اور دین میں زیادتی رہن میں شیوع ثابت کرتی ہے اور ہمارے نزدیک دین میں شیوع مشروع ہے اور رہن میں شیوع ممنوع ہے۔ چناں چہ دین میں زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

عبارت:

فان رهن عبدا يعدل الفا بالف فدفع عبدا كذلك رهنا بدل الاول فهو رهن اى الاول رهن حتى يرده الى راهنه و مرتهنهاامين فى الاخر حتى يجعله مكان الاول ان يرد الاول الى الراهن فح يصير الثانى مضمونا و لو ابرأ المرتهن راهنه عن دينه او وهبه منه فهلك الرهن اى فى يد المرتهن هلك بلا شئى و هذا استحسان و فى القياس هلك بالدين و هو قول زفر رحمه الله تعالىٰ و لو قبض المرتهن دينه او بعضه من راهنه او غيره او شرى بالدين عينا او صالح عنه على شئى او احال الراهن مرتهنه بدينه على اٰخر ثم هلك رهنه معه هلك بالدين و رد ما قبض الى من ادى و بطلت الحوالة و كذا لو تصادقا على ان لا دين ثم هلك هلك بالدين حكم هذه المسائل مبنى على ان يد المرتهن يد استيفاء يتقرر ذلك بالهلاك فاذا هلك تبين ان الاستيفاء وقع مكررا فيرد ما قبض الى من ادى فان ادى المديون يرد اليه و ان ادى غيره يرد الى ذلك الغير و ان احال تبطل الحوالة و فى صورة التصادق و جود الدين محتمل اذا عرفت هذافزفر رحمه الله تعالىٰ قاس المسئلة الخلافية على هذه الصورة و وجه الاستحسان هو الفرق بينهما و هو ان الهلاك بالدين يقتضى وجود الدين و بالابراء والهبة لا يبقى الدين اصلا بخلاف الاستيفاء فان بالاستيفاء لا ينعدم الدين بل يثبت لكل منهما على الأخر دين فيسقط الطلب لعدم الفائدة۔

ترجمہ:

اور اگر ایک شخص نے ہزار دراہم کے بدلے ایسا غلام رہن رکھوایا جو ہزار دراہم کے برابر ہے پھر راہن نے اسی طرح کا غلام پہلے غلام

کے بدلے رہن دے دیا تو وہ رہن ہے یعنی پہلا غلام رہن ہے یہاں تک کہ مرتہن اس کو راہن کی طرف لوٹا دے اور مرتہن دوسرے غلام کے بارے میں امین ہے یہاں تک کہ دوسرے کو پہلے کی جگہ بنالے یعنی پہلا راہن کو لوٹا دے تو اس وقت دوسرا غلام مضمون ہوگا اور اگر مرتہن نے اپنے راہن کو دین سے بَری کر دیا یا دین اس کو ہبہ کر دیا پھر رہن مرتہن کے قبضے میں ہلاک ہوگیا تو بلا کسی شئی کے ہلاک ہوگا یہ استحسان ہے اور قیاس میں یہ ہے کہ وہ دین کے بدلے ہلاک ہوگا اور مرتہن مقبوضہ شئی اس شخص کے حوالے کرے گا جس نے ادا کی اور حوالہ باطل ہو جائے گا اور اسی طرح اگر ان دونوں کا اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ دین نہیں ہے پھر رہن ہلاک ہوگیا تو دین کے بدلے ہلاک ہوگا، ان مسائل کا حکم اس پر مبنی ہے کہ مرتہن کا قبضہ وصول کرنے کا قبضہ ہے اور یہ ہلاک ہونے سے پختہ ہوتا ہے چناں چہ جب رہن ہلاک ہوگیا تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ استیفاء مکرر ہوا ہے۔ لہٰذا مرتہن مقبوضہ شئی اس شخص کو لوٹا دے جس نے ادا کی ہو پس اگر مدیون نے ادا کی ہو تو اس کی طرف لوٹا دے اور اس کے علاوہ کسی نے ادا کی ہو تو اس غیر کی طرف لوٹا دے اور اگر راہن نے حوالہ کیا ہو تو حوالہ باطل ہو جائے گا اور تصادق کی صورت میں دین کے وجود کا احتمال ہے جب آپ نے یہ بات پہچان لی تو امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلافی مسئلے کو اس صورت پر قیاس کیا ہے اور استحسان کی وجہ وہی ان دونوں کے مابین فرق ہے وہ یہ ہے کہ دین کے بدلے ہلاکت دین کے وجود کا تقاضہ کرتی ہے اور ابراء اور ہبہ کی وجہ سے دین بالکل باقی نہیں رہتا برخلاف استیفاء کے ہے کیوں کہ استیفاء کی وجہ سے دین مقدم نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر دین ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا طلب فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہوگئی۔

تشریح:

فان رهن عبداً...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مستقل مسئلہ بیان کر رہے ہیں جس کا ماقبل والے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ ''فان'' میں ''فاء'' سے وہم ہو رہا ہے چناں چہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ عطف واؤ کے ساتھ ''وان رهن'' کیا جاتا کہ یہ وہم نہ ہوتا یہ مسئلہ اس بارے میں ہے کہ اگر پہلے رہن کو تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسرا رہن دے دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص نے کسی کو ہزار دراہم کے بدلے ہزار دراہم کا غلام رہن رکھوا دیا پھر راہن نے پہلا غلام واپس لینا چاہا چناں چہ اس نے اسی قیمت کا دوسرا غلام مرتہن کو دے دیا تو جب تک مرتہن پہلا غلام واپس نہیں کرے گا اس وقت تک وہی غلام رہن شمار ہوگا اور دوسرا غلام مرتہن کے پاس امانت کے طور پر رہے گا۔ چناں چہ جب پہلا غلام واپس کرے گا اس وقت دوسرا غلام مرتہن کی ضمان میں داخل ہوگا اور رہن کے حکم میں آئے گا کیوں کہ پہلا غلام قبضے کی وجہ سے مرتہن کی ضمان میں ہے چناں چہ جس وقت اس سے قبضہ ختم ہوگا اس وقت وہ ضمان سے نکلے گا اور جب پہلا ضمان میں داخل ہے تو دوسرا ضمان میں داخل نہیں ہوسکتا اس لیے کہ راہن اور مرتہن ایک غلام کے رہن رکھنے پر راضی ہیں دونوں کے رہن ہونے پر راضی نہیں ہیں۔ لہٰذا جب پہلا راہن کو واپس کیا جائے گا اس وقت دوسرا غلام مرتہن کی ضمان میں داخل ہوگا اب رہی یہ بات کہ دوسرے غلام پر دوبارہ قبضہ کرنا شرط ہے یا نہیں ہے اس میں دو قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ نیا قبضہ کرنا شرط ہے دوسرا قول یہ ہے کہ نیا قبضہ شرط نہیں ہے یہی قول راجح ہے کہ نیا قبضہ کرنا شرط نہیں ہے۔

[شامی: ۶/۵۲۴]
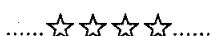
ولو ابرأ المرتهن...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں کہ اگر مرتہن نے راہن کو دین معاف کر دیا یا دین ہبہ کر دیا اور ابھی رہن مرتہن کے قبضے میں ہے تو یہ رہن اس کے پاس امانت ہے چناں چہ اگر یہ رہن ہلاک ہوگیا تو بلا کسی شئی کے ہلاک ہوا یہ استحسان ہے اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ رہن دین کے بدلے ہلاک ہوگا یہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ پس یہ صورت ہمارے اور

امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلافی ہے۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن نے راہن سے یا کسی دوسرے سے پورا یا کچھ دین وصول کرلیا یا مرتہن نے دین کے بدلے کوئی شئی خرید لی یا مرتہن نے دین کے بدلے کسی شئی پر صلح کر لی یا راہن نے مرتہن کا دین کسی دوسرے کے حوالہ کر دیا یا راہن اور مرتہن کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ مرتہن کا راہن کے ذمے کوئی دین نہیں تھا ان سب صورتوں میں رہن مرتہن کے پاس ہے تو یہ رہن مضمون ہے۔لہٰذا اگر رہن ہلاک ہو گیا تو دین کے بدلے ہلاک ہوگا۔

حکم ھذہ المسائل...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے مسئلے کے حکم کی وجہ بیان کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ مرتہن کا رہن پر قبضہ استیفاء(دین وصول کرنے) کا قبضہ ہوتا ہے اور استیفاء رہن ہلاک ہونے سے ہوتا ہے جب یہ بات ہے کہ رہن ہلاک ہونے سے دین وصول ہوتا ہے تو دوسرے مسئلے میں مرتہن اپنا دین پہلے ہی وصول کر چکا ہے وہ وصول کرنا، صلح، قبضہ، خریدنا وغیرہ امور سے تھا۔پس جب مرتہن اپنا دین وصول کر چکا ہے تو رہن ہلاک ہونے کیوقت دوبارہ دین وصول کرنا لازم آیا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک دین کو دو مرتبہ وصول کیا جائے پس مرتہن ان صورتوں میں جن میں راہن یا کسی سے کوئی شئی لے کر اپنا دین وصول کیا ان اشیاء کو واپس کرے گا اور حوالہ کی صورت میں حوالہ باطل ہو جائے گا اور دین نہ ہونے پر اتفاق کر لینے کے بعد بھی اس بات کا احتمال ہے کہ دین تھا چناں چہ ان صورتوں میں رہن دین کے بدلے ہلاک ہوگا۔

اذا عرفت ھذا فز فر...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے مسئلے میں ہمارے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف کی وضاحت کرر ہے ہیں کہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مسئلے پر پہلے مسئلے کو قیاس کیا اور مرتہن کے معاف کرنے اور ہبہ کرنے والے مسئلے میں بھی انہوں نے یہی فرمایا کہ رہن دین کے بدلے ہلاک ہوا ہے جب کہ ہمارے نزدیک دونوں مسئلوں میں فرق ہے اور یہی فرق استحسان ہے وہ یہ ہے کہ رہن دین کے بدلے اس وقت ہلاک ہوگا جب دین کا وجود ہو جب کہ پہلے مسئلے میں معاف کرنے اور ہبہ کرنے کی وجہ سے دین بالکل ختم ہو گیا جب دین نہ رہا تو اس کے بدلے رہن ہلاک ہونے کا کیا مطلب ہوگا لیکن دوسرے مسئلے میں چوں کہ رہن کے ہلاک ہونے سے قبل مرتہن اپنا دین وصول کر چکا ہے اور دین وصول کرنے کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا بلکہ وصول کرنے کی وجہ سے ہر ایک کا دوسرے پر دین ثابت ہو جاتا ہے۔مثلاً جب مرتہن نے راہن سے کوئی شئی خرید لی تو اب راہن کا مرتہن پر دین ثابت ہو گیا جس طرح مرتہن کا راہن پر دین تھا جب ہر ایک کا دوسرے پر دین ثابت ہو گیا تو دین کی طلب ساقط ہو گئی کیوں کہ طلب کا کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن دین پھر بھی باقی ہے جب دین باقی ہے تو ان صورتوں میں رہن دین کے بدلے ہلاک ہوگا۔

......☆☆☆☆......

کتاب الجنایات

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الجنایات کو کتاب الرھن سے مؤخر کیا کیوں کہ رہن مال کی حفاظت کے لیے ہے اور جنایت نفس کی حفاظت کے لیے ہے البتہ رہن کو اس وجہ سے مقدم کیا کہ وہ کتاب وسنت سے مشروع ہے اور جنایت ممنوع ہے۔
[نتائج الافکار:۹/۱۳۷]

کتاب الجنایات سے قبل چند باتیں بطور تمہید جان لیں۔

لغوی معنی:

جنایہ کا لغوی معنی ''برا فعل'' ہے۔

شرعی معنی:

اس کا شرعی معنی ''**هو اسم لفعل محرم شرعا سواء كان من مال او نفس**'' ہے۔

دلیل:

اس کی مشروعیت کی دلیل کتاب اللہ کی یہ آیت ''**يا ايها الذين امنو كتب عليكم القصاص**'' (البقرة ۱۷۸) اور یہ حدیث مبارکہ ہے'' **العمد قود و القتل عدوان**''۔

سبب:

اس کی مشروعیت کا سبب زمین سے فساد ختم کرنا ہے۔

رکن:

اس کا رکن ''قتل کرنا'' ہے۔

شرط:

اس کی شرط قصاص لینے میں برابری کرنا ہے۔

حکم:

اس کا حکم قصاص، دیت اور گناہ کا واجب ہونا ہے۔

عبارت:

اعلم ان القتل خمسة انواع عمد و شبه عمد و خطاء و جار مجرى اخطا و القتل بسبب فبين هذه الانواع باحكامها فقال القتل العمد ضربه قصدا بما يفرق الاجزاء كسلاح و محدد من خشب او جهر و ليطة و نارهذا عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و عندهما رحمهما الله تعالىٰ و عند الشافعى رحمه الله تعالىٰ ضربه قصدا بما لا يطيقه البنية حتى ان ضربه قصدا بحجر عظيم او خشب عظيم فهو عمد و به ياثم و يجب القود عينا هذا عندنا خلافا للشافعى رحمه الله تعالىٰ فان القود غير متعين عنده بل الولى مخير بين القود و اخذ الدية لنا ان المال انما يجب فى الخطاء ضرورة صيانة الدم عن الهدر اذ لا مماثلة بينه و بين النفس ففى العمد لا يجب المال مع احتمال المثل صورة و معنى لا الكفارة خلافا للشافعى رحمه الله تعالىٰ و هو يقول لما وجب فى الخطاء فاولى ان تجب فى العمد و نحن نقول لا يلزم من كون الكفارة سائرة للخطاء كونها سائرة للعمد و هو كبيرة محضة و شبه العمد ضربة قصدا بغير ما ذكر كالعصاء و السوط والحجر الصغير و اما الضرب بالحجر العظيم والخشب العظيم فمن شبه العمد ايضا عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ خلافاً لغيره و فيه الاثم والكفارة و دية مغلظة على العاقلة سياتى تفسير الدية المغلظة و تفسير العاقلة انشاء الله تعالىٰ بلا قود و هو فيما دون النفس عمد اى ضربة قصدا بغير ما ذكر فيما دون النفس عمد موجب للقصاص فليس فيما دون النفس شبه عمد۔

ترجمہ:

تو جان لے قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔ قتل عمد اور شبہ عمد اور قتل خطاء اور قتل جاری مجری خطا اور قتل سبب۔ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان اقسام کو ان کے احکامات کے ساتھ بیان کیا ہے پس مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قتل عمد کسی کو قصداً ایسی شئی سے مارنا جو اجزاء کو جدا کرے جیسے ہتھیار اور تیز لکڑی اور تیز پتھر اور بانس کا چھلکا اور آگ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کو قصداً ایسی شئی سے مارنا جس کی انسانی بدن طاقت نہیں رکھتا لہٰذا اگر جان بوجھ کر بڑے پتھر یا بڑی لکڑی سے مارا تو یہ عمد ہے اور اس کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور متعین طور پر قصاص واجب ہے یہ ہمارے نزدیک ہے برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے کیوں کہ ان کے نزدیک قصاص متعین نہیں ہے بلکہ ولی کو قصاص اور دیت لینے میں اختیار ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ مال قتل خطاء میں ضرورۃً واجب ہوتا ہے خون کو ضیاع سے بچانے کے لیے اس لیے کہ مال اور نفس کے درمیان مماثلث نہیں ہے۔ لہٰذا عمد میں مثل صوری اور معنوی کے احتمال کے باوجود مال واجب نہیں ہے۔ نہ کفارہ واجب ہے برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب کفارہ قتل خطاء میں واجب ہے تو عمد میں بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا اور ہم کہتے ہیں کفارے کا خطاء کے لیے ساتر ہونے سے کفارے کا عمد کے لیے ساتر ہونا لازم نہیں آتا اور یہ محض کبیرہ ہے اور شبہ عمد کسی کو ایسی شئی سے مارنا جو مذکورہ شئی کے علاوہ ہو۔ جیسے لاٹھی اور کوڑا اور چھوٹا پتھر، بہر حال بڑے پتھر اور بڑی لکڑی سے مارنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی شبہ عمد میں سے ہے۔ برخلاف ان کے علاوہ ہے اور اس میں گناہ اور کفارہ اور عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے عنقریب دیت مغلظہ کی اور عاقلہ کی تفسیر آئے گی ان شاء اللہ۔ بلا قصاص ہے اور یہ نفس کے علاوہ میں عمد ہے یعنی کسی کو قصداً مذکورہ اشیاء کے علاوہ نفس کے علاوہ کسی عضوء میں مارنا عمد ہے جس سے

قصاص واجب ہوتا ہے۔ چناں چہ نفس کے علاوہ میں شبہ عمد نہیں ہے۔

تشریح:

اعلم ان...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ اس قتل کی جس کے ساتھ احکامات متعلق ہیں اقسام بیان کر رہے ہیں اس کی پانچ قسمیں ہیں۔
(۱) قتل عمد۔ (۲) قتل شبہ عمد۔ (۳) قتل خطاء۔ (۴) قتل جاری مجری خطاء۔ (۵) قتل بسبب۔
مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر قسم کے جداگانہ احکامات بیان کر رہے ہیں۔

قتلِ عمد کی تعریف:

قتل عمد یہ ہے کہ کسی کو ایسے آلہ سے جان بوجھ کر مارنا جو انسان کے اجزاء جدا کر دے جیسے ہتھیار، تیز لکڑی، تیز پتھر، بانس کا چھلکا یا آگ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط لگائی ''**بما یفرق الاجزاء**'' کہ ایسے آلے سے مارے جو اجزاء جدا کرے یہ شرط اس وجہ سے لگائی کہ اس قتل میں ''عمد'' شرط ہے اور ''عمد'' دل کا فعل ہے جو بلا دلیل معلوم نہیں ہو سکتا اور مارنے والے کا ایسا آلہ استعمال کرنا ''عمد'' کی دلیل ہے۔ لہٰذا دلیل (تیز آلہ) کو مدلول (عمد) کے قائم مقام بنایا گیا۔　　[شامی: ٦/ ٥٢٧]
مذکور بالا تعریف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل عمد یہ ہے کہ کسی کو جان بوجھ کر ایسی شئی سے مارے جس سے عموماً قتل کیا جاتا ہو اور انسانی بدن اس کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ لہٰذا اگر کسی نے بڑے پتھر یا بڑی لکڑی سے مارا تو یہ بھی قتلِ عمد ہے۔

تصحیح عبارت:

بندہ کے سامنے شرح الوقایہ کا جو نسخہ ہے اس میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو بیان کرنے کے لیے یہ عبارت مذکور ہے۔ ''**بما لا یطیقه البینة**'' اس میں لفظ ''**البینة**'' مذکور ہے جو صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح لفظ ''**البنية**'' ہے جس کے معنی انسانی بدن کے ہیں۔

قتلِ عمد کا حکم:

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتلِ عمد کے تین حکم ہیں۔
(۱) گناہ ہونا۔ (۲) متعین طور پر قصاص ہونا۔ (۳) کفارہ نہ ہونا۔
پہلا حکم قاتل کا گناہ گار ہونا ہے کیوں کہ قتل عمد کی حرمت کلمہ کفر کے اجراء کی حرمت سے اشد ہے کیوں کہ کلمہ کفر اکراہ کی وجہ سے جائز ہو جاتا ہے لیکن قتل پھر بھی جائز نہیں ہے اور ''جوہرہ'' میں مذکور ہے کہ قتل عمد اکبر الکبائر ہے اور اس کا گناہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔　　[شامی: ٦/ ٥٢٨]
دوسرا حکم احناف اور شوافع کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ احناف کے نزدیک اولیاء مقتول قاتل سے صرف قصاص لے سکتے ہیں اور قاتل کی رضامندی کے بغیر مال نہیں لے سکتے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاء کو اختیار ہے خواہ قاتل کو قصاصاً قتل کریں یا اس سے دیت لیں احناف کی دلیل یہ ہے کہ مال قتل خطاء میں ضرورت کے طور پر واجب ہوتا ہے تاکہ مقتول کا خون ضائع نہ ہو جائے ورنہ مال اور مقتول کی جان میں کوئی مماثلت نہیں ہے لیکن قتلِ عمد میں قصاص، قتلِ عمد کی مثل صوری اور معنوی ہے۔ لہٰذا قتل عمد میں قصاص واجب ہوگا مال واجب نہ ہوگا۔
تیسرا حکم بھی احناف اور شوافع کے درمیان مختلف فیہ ہے احناف کے نزدیک قتلِ عمد میں قاتل پر کفارہ قتل نہیں ہے جب کہ امام شافعی

رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاتل پر کفارہ قتل لازم ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ جب قتل خطاء میں کفارہ واجب ہے تو قتلِ عمد میں بدرجہ اولی کفارہ واجب ہوگا اس لیے کہ کفارہ گناہ چھپانے کے لیے ہوتا ہے اور قتلِ عمد کا گناہ قتلِ خطا سے بڑا ہے چناں چہ اس میں کفارہ بدرجہ والی واجب ہوگا۔

و نحن نقول ...... ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ بات لازم نہیں ہے کہ جب کفارہ قتل خطاء کے گناہ کے لیے ساتر ہے تو یہ قتل عمد کے گناہ کے لیے بھی ساتر ہو کیوں کہ کفارہ میں عبادت اور عقوبت دونوں کے معنی پائے جاتے ہیں۔ چناں چہ اس کے سبب میں بھی اباحت اور خطر دونوں معنی پائے جانے چاہیں جب کہ قتلِ عمد محض گناہ کبیرہ ہے تو اس میں اباحت کا معنی نہیں ہے جب اباحت کا معنی نہیں ہے تو اس میں کفارہ واجب نہیں ہے۔ [البنایۃ: ۱۵/۳۵۳]

شبہ عمد کی تعریف:

قتل شبہ عمد یہ ہے کہ کسی کو جان بوجھ کر ایسی شئی سے مارے جو نہ ہتھیار ہو اور نہ ہتھیار کے قائم مقام ہو یہ تعریف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شبہ عمد یہ ہے کہ کسی کو جان بوجھ کر ایسی شئی سے مارے جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا۔

فائدہ:

شبہ عمد کو شبہ خطاء بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ قتل ایک لحاظ سے عمد کے مشابہ ہے کہ مارنے والا جان بوجھ کر مارتا ہے اور ایک لحاظ سے خطاء کے مشابہ ہے کیوں کہ مارنے والے کا قتل کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا۔ [شامی: ۶/۵۲۹]

شبہ عمد کا حکم:

قتل شبہ عمد کے تین حکم ہیں۔

(۱) گناہ۔ (۲) کفارہ۔ (۳) دیت مغلظہ

پہلا حکم یہ ہے کہ قاتل گناہ گار ہے اور گناہ سے مراد یہ ہے کہ اس کو مارنے کا گناہ ہے قتل کا گناہ مراد نہیں ہے۔ [شامی: ۶/۵۳۰]

دوسرا حکم کفارہ ہے کیوں کہ یہ خطاء کے مشابہ ہے اور قتل خطاء میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ عاقلہ پر دیت مغلظہ لازم ہے جس کو وہ تین سال میں ادا کریں گے۔ عاقلہ اور دیت مغلظہ کی تفسیر عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ

و هو فيما دون ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ شبہ عمد صرف انسانی جان میں متحقق ہوتا ہے البتہ انسانی اعضاء میں شبہ عمد نہیں ہے اعضاء انسانی میں شبہ عمد بھی عمد ہے جس سے قصاص واجب ہوتا ہے۔

عبارت:

و فی الخطاء و لو علی عبد انما قال هذا لدفع توهم ان العبد مال و ضمان الاموال لا یکون علی العاقلة فمع ذلک اذا کان قتله خطاءً تکون الدیة علی العاقلة قصداً کرمیه مسلما ظنه صیداً و حربیا او فعلاً کرمیه غرضا فاصاب اٰدمیا الخطاء ضربان خطاء فی القصد و خطاء فی الفعل فالخطاء فی الفعل ان یقصد فعلا فصدر منه فعل اٰخر کما اذا رمی الغرض فاخطاء فاصاب غیره و الخطأ فی القصد ان لا یکون الخطاء فی الفعل و انما یکون

الخطاء فی قصده بانه قصد بهذا الفعل حربیاً لکن اخطأ فی ذلک القصد حیث لم یکن ما قصده حربیا و لیس فی الخطاء اثم القتل بل اثم ترک الاحتیاط فان شرع الکفارة دلیل الاثم و ما جری مجراه کنائم سقط علی اٰخر فقتله ای کقتل نائم سقط علی اٰخر فتلف ذلک الشخص بسبب سقوطه علیه کفارة و دیة علی عاقلته و فی القتل بسبب کتلفه ای کاتلافه بوضع حجر و حفر بیر فی غیر ملکه دیة علی العاقلة بلا کفارة و لا ارث الاهنا هذا عندنا و عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ تجب الکفارة و یثبت به حرمان المیراث الحاقا بالخطاء قلنا القتل معدوم حقیقة و الحق بالخطاء فی حق الضمان ففی غیره بقی علی اصله۔

ترجمہ:

اور قتل خطاء (عاقلہ پر دیت ہے) اگرچہ غلام پر ہو سوائے اس کے نہیں یہ کہا یہ وہم دور کرنے کے لیے کہ غلام مال ہے اور اموال کی ضمان عاقلہ پر نہیں ہوتی پس اس کے باوجود جب غلام کا قتلِ خطاء ہو تو دیت عاقلہ پر ہوگی دراں حالکہ خطاء قصداً ہو جیسے ایک شخص کا کسی مسلمان کو تیر مارنا جس کو اس نے شکار یا حربی گمان کیا ہو یا دراں حالکہ خطا فعلاً ہو جیسے ایک شخص کا کسی نشانے پر تیر مارنا پھر وہ کسی آدمی کو لگ گیا۔ خطاء کی دو قسمیں ہیں۔ ارادے میں خطا اور فعل میں خطاء، فعل میں خطاء یہ ہے کہ انسان کسی فعل کا ارادہ کرے پھر اس سے دوسرا فعل صادر ہو جائے جیسا کہ جب کسی نے نشانے پر تیر مارا پھر اس نے غلطی کی اور کسی دوسرے کو لگ گیا اور ارادے میں خطاء یہ ہے کہ خطاء فعل میں نہ ہو اور خطاء صرف اس کے ارادے میں ہو اس طور پر کہ اس نے اس فعل سے کسی حربی کا ارادہ کیا ہو لیکن اس نے اس ارادے میں غلطی کی اس طور پر کہ جس شئی کا اس نے ارادہ کیا ہے وہ حربی نہیں ہے اور خطاء میں قتل کا گناہ نہیں ہے بلکہ احتیاط چھوڑنے کا گناہ ہے کیوں کہ کفارے کا مشروع ہونا گناہ کی دلیل ہے اور وہ قتل جو خطاء کے قائم مقام ہے جیسے سونے والا دوسرے پر گر پڑا چناں چہ اس کو قتل کر دیا یعنی جیسے اس سونے والے کا قتل کرنا جو دوسرے پر گر پڑے اور یہ شخص سونے والے کے اس پر گرنے سے ہلاک ہو جائے اس میں کفارہ اور اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہے اور قتل بالسبب میں جیسے انسان کا کسی کو دوسرے کی ملک میں پتھر رکھ کر یا کنواں کھود کر ہلاک کرنا عاقلہ پر بلا کفارہ دیت ہے اور وراثت نہیں ہے مگر یہاں یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفارہ واجب ہے اور اس کی وجہ سے میراث سے محرومی ثابت ہوتی ہے اس کو قتل خطاء سے ملاتے ہوئے ہم نے کہا حقیقۃً قتل معدوم ہے اور اس کو قتل خطاء کے ساتھ ضمان کے حق میں ملایا گیا ہے چناں چہ اس کے علاوہ یہ اپنی اصل پر باقی ہے۔

تشریح:

و فی الخطاء...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ قتلِ خطاء کا حکم بیان کر رہے ہیں۔

قتل خطاء کی تعریف وقسمیں:

قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خطاء فی القصد۔ (۲) خطاء فی الفعل

کیوں کہ انسان کا کسی شئی کو تیر وغیرہ مارنا دو اشیاء پر موقوف ہے ایک دل کا ارادہ۔ دوسرا شئی کا نشانہ۔ اگر ارادے میں خطاء ہو جائے تو یہ خطاء فی القصد ہے اور اگر نشانے میں خطاء ہو جائے تو یہ خطاء فی الفعل ہے۔ [الکفایۃ: ۹/۱۴۷]

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے خطاء فی الفعل کی تعریف یہ کی ہے کہ انسان ایک فعل کا ارادہ کرے اور اس سے دوسرا فعل صادر ہو جائے جیسے

انسان کسی نشانے پر تیر مارے لیکن وہ غلطی سے دوسری جگہ لگ جائے۔ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تعریف پر ''صاحب الاصلاح والایضاح رحمہ اللہ تعالیٰ'' نے اعتراض کیا ہے جس کا صاحب نتائج الافکار رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ہے یہ اعتراض وجواب نتائج الافکار میں مذکور ہیں۔ [من شاء فلیراجعه: تکملہ فتح القدیر: ۹/۱۴۷]

اور ''خطاء في القصد'' یہ ہے کہ انسان کے ارادے میں غلطی ہوجائے مثلاً انسان نے کسی حربی کو مارنے کا ارادہ کیا لیکن یہ ارادہ غلط نکلا اور وہ حربی نہ تھا بلکہ مسلمان تھا۔

قتلِ خطاء کا حکم:

قتلِ خطا (خواہ خطاء فی الفعل ہو یا خطا فی القصد ہو) میں کفارہ ہے اور عاقلہ کے ذمے دیت ہے اور اس میں قتل کا گناہ نہیں ہے البتہ احتیاط چھوڑنے کا گناہ ہے۔

قتل جاری مجری خطاء:

قتل جاری مجری خطاء یہ ہے کہ ایک شخص کسی جگہ سویا ہوا ہے اور وہ نیند کی حالت میں اپنے برابر والے پر پلٹ پڑا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگیا اس قتل کی وجہ سے قاتل پر کفارہ اور عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے اور قاتل کو گناہ ہوتا ہے البتہ یہ قتل کے گناہ سے کم ہوتا ہے۔

قتل بالسبب کی تعریف:

قتل بالسبب یہ ہے کہ قاتل نے کوئی ایسا فعل کیا جو کسی انسان کے ہلاک ہونے کا سبب بن گیا جس طرح کسی نے دوسرے کی ملک میں پتھر رکھ دیا یا کنواں کھود دیا اور اس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہوگیا۔

قتل بالسبب کا حکم:

اس کے حکم میں احناف اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف ہے ہمارے نزدیک قاتل کے عاقلہ پر دیت ہے اور اس میں کفارہ نہیں ہے اور اگر قاتل مقتول کا وارث ہے تو وہ میراث سے محروم نہ ہوگا جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کفارہ بھی واجب ہے اور قاتل میراث سے محروم ہوگا انہوں نے اس کو قتل خطاء پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح قتلِ خطاء میں قاتل میراث سے محروم ہوتا ہے اور اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے اسی طرح اس میں بھی کفارہ واجب ہوگا اور قاتل میراث سے محروم ہوگا۔ ہم نے اس کا جواب دیا کہ قاتل نے حقیقۃً اس کو قتل نہیں کیا اور اس کو قتل خطاء کے ساتھ صرف ضمان کے حق میں لاحق کیا گیا ہے یعنی جس طرح قتلِ خطاء میں عاقلہ پر دیت ہے اسی طرح اس میں بھی عاقلہ پر دیت ہے چناں چہ دیت کے علاوہ یہ قتل بالسبب اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

فائدہ:

احناف کے نزدیک قتل بالسبب کے علاوہ باقی تمام اقسام میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم رہے گا جب کہ شوافع کے نزدیک تمام اقسام میں قاتل میراث سے محروم رہے گا۔

......☆☆☆☆☆......

باب ما یوجب القود و مالا یوجب

عبارت:

هو یجب بقتل ما حقن دمه ابدا عمدا ای ما حفظ دمه ابدا و هو المسلم و الذمی و ابدا احتراز عن المستامن فان حقن دمه موقت الی رجوعه فیقتل الحر بالحر و بالعبد هذا عندنا و عند الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ لا یقتل الحر بالعبد لقوله تعالیٰ الحر بالحر و العبد بالعبد و لنا ان النفس بالنفس و قوله الحر بالحر لا یدل علی النفی فیما عداه علی اصلنا علی انه ان دل یجب ان لا یقتل العبد بالحر لقوله تعالیٰ العبد بالعبد و المسلم بالذمی هذا عندنا خلافا للشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ لا هما بمستامن بل هو بنده ای یقتل المستامن بمثله و هو المستامن و العاقل بالمجنون البالغ بالصبی و الصحیح بالاعمی و الزمن و ناقص الاطراف و الرجل بالمرأة و الفرع باصله لا بعکسه و لا سید بعبده و مدبره و مکاتبه و عبد ولده و عبد بعضه له و لا بعبد الرهن حتی یجتمع عاقداه لان المرتهن لا ملک له فلا یلیه و الراهن لوتو لاه لبطل حق المرتهن فی الدین فیشترط اجتماعهما لیسقط حق المرتهن برضاه۔

ترجمہ:

قصاص ایسے انسان کو عمداً قتل کرنے سے واجب ہوتا ہے جس کا خون دائمی طور پر محفوظ ہو یعنی جس کا خون دائمی طور پر محفوظ ہو اور وہ مسلمان اور ذمی ہے اور ''ابدا'' سے مستامن سے احتراز ہے کیوں کہ اس کے خون کا محفوظ ہونا اس کے لوٹنے تک موقت ہے چناں چہ آزاد کو آزاد اور غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ''الحر بالحر و العبد بالعبد'' اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ''النفس بالنفس'' اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ''الحر بالحر'' ہمارے اصول کے مطابق ماعدا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا علاوہ ازیں اگر یہ دلالت کرے تو یہ واجب ہے کہ غلام کو آزاد کے بدلے قتل نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ ''العبد بالعبد'' اور مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا یہ ہمارے نزدیک ہے برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے اور نہ ان دونوں کو مستامن کے بدلے قتل کیا جائے گا بلکہ مستامن کو اس کی مثل کے بدلے قتل کیا جائے گا اور وہ مستامن ہے اور عاقل کو مجنون کے بدلے اور بالغ کو بچے کے بدلے اور صحیح کو اندھے اور آپاہج اور ناقص اعضاء والے کے بدلے اور مرد کو عورت کے بدلے اور فرع کو اس کی اصل کے بدلے نہ کہ اس کا برعکس اور نہ آقا کو اس کے غلام اور اس کے مدبر اور اس کے مکاتب اور اپنے بیٹے کے غلام اور اپنے کچھ حصے والے غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا اور

نہ قاتل کو عبد مرہون کے بدلے قتل کیا جائے گا یہاں تک کہ دونوں عاقدین جمع ہو جائیں اس لیے کہ مرتہن کی ملک نہیں ہے چناں چہ وہ اس کا ولی نہیں ہے اور راہن اگر اس کا ولی بن جائے تو مرتہن کا دین میں حق باطل ہو جائے گا لہٰذا ان دونوں کا جمع ہونا شرط ہے تا کہ مرتہن کا حق اس کی رضامندی سے ساقط ہو جائے۔

تشریح:

جب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ قتل کی پانچ اقسام کے بیان سے فارغ ہوئے اور انہی میں سے ایک قتل عمد ہے جس کی بعض صورتوں میں قصاص ہے اور بعض میں قصاص نہیں ہے چناں چہ اس باب میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ان صورتوں کو بیان کریں گے جن میں قصاص واجب ہے اور جن میں واجب نہیں ہے۔ [عنایہ:۹/۱۴۹]

کلی ضابطہ:

ھو یجب ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ایک کلی ضابطہ بیان کر رہے ہیں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ کس کے لیے قصاص واجب ہے چناں چہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا خون دائمی طور پر محفوظ ہو ایسے شخص کو عمداً قتل کرنے سے قصاص واجب ہوتا ہے اور یہ مسلمان اور ذمی ہیں البتہ اس کے ساتھ مزید دو شرائط ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ قاتل مکلف ہو دوسری شرط یہ ہے کہ قاتل اور مقتول کے درمیان شبہ نہ ہو۔ [درمختار:۶/۵۳۲]

فوائد قیود:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس ضابطہ میں دو قیود لگائی ہیں۔

پہلی قید ''ابدا'' ہے اس قید سے مستامن نکل گیا کیوں کہ اس کا خون دائمی طور پر محفوظ نہیں ہے بلکہ اس کے دار الحراب لوٹنے تک محفوظ ہے۔

دوسری قید ''عمدا'' ہے اس سے قتل کی بقیہ چار اقسام سے احتراز ہے کیوں کہ ان میں عمد نہیں ہوتا۔

یہاں ایک تیسری قید بھی محذوف ہے۔ ''**ما حقن دمه بالنظر الی قاتله**'' یعنی قاتل کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا خون محفوظ ہو خواہ مطلقاً محفوظ نہ ہو مثلاً اگر قاتل کو مقتول کے اولیاء کے علاوہ کسی اجنبی نے قتل کر دیا تو اجنبی سے قصاص لیا جائے کیوں کہ وہ قاتل اجنبی کے لحاظ سے محقون الدم ہے۔ [شامی:۶/۵۳۲]

فیقتل الحر بالحر ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ احناف کے نزدیک آزاد کو آزاد کے بدلے اور آزاد کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لقوله تعالیٰ الحر بالحر ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل بیان کر رہے ہیں وہ اس طرح کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **کتب علیکم القصاص** ...... کی تفسیر ہے اور یہی معتبر تفسیر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قصاص مساوات پر مبنی ہوتا ہے اور آزاد اور غلام میں مساوات نہیں ہے جب مساوات نہیں ہے تو غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ [البنایۃ:۹/۱۴۹]

احناف کی دلیل:

احناف کے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین دلائل ذکر کیے ہیں۔

پہلی دلیل ''لنا ان النفس...... سے بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''ان النفس بالنفس '' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''الحر بالحر ''...... کے لیے ناسخ ہے جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

دوسری دلیل ''قولہ الحر بالحر...... سے بیان کی ہے کہ یہ دلیل احناف کے اس اصول پر مبنی ہے کہ کسی شئی کے ذکر کی تخصیص اس کے ماعدا کی نفی پر دلالت نہیں کرتی ''لہٰذا ''الحر بالحر '' میں آزاد کا ذکر کرنا اس بات کی نفی پر دلالت نہیں کرتا کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

تیسری دلیل علی انه ان...... سے بیان کی ہے یہ الزامی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ''الحر بالحر '' میں اگر آزاد کا ذکر تخصیص پر دلالت کرتا ہے تو پھر آزاد کے بدلے غلام کو قتل نہ کیا جائے کیوں کہ ''العبد بالعبد '' بھی تخصیص پر دلالت کرے گا حالاں کہ آزاد کے بدلے غلام کو قتل کیا جائے گا تو معلوم ہوا ''العبد بالعبد '' تخصیص پر دلالت نہیں کرتا جب ''العبد بالعبد '' تخصیص پر دلالت نہیں کرتا تو ''الحر بالحر '' بھی تخصیص پر دلالت نہیں کرے گا۔ [فیه تفصیل مذکور فی الدر المختار:۶/۵۳۳]

و المسلم بالذمي...... یعنی مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا کیوں کہ کتاب اللہ کی آیت اور حدیث مطلق ہے چناں چہ یہ (مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کرنا) اس میں داخل ہے البتہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح ان دونوں کو مستامن کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا البتہ مستامن کو مستامن کے بدلے قیاساً قتل کیا جائے گا اور استحساناً قتل نہیں کیا جائے گا۔

عبارت:

و لا بمكاتب قتل عمدا عن وفاء و وارث و سيد و ان اجتمعا لانه ظهر الاختلاف بين الصحابة رضى الله عنهم في موته حرا او رقيقا فان مات حرا فالولي هو الوارث و ان مات رقيقا فالولي هو المولى فاشتبه من له الحق فلا يقتص قاتله و ان اجتمع الوارث و المولى فان لم يدع وارثاً غير سيده او ترك و لاء وفاء اقاد سيده هذا عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ خلافا لمحمد رحمه الله تعالىٰ و ان لم يترك وفاء اقاد السيد ايضا لانه متعين و يسقط قود و رثه على ابيه اى اذا قتل الاب شخصا ولى القصاص ابن القاتل يسقط القصاص لحرمة الابوة ولا يقاد الا بالسيف هذا عندنا و عند الشافعى رحمه الله تعالىٰ يفعل به مثل ما فعل فان مات فبها والاتحز رقبته تحقيقا للتسوية و لنا قوله عليه السلام لا قود الا بالسيف و ايضا يحتمل ان لايموت فيحتاج الى جز الرقبة فلا تسوية و يقيد ابو المعتوه قاطع يده و قاتل قريبه و يصالح و لا يعفو وللوصى الصلح فقط اى ليس له ولاية العفو ولا القتل اذ ليس له الولاية على نفسه بل على ماله والقتل قصاص من باب الولاية على النفس و ليس له ولاية القصاص فى الاطراف و الصبى كالمعتوه والقاضى كالاب هو الصحيح حتى يكون لابيه و وصيه ما يكون لاب المعتوه و وصيه والقاضى بمنزلة الاب۔

ترجمہ:

ورنہ قاتل کو ایسے مکاتب کے بدلے قتل کیا جائے گا جس مکاتب کو عمداً قتل کیا گیا ہو اس نے وفاء اور وارث اور آقا چھوڑا ہو اگر چہ وہ دونوں جمع ہو جائیں اس لیے کہ صحابہ کرام کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ اس کی موت آزاد ہونے کی حالت میں ہوئی یا غلام ہونے کی

حالت میں ہوئی پس اگر یہ آزاد ہونے کی حالت میں مرا ہو تو ولی ہی وارث ہے اور اگر غلام ہونے کی حالت میں مرا ہو تو ولی مولیٰ ہی ہے۔ چناں چہ وہ شخص مشتبہ ہے جس کے لیے حق ہے لہٰذا اس کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اگر چہ وارث اور مولیٰ جمع ہو جائیں اور اگر مکاتب نے آقا کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑا ہو اور اس نے ولاء بطور وفاء چھوڑی ہو تو اس کا آقا قصاص لے گا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے بَر خلاف امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے اور اگر اس نے وفاء چھوڑی تو بھی آقا قصاص لے گا اس لیے کہ وہ متعین ہے اور قصاص ساقط ہو جائے گا دراں حالکہ ولی اپنے باپ کا وارث ہو یعنی جب باپ نے کسی شخص کو قتل کر دیا اور قصاص کا ولی قاتل کا بیٹا ہے تو باپ ہونے کی حرمت کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور قصاص صرف تلوار سے ہی لیا جائے گا یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاتل کے ساتھ وہی کیا جائے گا جو اس نے کیا پس اگر وہ مرجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی گردن برابری کو ثابت کرنے کے لیے کاٹی جائے گی اور ہماری دلیل آپ علیہ السلام کا یہ فرمان ہے ''**لا قود الا بالسیف**'' (قصاص صرف تلوار سے ہی ہے) اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ نہ مرے چناں چہ گردن کاٹنے کی ضرورت پڑے لہٰذا برابری نہ ہوئی اور معتوہ کا ہاتھ کاٹنے والے اور معتوہ کے قریبی رشتے دار کو قتل کرنے والے سے معتوہ کا باپ قصاص لے سکتا ہے اور صلح کر سکتا ہے اور معاف نہیں کر سکتا اور وصی کے لیے فقط صلح ہے یعنی اس کو معاف کرنے کی اور قتل کرنے کی ولایت نہیں ہے اس لیے کہ اس کی اپنی ذات پر ولایت نہیں ہے بلکہ اپنے مال پر بھی نہیں ہے اور قتل قصاص ہے نفس پر ولایت کے باب سے ہے اور اس کے لیے اعضاء میں قصاص کی ولایت نہیں ہے اور بچہ معتوہ کی طرح ہے اور قاضی باپ کی طرح ہے یہی صحیح ہے۔ لہٰذا بچے کے باپ اور وصی کے لیے وہ ہے جو معتوہ کے باپ اور وصی کے لیے ہے اور قاضی باپ کے مرتبے پر ہے۔

تشریح:

و لا بمکاتب...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مکاتب غلام کو قتل کر دیا گیا اور مکاتب نے وفاء چھوڑی (یعنی اس قدر مال چھوڑا جس سے بدلِ کتابت ادا کیا جا سکتا ہے) اور مکاتب کا وارث اور اس کا مولیٰ بھی موجود ہے اس صورت میں مکاتب کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا خواہ وارث اور مولیٰ دونوں قصاص لینے پر متفق ہوں اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ جو مکاتب وفاء چھوڑ کر مرے آیا ایسا مکاتب آزاد ہو کر مرتا ہے یا غلامی کی حالت میں مرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا فرمان یہ ہے کہ ایسا مکاتب آزاد ہو کر مرتا ہے جب کہ اس مال سے بدل کتابت ادا کر دیا جائے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان یہ ہے کہ ایسا مکاتب غلامی کی حالت میں مرتا ہے۔ پس جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف ہے تو اب اگر اس کو آزاد شمار کریں تو اس کا ولی وارث ہوگا اور اگر اس کو غلام شمار کریں تو ولی مولیٰ ہوگا جب معاملہ مشتبہ ہے تو ہم نے یہ راہ اختیار کی کہ قصاص نہ لیا جائے خواہ مولیٰ اور وارث دونوں جمع ہو جائیں۔ [العنایہ: ۹/۱۵۷]

دوسری صورت یہ ہے کہ مکاتب نے وفا چھوڑی ہو اور اس کا مولیٰ کے سوا کوئی وارث نہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاتل سے قصاص مولی لے گا جب کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں بھی قصاص نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مکاتب نے وفاء نہ چھوڑی ہو اور اس کا مولی کے علاوہ وارث ہو یا نہ ہو دونوں حالتوں میں مولی ہی قصاص لے گا کیوں کہ جب وفاء نہیں چھوڑی تو یہ مکاتب مولی کا غلام ہے جب اس کا غلام ہے تو مولیٰ قصاص لینے کا حق دار ہے۔

ویسقط قود ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنے باپ سے قصاص لینے کا وارث بن جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا اس کی صورت یہ ہے کہ باپ نے کسی شخص (مثلاً اپنی بیوی) کو قتل کر دیا اب قصاص کا ولی قاتل (باپ) کا بیٹا ہے۔ کیوں کہ مقتولہ اس کی ماں تھی چناں چہ قصاص باپ کے احترام کی وجہ سے ساقط ہو گیا (یہ صورت شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہے اس پر صاحب درمختار رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہلکا سا اعتراض کیا ہے۔ [من شاء فلیراجعه الرد المختار:۶/۵۳۶]

تصحیح عبارت:

بندہ کے سامنے شرح الوقایہ کا جو نسخہ ہے اس میں یہ عبارت ''ای اذا قتل الاب شخصا ولی القصاص ...... الی آخرہ'' یوں ہے حالاں کہ صحیح ای اذا قتل الاب شخصا و ولی القصاص ...... الی آخرہ'' ہے یعنی ''ولی'' سے قبل ''واؤ'' عاطفہ ہے۔

ولا یقاد ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ قاتل سے قصاص کس طرح لیا جائے گا۔ احناف کے نزدیک قاتل نے خواہ کسی طرح قتل کیا ہو۔ اس سے قصاص فقط تلوار یعنی ہتھیار سے لیا جائے گا جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیکھا جائے گا کہ قاتل نے فعل مشروع سے قتل کیا تھا یا فعل غیر مشروع سے قتل کیا تھا پس اگر فعل مشروع سے قتل کیا تھا مثلاً مقتول کا ہاتھ کاٹا تھا جس کی وجہ سے وہ کچھ عرصے بعد مر گیا تو اب قاتل کا بھی ہاتھ کاٹا جائے اور اتنی مدت چھوڑ دیا جائے اگر مر جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کیا جائے اور اگر قاتل نے غیر مشروع طریقے سے قتل کیا مثلاً مقتول کو اتنی شراب پلائی جس سے وہ مر گیا تو اب صحیح مذہب کے مطابق قاتل سے تلوار سے قصاص لیا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

تحقیقا للتسویة ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہ قصاص کی بنیاد مساوات پر ہے اور مساوات اس صورت میں ثابت ہو گی جب قاتل کو اسی طرح قتل کیا جائے جس طرح اس نے مقتول کو قتل کیا۔

احناف کے دلائل:

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے احناف کی دو دلیلیں نقل کی ہیں ایک دلیل نقلی دوسری دلیل عقلی۔ نقلی دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کا یہ فرمان ہے: ''**لا قود الا بالسیف**'' کہ قصاص صرف تلوار یعنی ہتھیار سے لیا جائے گا۔

دلیل عقلی جو کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب پر مشتمل ہے وہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قصاص کی بنیاد مساوات پر ہے حالاں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں مساوات نہیں ہے بلکہ اس میں قاتل پر زیادتی کرنا ہے وہ اس طرح کہ اگر اسی فعل سے قاتل نہ مرا تو اس کی گردن کاٹی جائے گی تو یہ گردن کاٹنا زائد فعل ہے جو قاتل نے نہیں کیا۔ لہٰذا مساوات نہ ہوئی۔

و یقید ابو المعتوہ ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ کسی نے معتوہ (ناقص العقل جو مجنون نہ ہو) کے قریبی رشتے دار مثلاً معتوہ کے بیٹے کو قتل کر دیا یا معتوہ کا ہاتھ کاٹ دیا تو اب چوں کہ معتوہ قصاص لینے کا اہل نہیں ہے اس لیے معتوہ کا باپ قاتل یا قاطع سے قصاص لے سکتا ہے اور اسی طرح معتوہ کا باپ قاتل یا قاطع سے صلح کر سکتا ہے البتہ یہ صلح کرنا اس وقت صحیح ہو گا جب یہ صلح دیت کے برابر یا اس سے زائد ہو چناں چہ اگر اس نے دیت کی مقدار سے کم پر صلح کی تو یہ ناجائز ہے اور معتوہ کا باپ قاتل یا قاطع کو معاف نہیں کر سکتا کیوں کہ اس میں معتوہ کا حق باطل ہو گا۔ [شامی:۶/۵۳۸]

وللوصی الصلح ...... یعنی اگر معتوہ کا باپ نہ ہو اور اس کا وصی موجود ہو تو اب وصی نہ تو قصاص لے سکتا ہے اور نہ معاف کر سکتا ہے

کیوں کہ وصی کو معتوہ کی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہے بلکہ معتوہ کے مال پر بھی ولایت نہیں ہے جب وصی کو معتوہ کی ذات پر ولایت نہیں ہے تو وصی قاتل سے قصاص نہیں لے سکتا کیوں کہ قاتل سے قصاص وہ شخص لے سکتا ہے جس کو معتوہ کی ذات پر ولایت حاصل ہو۔

ولیس له ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ وصی جس طرح قتل کا قصاص نہیں لے سکتا اسی طرح وصی ہاتھ کاٹنے والے سے بھی قصاص نہیں لے سکتا جس نے معتوہ کا ہاتھ کاٹا ہو یہ بات جان لیں کہ یہ قیاس ہے البتہ استحسان یہ ہے کہ وصی اعضاء کا قصاص لے سکتا ہے کیوں کہ اعضاء اموال کے مرتبے میں ہیں۔ [درمختار:۶/۵۳۹]

والصبی کالمعتوہ ......یعنی بچہ معتوہ کی طرح ہے چناں چہ اگر کسی نے بچہ کے قریبی رشتے دار کو قتل کر دیا یا بچے کا ہاتھ کاٹ دیا تو بچے کا باپ قصاص اور صلح کر سکتا ہے البتہ معاف نہیں کر سکتا اور بچے کا باپ نہ ہونے کی صورت میں وصی صرف صلح کر سکتا ہے اور اگر معتوہ یا بچے کا باپ نہ ہو تو قاضی باپ کے قائم مقام ہے۔ لہٰذا وہ قصاص اور صلح کر سکتا ہے البتہ معاف نہیں کر سکتا۔

عبارت:

و یستوفی الکبیر قبل کبر الصغیر قودا لهما هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰہ تعالیٰ و قالا لیس للکبیر ولایة القصاص حق یدرک الصغیر البلوغ لانه حق مشترک کما اذا کان بین الکبیرین و احدهما غائب له انه حق لا یتجزی لثبوته بسبب لایتجزی و هو القرابة فیثبت فکل کملاً کما فی ولایة الانکاح و احتمال العفو عن الصغیر منقطع بخلاف الکبیرین و یقتص فی جرح ثبت عیانا او ببجحة و جعل المجروح ذا فراش حتی مات و فی قتل بحد مرٍ لا فی قتل بظهره او عوده او مثقل او خنق او تغریق او سوط و الی فی ضربه فمات المر بالفارسیة کلند و ان اصابه بظهره فلا قصاص عند ابی حنیفه رحمه اللّٰہ تعالیٰ و عنه وجوب القصاص نظر الی الألة و عنه انه یجب اذا جرح و عندهما و عند الشافعی رحمه اللّٰہ تعالی یجب و ان اصابه بعود المر فان کان مما یطیقه الانسان فلا قصاص بالاتفاق و ان کان مما لا یطیقه ففیه خلاف کما مرو فی الخنق و التغریق لا قصاص عند ابی حنیفة رحمه اللّٰہ تعالیٰ خلاف لغیره و فی موالاة السوط لا قصاص خلافا للشافعی رحمه اللّٰہ تعالیٰ و لا فی قتل مسلم مسلما ظنه مشرکا عند التقاء الصفین بل یکّفر و یدی ای یعطی الدیة و فی موت بفعل نفسه و زید و سبع وحیة ثلث الدیة علی زید لانه مات بثلاثة افعال ففعل السبع و الحیة جنس واحد لکونه هدر مطلقا و فعل نفسه جنس اٰخر و هو انه هدر فی الدنیا لا فی الأخره و فعل زید جنس اٰخر فیجب ثلث الدیة اقول یجب ان ینظر الی ما هو موثر فی الموت و ینظر الی اتحاده و تعدده فالسبع و الحیة اثنان و لا اعتبار فی ذلک لکونهما هدرا۔

ترجمہ:

اور کبیر صغیر کے بڑا ہونے سے پہلے دونوں کی طرف سے قصاص وصول کر سکتا ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کبیر کے لیے قصاص کی ولایت نہیں ہے یہاں تک کہ صغیر بلوغ کو پہنچ جائے اس لیے کہ قصاص حق مشترک ہے جیسا کہ جب دو بڑوں کے درمیان ہو اور ان میں سے ایک غائب ہو۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ قصاص ایسا حق ہے جس کی تجزی نہیں ہوتی کیوں کہ ایسے سبب سے ثابت ہوا ہے جس کی تجزی نہیں ہوتی اور وہ قرابت ہے چناں چہ ہر ایک کے

لیے کامل ولایت ثابت ہوگی جیسا کہ نکاح کروانے کی ولایت میں اور صغیر سے معاف کرنے کا احتمال منقطع ہے برخلاف دونوں بڑوں کے ہے اور اس زخم میں قصاص لیا جائے گا جو عیاناً ثابت ہو یا گواہوں سے ثابت ہو اور اس زخم نے مجروح کو صاحبِ فراش بنا دیا ہو یہاں تک کہ وہ مرگیا اور پھاوڑی کی دھار سے قتل کرنے کی صورت میں قصاص لیا جائے گا اور اس کی پشت کی جانب سے یا اس کے دستے سے قتل کرنے یا بھاری شئی سے یا گلا گھونٹنے سے یا غرق کرنے سے یا ایسے کوڑے سے جو پے در پے اس کو مارے پس وہ مرگیا ان میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ''المر'' فارسی میں ''کلند'' کو کہا جاتا ہے اور اگر یہ پھاوڑی پشت کی جانب سے ماری تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص نہیں ہے اور ان سے وجوبِ قصاص کی روایت مروی ہے آلہ کی طرف دیکھتے ہوئے اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ روایت ہے جب یہ زخمی کرے تو قصاص واجب ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص واجب ہے اور اگر پھاوڑی کے دستے سے مارا پس اگر وہ ایسی چوٹ ہے کہ انسان اس کی طاقت رکھتا ہے تو بالاتفاق قصاص نہیں ہے اور اگر انسان اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اس میں گزشتہ اختلاف ہے اور گلا گھونٹنے اور غرق کرنے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص نہیں ہے برخلاف ان کے علاوہ کے ہے اور پے در پے کوڑے مارنے میں قصاص نہیں ہے برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے اور مسلمان کے مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں قصاص نہیں ہے کہ جس کو صفیں ملنے کے وقت مشرک گمان کیا ہو بلکہ قاتل کفارہ دے اور دیت دے یعنی دیت ادا کرے اور اپنی ذات اور زید اور درندے اور سانپ کے فعل سے مرنے کی صورت میں زید پر دیت کا ثلث ہے اس لیے کہ وہ انسان تین افعال سے مرا ہے پس درندے اور سانپ کا فعل ایک جنس ہے کیوں کہ مطلقاً ہدر ہے اور اس کا بذاتِ خود فعل دوسری جنس ہے اور وہ دنیا میں ہدر ہے آخرت میں ہدر نہیں ہے اور زید کا فعل دوسری جنس ہے چناں چہ دیت کا ثلث واجب ہوگا میں کہتا ہوں اس شئی کی طرف دیکھنا واجب ہے جو موت میں موثر ہے اور اس کے اتحاد اور تعدد کی طرف دیکھنا واجب ہے۔ لہٰذا درندہ اور سانپ دو ہیں اور اس میں اعتبار نہیں ہے کیوں کہ دونوں ہدر ہیں۔

تشریح:

و یستوفی الکبیر ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص کو قتل کر دیا گیا اور اس کے اولیاء میں بعض کبیر ہیں اور بعض صغیر ہیں اب اگر اولیا میں مقتول کا باپ ہو تو بالاتفاق وہ قصاص لے گا اور اگر اولیاء میں باپ نہ ہو تو اب بڑے اولیاء قصاص لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے اولیاء چھوٹوں کے بالغ ہونے سے قبل قصاص لے سکتے ہیں اور یہ قصاص ان سب کی طرف سے ہوگا جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک چھوٹے بالغ نہ ہو جائیں اس وقت بڑے اولیاء قصاص نہیں لے سکتے۔

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لانہ حق ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کر رہے ہیں کہ قصاص ایسا حق ہے جو چھوٹوں اور بڑوں کے مابین مشترک ہے جب یہ حقِ مشترک ہے تو اب بڑے صرف اپنا حق نہیں لے سکتا کیوں کہ قصاص کی تجزی نہیں ہوتی اور اگر سب کی طرف سے قصاص لیں تو چھوٹوں کا حق باطل ہوگا جیسا کہ جب مقتول کے دو ولی ہوں اور دونوں بڑے ہوں البتہ ان میں سے ایک موجود نہ ہو تو حاضر ولی قصاص نہیں لے سکتا اسی طرح اس صورت میں بھی چھوٹوں کے بالغ ہونے تک بڑے قصاص نہیں لے سکتے۔

[البنایۃ: ۱۵/۳۸۰]

امام صاحب کی دلیل:

لـه انـه حق ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کرر ہے ہیں کہ قصاص ایسا حق ہے جس کی تجزی نہیں ہوسکتی کیوں کہ اس کا سبب قرابت ہے اور وہ متجزی نہیں ہے جب سبب متجزی نہیں ہے تو مسبب بھی متجزی نہیں ہوسکتا۔ لہذا یہ حق ہر ایک کے لیے کامل طور پر ثابت ہوگا جس طرح نکاح کروانے کی ولایت چھوٹے اور بڑے اولیاء میں سے ہر ایک کو کامل طور پر ہوتی ہے، پس جب ہر ایک کو کامل حق ہے تو بڑے اولیاء قصاص لے سکتے ہیں۔

واحتـمـال العفو ...... سے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس صورت کو کبیرین والی صورت پر قیاس نہ کریں کیوں کہ کبیرین کی صورت میں غائب ولی سے معاف کرنے کا احتمال بلاشبہ ثابت ہے جب کہ اس صورت میں فی الحال معافی کا احتمال منقطع ہے البتہ مستقبل میں احتمال ہے جو شبہ سے خالی نہیں ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔

وفـی قتل بـحـد ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کرر ہے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو پھاوڑی سے قتل کیا تو اب دیکھا جائے گا اگر اس کی دھار کی جانب سے مارا ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر پھاوڑی کی پشت کی طرف سے مارا اور اس کو زخمی کیا تو بالاتفاق قصاص لیا جائے گا لیکن زخمی نہ ہونے کی صورت میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس میں تین روایتیں ہیں پہلی روایت جو امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہے کہ قاتل سے قصاص لیا نہیں جائے گا۔ دوسری ظاہر الروایۃ ہے کہ قصاص لیا جائے گا اور یہی صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ اگر زخمی کیا ہو تو قصاص واجب ہوگا۔ یہی امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اصح روایت ہے۔ [درمختار: ۶/۵۴۲]

عبارت میں تسامح:

موجودہ نسخے میں یہ عبارت ہے۔ **فلا قصاص عند ابی حنیفة و عند وجوب القصاص نظر الی الالة و عنه انه یجب اذا جرح و عندهما و عند الشافعی یجب** ''لیکن صحیح عبارت یوں ہے۔ ''فلا قصاص عند ابی حنیفۃ وعنہ وجوب القصاص'' یعنی ''عند وجوب'' کے بجائے ''عنہ وجوب'' ہے۔

اور اگر پھاوڑی کے دستے سے مارا ہو تو اگر چوٹ ایسی ہو جس کی انسان طاقت رکھتا ہو تو قصاص نہیں لیا جائے گا اور اگر انسان اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو قصاص لیا جائے گا یہ تفصیل صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب پر ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شبہ عمد ہے لہٰذا قصاص نہیں ہے۔ البتہ اس صورت میں مزید تفصیل ہے جو ''ھدایہ'' اور دیگر کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ [من شاء فلیراجعه]

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''**او مثقل او خنق** ...... سے مزید چار صورتیں بیان کی ہیں جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص نہیں ہے۔ پہلی یہ ہے کہ ایک شخص کو کسی نے بھاری شئی سے قتل کر دیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شبہ عمد ہے۔ لہٰذا قصاص نہیں ہے جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص ہے۔

دوسری صورت گلا گھونٹنے کی ہے یعنی ایک شخص کو کسی نے گلا گھونٹ کر قتل کر دیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص واجب نہیں ہے جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص واجب ہے بشرطیکہ اس نے مرنے تک مسلسل گلا دبایا ہو اچناں چہ اگر قاتل نے مرنے سے قبل گلا چھوڑ دیا تھا تو اب دیکھا جائے گا اگر اس نے اتنی دیر گلا دبایا تھا جس سے عموماً انسان مرجاتا ہے تو صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص واجب ہوگا ورنہ اجماعاً قصاص واجب نہ ہوگا۔ [شامی: ۶/۵۴۳]

تیسری صورت پانی میں ڈبو کر قتل کرنے کی ہے اس میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص نہیں ہے جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص لیا جائے گا بشرطیکہ پانی اتنا زیادہ ہو جس سے نجات پانا ممکن نہ ہو چناں چہ اگر پانی تھوڑا ہو یا اس سے نجات پانا ممکن ہو تو قصاص واجب نہ ہوگا۔ [شامی: ۶/۵۴۳]

چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو پے در پے کوڑے مارے یہاں تک کہ وہ مرگیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص واجب نہیں ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص واجب ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب میں تفصیل ہے اگر ایک کوڑے سے مرگیا تو قصاص نہیں ہے اور اگر پے در پے کوڑے مارے تو قصاص ہے۔ [تقریرات الرافعی: ۶/۳۲۴]

و فی موت ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے خودکشی کی کوشش کی اور اس کو زید نے بھی مارا اور اس پر درندے نے حملہ کیا اور اس کو سانپ نے ڈسا پھر وہ مرگیا تو اب دیت کا ثلث زید پر واجب ہے کیوں کہ اس شخص کی موت تین افعال سے ہوئی ہے۔ درندے اور سانپ کا فعل دینا و آخرت میں ہدر ہے۔ لہٰذا یہ دونوں ایک جنس کے ہیں اور خودکشی کرنا دنیا میں ہدر ہے البتہ آخرت میں مواخذہ ہوگا چناں چہ یہ دوسری جنس کا فعل ہے اور زید کا فعل دنیا اور آخرت میں قابل مواخذہ ہے۔ لہٰذا یہ دوسری جنس کا فعل ہے پس یہ شخص تین مختلف جنسوں کے افعال سے مرا ہے۔ لہٰذا زید پر دیت کا ثلث واجب ہوگا۔

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کا اعتراض:

اقول ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول "ثلث الدیۃ علی زید" پر اعتراض کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مقتول کی موت میں کل چار ذوات کے افعال موثر ہیں۔ (۱) مقتول کا ذاتی فعل۔ (۲) زید کا فعل۔ (۳) درندے کا فعل۔ (۴) سانپ کا فعل اور ان چاروں کے فعل کی وجہ سے مقتول کی موت واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا ہر ایک کا فعل موت میں موثر ہے جب ہر ایک کا فعل موثر ہے تو سانپ اور درندے کا فعل بھی تاثیر میں الگ الگ شمار ہوگا اگرچہ سانپ اور درندے کا فعل ہدر ہونے میں متحد ہے۔ چناں چہ جب موت میں کل چار افعال موثر ہیں تو دیت کے چار حصے ہوں گے۔ لہٰذا زید پر ربع دیت لازم ہونی چاہیے نہ کہ ثلث دیت۔
[ذخیرۃ العقبیٰ: ۴/۶۰۳]

عبارت:

یجب قتل من شهر فما الاحتیاج الی قوله لا شئی بقتله قلت یحتمل ان یجب قتله دفعًا للشرو مع ذلک یجب بقتله شئی و لا فی من شهر سلاحا علی رجل لیلا او نهارا فی مصر او فی غیره او شهر علیه عصا لیلا فی مصر او نهارا فی غیره فقتله المشهود علیه السلاح اذا شهره فلا شئی بقتله مطلقا لانه غیر ملبث و العصا اذا شهره لیلا فی مصرا ونهارا فی غیره فلا شئی بقتله ایضا لانه وا ان کان ملبثا ففی اللیل فی المصر لا یلحقه الغوث و کذا فی النهار فی غیر المصر و لا علی من تبع سارقه المخرج سرقته لیلا فقتله هذا اذا لم یتمکن من الاسترداد الابالقتل لقوله علیه السلام قاتل دون مالک و کذا اذا قتله قبل الاخذ اذا قصد اخذ ماله و لا یتمکن من دفعه الا بالقتل و کذا اذا دخل رجل دار رجل بالسلاح فغلب علی ظن صاحب الدار انه جاء لقتله یحل قتله و قتل بقتل من شهر عصا نهارا فی مصر فان العصا ملبث والظاهر لحوق الغوث نهارا فی المصر فلا یفضی الی القتل غالباً خلافًا لهما و یقتل من شهر سیفا فضرب و لم یقتل فرجع فقتله اٰخر فانه اذا ضرب و لم یقتل و رجع

عادت عصمته فاذا قتله اٰخر فقد قتل معصوما فعلیه القصاص۔

ترجمہ:

اور اس شخص کو قتل کرنا واجب ہے جو مسلمانوں پر تلوار نکالے اور اس کو قتل کرنے کی وجہ سے کچھ لازم نہ ہوگا۔ پس اگر تو کہے جب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اس شخص کو قتل کرنا واجب ہے جو تلوار نکالے'' تو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی کیا ضرورت ہے کہ ''اس کے قتل سے کوئی شئی لازم نہ ہوگی'' میں کہتا ہوں اس بات کا احتمال ہے کہ اس کو قتل کرنا شر دور کرنے کے لیے واجب ہو اور اس کے ساتھ اس کو قتل کرنے کی وجہ سے کچھ لازم ہو اور نہ اس شخص کو قتل کرنے سے کچھ لازم ہوگا جس نے کسی آدمی پر رات کو یا دن کو شہر یا غیر شہر میں ہتھیار نکالا یا اس نے کسی آدمی پر شہر میں رات کو لاٹھی نکالی یا شہر کے علاوہ دن کو لاٹھی نکالی پھر مشہود علیہ نے اس کو قتل کر دیا، ہتھیار کو جب کوئی شخص نکالے تو اس کے قتل کی وجہ سے مطلقاً کوئی شئی واجب نہ ہوگی اس لیے کہ ہتھیار ملبث نہیں ہے اور لاٹھی کو شہر میں رات کو نکالے یا شہر کے علاوہ دن کو نکالے تو بھی اس کے قتل کی وجہ سے کوئی شئی لازم نہ ہوگی اس لیے کہ لاٹھی اگر چہ ملبث ہے پس شہر میں رات کو مدد نہیں ملے گی اور اسی طرح شہر کے علاوہ دن میں مدد نہیں ملے گی اور نہ اس شخص پر کچھ واجب ہے جو اس چور کا پیچھا کرے جس نے چوری رات کو نکالی پس اس شخص نے چور کو قتل کر دیا یہ اس وقت ہے جب واپسی پر قتل سے ہی قادر ہو کیوں کہ آپ علیہ السلام ''**قاتل دون مالک**'' اور اسی طرح جب اس کو مال لینے سے قبل قتل کر دیا جب کہ اس نے مال لینے کا ارادہ کیا ہو اور وہ اس کو دفع کرنے پر صرف قتل کرنے سے قادر ہو اور اسی طرح جب ایک آدمی گھر میں ہتھیار لے کر داخل ہوا اور گھر والے کو غالب گمان ہوا کہ یہ اس کو قتل کرنے کے لیے آیا ہے تو اس کو قتل کرنا حلال ہے اور اس شخص کو قتل کرنے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جس نے شہر میں دن کے وقت لاٹھی نکالی ہو کیوں کہ لاٹھی ملبث ہے اور ظاہراً شہر میں دن کے وقت مدد ملے گی۔ پس یہ قتل کی طرف غالباً نہیں لے جاتا برخلاف صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہے اور اس شخص کو قتل کیا جائے گا جس نے تلوار نکالی پھر مارا اور قتل نہیں کیا پھر لوٹ آیا پھر اس کو دوسرے نے قتل کیا کیوں کہ جب اس نے مارا اور قتل نہیں کیا اور لوٹ آیا تو مضروب کی عصمت لوٹ آئی پس جب اس کو دوسرے نے قتل کیا تحقیق اس نے معصوم انسان کو قتل کیا چناں چہ اس پر قصاص ہے۔

تشریح:

یجب قتل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک شخص مسلمانوں پر تلوار سونت لے تو اسی وقت (یعنی تلوار سونتنے کیوقت) اس کے شہر سے مسلمانوں کو بچایا جائے اب اگر دفعِ شر قتل کے بغیر ممکن ہو تو قتل کیے بغیر دفعِ شر کیا جائے اور اگر دفعِ شر قتل کے بغیر ممکن نہ ہو تب اس کو قتل کر دیا جائے اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچایا جائے۔

اعتراض:

فان قتل ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت پر ہونے والے اعتراض اور اس کا جواب ذکر کر رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ جب ایسے شخص کو قتل کرنا واجب ہے تو ''**و لا شئی بقتله**'' کیوں کہا گیا کیوں کہ واجب کے ادا کرنے سے کچھ لازم نہیں ہوتا۔

جواب:

قتل یحتمل ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس شخص کے شر کو دفع کرنا واجب ہے اب دفعِ شر

قتل سے بھی ہوسکتا ہے اور قتل کیے بغیر بھی ہوسکتا ہے یعنی اس شخص کی سزا قتل متعین نہیں ہے جب اس کی سزا قتل معین نہیں ہے تو کسی کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ جب قتل معین نہیں ہے تو اس کو قتل کرنے سے ضمان لازم ہونا چاہیے چناں چہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''و لا شئی بقتلہ'' کے ذریعے اس شبہے کا ازالہ فرمادیا کہ اس کے قتل سے کچھ لازم نہ ہوگا یعنی جب اس بات کا احتمال ہے کہ اس کا وجوبِ قتل دفعِ شر کے لیے ہے اور دفعِ شر کی وجہ سے قتل کرنے سے ضمان لازم ہونی چاہیے تو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے قتل سے کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔ [شامی]

و لا فی من ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ دوصورتیں بیان کررہے ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو مارنے کے لیے ہتھیار نکالا پھر اس کو اسی شخص نے جس پر ہتھیار نکالا تھا قتل کردیا تو اب قاتل پر کچھ واجب نہیں ہے۔ خواہ مقتول نے ہتھیار دن کو نکالا تھا یا رات کو نکالا شہر تھا یا غیر شہر تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی پر شہر میں رات کو یا شہر کے علاوہ دن کو مارنے کے لیے لاٹھی نکالی پھر مشہور علیہ نے شاہر کو قتل کردیا تو اب مشہور علیہ پر کچھ واجب نہیں ہے۔

اب ان دونوں صورتوں کے حکم میں فرق کیوں ہے کہ ہتھیار خواہ شہر میں نکالے یا غیر شہر میں نکالے دن کو نکالے یا رات کو نکالے ہر صورت میں ایک حکم ہے جب کہ لاٹھی میں تفصیل ہے، اس کو شارح رحمہ اللہ تعالیٰ **السلاح اذا** ...... سے بیان کررہے ہیں کہ جب کسی پر ہتھیار نکالا تو اب شاہر کو قتل کرنے کی وجہ سے کچھ لازم نہ ہوگا کیوں کہ ہتھیار ایسی شئی ہے جس سے قتل کرنے میں تاخیر نہیں ہوتی۔ ہتھیار کے غیر ملبث ہونے کا یہی مطلب ہے جب اس میں تاخیر نہیں ہوتی پس شاہر کو دفع کرنا قتل سے ممکن ہے اور لاٹھی کے ساتھ قتل کرنے میں تاخیر ہوتی ہے لیکن جب لاٹھی شہر میں رات کو یا شہر کے علاوہ دن میں نکالی تو اب مشہور علیہ کی کوئی مدد نہیں کرے گا چناں چہ یہاں شاہر کو دور کرنا قتل سے ہی ممکن ہے۔

و لا علی من ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص کے گھر میں چور داخل ہوا اور وہ سامان چوری کرکے نکلا گھر کا مالک بھی اس کے پیچھے ہولیا اور اس چور کو قتل کردیا تو اب مالک پر کچھ لازم نہیں ہے۔ یہ اس وقت ہے جب اپنا سامان چور سے اس کو قتل کے بغیر لینا ممکن نہ ہو چور کو قتل کرنے کی وجہ سے کچھ لازم نہیں ہے اس کی دلیل آپ علیہ السلام کا یہ فرمان ہے ''**قاتل دون مالک**'' کہ تم اپنے مال کی وجہ سے قتل کردو اور اسی طرح اگر ایک چور گھر میں داخل ہوا اور چور کا سامان لینے کا ارادہ تھا اور اس چور کا بھگانا ممکن نہیں ہے تو اس کو قتل کرنے سے کچھ واجب نہ ہوگا اور اسی طرح اگر ایک شخص گھر میں گھر والے کو قتل کرنے کی نیت سے داخل ہوا تو گھر والے کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

عبارت:

و یجب الدیۃ بقتل مجنون او صبی شہر سیفا علی رجل فقتلہ ہو ای المشہور علیہ عمدا فی مالہ ای یجب الدیۃ فی مالہ لان العاقلۃ لا یتحمل العمد و القیمۃ ای یجب القیمۃ فی قتل جمل صال علیہ ہذا عندنا لانہ قتل شخصاً معصوماً و اتلف مالا معصوما لان فعل الصبی والمجنون والدابۃ لا یسقط العصمۃ و انما لایجب القصاص لوجود المبیح و ہو دفع الشر و عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یجب الضمان فی الدابۃ لا فی الصبی والمجنون لان عصمتہما لحقہما فتسقط بفعلہما وعصمۃ الدابۃ لحق صاحبہا فلا یسقط بفعلہا و عند

الشافعی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ لا یجب الضمان فی شئی اصلا لانہ قتل لدفع الشر کما فی العاقل البالغ۔

ترجمہ:

اور ایسے مجنون یا بچے کو قتل کرنے سے دیت واجب ہوگی جس نے کسی آدمی پر تلوار نکالی اور مشہور علیہ نے بچے یا مجنون کو عمداً قتل کر دیا اس کے مال میں یعنی دیت اس کے مال میں واجب ہوگی اس لیے کہ عاقلہ عمد کو برداشت نہیں کرتی اور اس اونٹ کو قتل کرنے سے قیمت واجب ہوگی جس نے کسی پر حملہ کیا ہو یہ ہمارے نزدیک ہے اس لیے کہ اس نے معصوم شخص اور مال معصوم کو ضائع کیا ہے کیوں بچے اور مجنون اور جانور کا فعل عصمت کو ساقط نہیں کرتا اور سوائے اس کے نہیں کہ قصاص مبیح پائے جانے کی وجہ سے واجب نہیں ہے اور وہ شر کو دور کرنا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جانور کی صورت میں ضمان واجب ہے نہ کہ بچے اور مجنون کی صورت میں اس لیے کہ ان دونوں کی عصمت ان دونوں کے حق کی وجہ سے ہے چناں چہ ان دونوں کے فعل سے ساقط ہو جائے گی اور جانور کی عصمت جانور والے کے حق کی وجہ سے ہے چناں چہ جانور کے فعل سے ساقط نہ ہوگی اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی شئی میں بالکل ضمان واجب نہیں ہے اس لیے کہ اس نے شر دور کرنے کے لیے قتل کیا ہے جیسا کہ عاقل بالغ کی صورت میں ہے۔

تشریح:

ویجب الدیۃ ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر مجنون یا بچے یا کسی شخص پر ہتھیار سونتا اور اس شخص نے مجنون یا بچے کو قتل کر دیا تو اب قاتل کے مال سے دیت دی جائے گی اور اسی طرح اگر کسی جانور نے ایک شخص پر حملہ کر دیا اور اس شخص نے جانور کو قتل کر دیا تو اب اس جانور کی قیمت دے گا یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف جانور کی قیمت واجب ہوگی اور مجنون یا بچے کی دیت واجب نہ ہوگی اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کی ضمان واجب نہ ہوگی نہ جانور کی نہ بچے کی نہ مجنون کی۔

طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لانہ قتل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کر رہے ہیں کہ اس شخص نے معصوم شخص یعنی مجنون یا بچے کو قتل کیا ہے یا اس نے مال معصوم ضائع کیا ہے اب رہی یہ بات کہ بچہ اور مجنون معصوم کیوں ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے فعل سے ان کی عصمت ساقط نہیں ہوئی جب عصمت ساقط نہیں ہوئی تو ان کے قتل کی وجہ سے دیت واجب ہوگی لیکن قصاص واجب نہ ہوگا کیوں کہ مبیح (یعنی شر کو دور کرنا) موجود ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

وعن ابی یوسف ...... سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کر رہے ہیں کہ جانور معصوم ہے اور بچہ یا مجنون معصوم نہیں ہیں کیوں کہ ان دونوں کی عصمت ان کے حق کی وجہ سے تھی اور ان دونوں کے فعل سے ان کی عصمت ساقط ہوگئی جب یہ دونوں معصوم نہیں ہیں تو ان کے قتل سے دیت واجب نہ ہوگی اور جانور کی عصمت جانور کے مالک کے حق کی وجہ سے تھی اور جانور کے فعل سے اس کے مالک کا حق ساقط نہ ہوگا جب حق ساقط نہ ہوگا تو یہ معصوم ہے اور مالِ معصوم کو ضائع کرنے سے تاوان لازم ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لانـہ قتل ...... سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل دے رہے ہیں کہ ان تینوں (مجنون، بچہ، جانور) میں سے ہر ایک کو اس شخص نے شر دور کرنے کے لیے قتل کیا ہے چناں چہ اس پر تاوان لازم نہیں ہے جس طرح عاقل بالغ شاہر کو قتل کرنے سے کچھ لازم نہیں ہوتا۔

......☆☆☆☆☆......

باب القود فیما دون النفس

عبارت:

هو فيما يمكن حفظ اللمماثلة فقط فيقتص قاطع اليد عمداً من المفصل انما قال من المفصل احترازا مما اذا قطع من نصف الساعدا و من نصف الساق اذ لا يمكن حفظ المماثلة و ان كانت يده اكبر مما قطع كالرجل و مارن الانف فان الرجل اذاقطعت من المفصل يجب القصاص و في مارن الانف يجب القصاص لا في قصبة الانف لانه لا يمكن فيها حفظ المماثلة و الاذن والعين اذا ضربت فذهب ضؤها و هي قائمه فيجعل على وجهه قطن رطب و يقابل عينه بمرأة محماة و لو قلعت لا اذ في القلع لا يمكن رعاية المماثلة و كل شجة تراعى فيها المماثلة كالموضحة و هي ان يظهر العظم و لا قود في عظم الا في السن فيقلع ان قلعت و تبرد ان كسرت و لا بين رجل و امراة و بين حرو عبد و بين عبدين في الطرف هذا عندنا و عند الشافعي رحمه الله تعالیٰ يجب القصاص الا اذا قطع الحر طرف العبد فانه لا قصاص عنده ايضا و انما لا يجرى القصاص عندنا لان الاطراف يسلك بها مسلك الاموال فينعدم المماثلة بالتفاوت في القيمة و لا في قطع يد من نصف الساعد و جائفة برئت فان الجائفة اذا برت لا يجرى فيها القصاص لان البرء فيها نادر فالظاهر ان الثاني يفضى الى الهلاك اما اذا لم تبرأ فان كانت ساريه يجب القصاص و ان لم تسر بعد لا يقتص الى ان يظهر الحال من البرأ و السراية واللسان و الذكرا لا ان يقطع الحشفة هذا عندنا لان الانقباض والانبساط يجرى فيها فلا تراعى المماثلة و عن ابى يوسف رحمه الله تعالیٰ ان كان القطع من الاصل يقتص و طرف المسلم والذمى سواء و خير المجنى عليه ان كانت يد القاطع شلاء او ناقصة باصبع او الشجة لا تستوعب ما بين قرنى الشاج و استوعب ما بين قرنى المشجوع اى شج رجل رجلاً موضحة حتى وجب القصاص و الشج طولها مقدار شبر مثلاً و راس المشجوج صغير استوعب الشجة ما بين قرينه و راس الشاج عظيم لا تستوعب الشجة و هى شبر ما بين قرينه فالشين الذى لحق المشجوج اكثر مما يلحق الشاج فالمشجوج بالخيار ان شاء اقتص و ان شاء اخذ الارش۔

ترجمہ:

قصاص فقط اس میں ہے جس میں مماثلت کی حفاظت ممکن ہے چناں چہ جوڑ سے عمداً ہاتھ کاٹنے والے سے قصاص لیا جائے گا سوائے

اس کے نہیں ''من المفصل'' کہا اس صورت سے احتراز کرنا ہے جب اس شخص نے نصف بازو سے یا نصف پنڈلی سے کاٹا ہو اس لیے کہ مماثلث کی حفاظت ممکن نہیں ہے اگر چہ قاطع کا ہاتھ اس ہاتھ سے بڑا ہو جس کو کاٹا گیا ہے جیسے ٹانگ اور ناک کا کنارہ کیوں کہ ٹانگ جب جوڑ سے کاٹی گئی تو قصاص واجب ہوگا اور ناک کے کنارے میں قصاص واجب ہے نہ کہ ناک کے بانسے میں اس لیے کہ اس میں مماثلت کی حفاظت ممکن نہیں ہے اور کان اور آنکھ کو جب مارا گیا پھر آنکھ کی روشنی چلی گئی دراں حالکہ وہ موجود رہی چناں چہ مارنے والے کے چہرے پر تر روئی رکھی جائے اور اس کی آنکھ کے مقابل گرم شیشہ کیا جائے اور اگر آنکھ نکال دی گئی تو قصاص نہیں ہے اس لیے کہ اکھاڑنے میں مماثلت کی رعایت ممکن نہیں ہے اور سَو کے ہر اس زخم میں قصاص ہے جس میں مماثلت کی رعایت کی جاسکتی ہے جیسے موضحہ اور وہ یہ ہے کہ ہڈی ظاہر ہو جائے اور ہڈی میں سوائے دانت کے قصاص نہیں ہے چناں چہ دانت اکھاڑا جائے گا اگر اکھاڑا گیا اور ریتی سے رگڑا جائے گا اگر توڑ دیا گیا ہو اور مرد اور عورت اور آزاد اور غلام اور دو غلاموں کے درمیان عضوء میں قصاص نہیں ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص واجب ہے البتہ جب آزاد غلام کا عضوء کاٹ دے تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قصاص نہیں ہے اور سوائے اس کے نہیں کہ ہمارے نزدیک قصاص ہے اس لیے کہ اعضاء اموال کے مرتبے میں ہیں چناں چہ قیمت میں تفاوت کی وجہ سے مماثلت مقدم ہے اور نصف بازو سے کم ہاتھ کاٹنے میں اور اس پیٹ کے زخم میں جو ٹھیک ہو جائے قصاص نہیں ہے کیوں کہ پیٹ کا زخم جب ٹھیک ہو جائے تو اس میں قصاص جاری نہیں ہوتا اس لیے کہ اس میں ٹھیک ہونا نادر ہے۔ چناں چہ ظاہر یہ ہے کہ ثانی ہلاکت کی طرف لے جائے گا بہر حال جب وہ ٹھیک نہ ہو پس اگر جاری ہو تو قصاص واجب ہے اور اگر بعد میں جاری نہ رہا تو قصاص نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ ٹھیک ہونے یا جاری ہونے کا حال ظاہر ہو جائے اور زبان اور ذَکر میں قصاص نہیں ہے مگر یہ کہ حشفہ کاٹ دیا جائے یہ ہمارے نزدیک ہے اس لیے کہ انقباض اور انبساط ان دونوں میں جاری ہوتا ہے چناں چہ مماثلت کی رعایت نہیں کی جاسکتی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اگر جڑ سے کاٹا پایا گیا ہو تو قصاص لیا جائے گا اور مسلمان اور ذمی کا عضوء برابر ہے اور جس پر جنایت کی گئی ہے اس کو اختیار دیا جائے گا اگر قاطع کا ہاتھ شل یا ایک انگلی کی وجہ سے ناقص ہو یا سر کا زخم شاج (سر پر زخم لگانے والا) کے دونوں قرنوں (انسانی سر کا وہ حصہ جہاں جانور کے سینگ نکلتے ہیں) کے درمیانی مقام کو نہ گھیرے یعنی ایک شخص نے ایک آدمی کے سر میں موضحہ زخم لگایا لہٰذا قصاص واجب ہوگا اور سر کے زخم کی لمبائی مثال کے طور پر ایک بالشت کی مقدار ہے اور مشوج کا سر چھوٹا ہے کہ زخم نے اس کے دونوں قرنوں کے مابین کو گھیرا ہوا ہے اور شاج کا سر بڑا ہے جس کو زخم نہیں گھیرتا اور وہ اس کے دونوں قرنوں کے درمیان ایک بالشت ہے پس وہ عیب جو مشوج کو لاحق ہوا ہے اس سے زیادہ بڑا ہے جو شاج کو لاحق ہوگا۔ لہٰذا مشوج کو اختیار ہے اگر چاہے تو قصاص لے لے اور اگر چاہے تو دیت لے لے۔

تشریح:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نفس کے قصاص کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اعضاء کے قصاص کا حکم بیان کر رہے ہیں۔

هو فيما يمكن...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ اصول بیان کر رہے ہیں کہ عضوء کا قصاص اسی وقت لیا جائے گا جب مماثلت ممکن ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ زخم ٹھیک ہونے کے بعد قصاص لیا جائے گا۔ اسی اصول پر تفریع بیان کرتے ہوئے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جوڑ سے جان بوجھ کر ہاتھ کاٹنے والے کا ہاتھ قصاصاً کاٹا جائے گا کیوں کہ جوڑ سے کاٹنے کی صورت میں مماثلت ممکن ہے اس لیے اگر کسی نے نصف بازو یا نصف پنڈلی سے کاٹا (اس سے مراد جوڑ کے علاوہ جگہ سے کاٹنا ہے) تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا چوں کہ

مماثلت ممکن نہیں ہے پس جب جوڑ سے ہاتھ کاٹا جائے اسی وقت قصاص لیا جائے خواہ قاطع کا ہاتھ مقطوع کے ہاتھ سے بڑا ہوا اور یہی حکم پاؤں کا ہے یعنی جب ایک شخص نے کسی کا پاؤں جوڑ سے کاٹ دیا تو قاطع کا پاؤں بطور قصاص کاٹا جائے گا اور یہی حکم ناک کے نرم حصے یعنی کنارے کا ہے اور اگر قاطع کا ناک مقطوع کے ناک سے چھوٹا ہو تو مقطوع کو اختیار دیا جائے گا چاہے قصاص لے لے چاہے دیت لے لے۔ البتہ ناک کا بانسہ کاٹنے کی صورت میں قصاص نہیں ہے کیوں کہ اس میں مماثلت ممکن نہیں ہے اور یہی حکم کان کا ہے خواہ سارا کان کاٹا گیا ہو یا بعض کان کاٹا گیا ہو لیکن اس میں مماثلت ممکن ہو ورنہ قصاص ساقط ہو جائے گا اور یہی حکم آنکھ ہے جب کسی کے مارنے سے اس کی روشنی چلی گئی البتہ آنکھ اپنی جگہ موجود رہی تو قصاص لیا جائے گا۔ یہ مسئلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا آپ نے حضرات صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا لیکن انہوں نے اس بارے میں کوئی جواب نہ دیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور قصاص کا فیصلہ کیا اور یہ طریقہ بیان فرمایا کہ مارنے والے کے چہرے پر تر روئی رکھی جائے اور اس کے مقابل گرم آئینہ کیا جائے جس سے اس کی روشنی چلی جائے گی۔ چناں چہ اس پر حضرات صحابہ کرام کا اتفاق ہو گیا کسی نے انکار نہ کیا البتہ اگر آنکھ اکھاڑ دی گئی ہو تو قصاص نہیں ہے کیوں کہ مماثلت ممکن نہیں ہے اور یہی حکم سر کے ہر اس زخم کا ہے جس میں مماثلت ممکن ہے جیسے موضحہ جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے۔

[شامی:۶/۵۵۱]

ولا قود ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کی ہڈی توڑ دی تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیوں کہ مماثلت ممکن نہیں ہے البتہ دانت توڑنے کی صورت میں قصاص لیا جائے گا چناں چہ دانت اکھاڑا ہو تو اکھاڑنے والے کا دانت اکھاڑا جائے گا اور اگر دانت توڑا ہو تو توڑنے والے کا دانت ریتی سے رگڑا جائے گا اور یہاں "السن" میں الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے اصلی دانت مراد ہے لہٰذا اگر کسی نے دوسرے کا زائد دانت توڑ دیا تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ [شامی:۶/۵۵۲]

و لا بین رجل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی تین صورتیں بیان کر رہے ہیں جن میں قصاص نہیں ہے پہلی صورت یہ ہے کہ اگر مرد نے عورت کا یا عورت نے مرد کا کوئی عضو کاٹ دیا دوسری صورت یہ ہے کہ آزاد نے غلام کا یا غلام نے آزاد کا عضو کاٹ دیا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ایک غلام نے دوسرے غلام کا عضو کاٹ دیا۔ احناف کے نزدیک تینوں صورتوں میں قصاص نہیں ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص لیا جائے گا البتہ اگر آزاد نے غلام کا عضو کاٹ دیا تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔

احناف کی دلیل:

لان الاطراف ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ احناف کی دلیل نقل کر رہے ہیں کہ اعضاء و جوارح اموال کے مرتبے میں ہیں اور ان صورتوں میں ایک کے اعضاء دوسرے کے مماثل نہیں ہیں کیوں کہ قیمت میں تفاوت ہے۔

ولا فی قطع ...... یعنی اگر ایک شخص نے کسی کا ہاتھ نصف بازو سے کاٹ دیا تو کاٹنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اسی طرح جائفہ (وہ زخم جو سینے یا پیٹھ پر لگے اور پیٹ تک پہنچ جائے) زخم جب ٹھیک ہو جائے تو قصاص نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ یہ ایسا زخم ہے جو عموماً ٹھیک نہیں ہوتا پس اگر قصاص لیا جائے تو ممکن ہے اس کا زخم ٹھیک نہ ہو اور مر جائے چناں چہ یہ زیادتی ہو جائے گی لہٰذا جائفہ زخم ٹھیک ہونے کے بعد قصاص نہیں ہے اور اگر زخم ٹھیک نہ ہوا ہو تو اب اگر وہ جاری ہو تو قصاص واجب ہے اور اگر جاری نہ ہو تو انتظار کیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ جاری ہے یا ٹھیک ہے۔

وخیر المجنی ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ہاتھ کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہو یا اس کی انگلی نہ ہو تو ایسی

صورت میں مقطوع کو اختیار ہے خواہ قصاصا اس کا ہاتھ کاٹے یا دیت لے لے یہ اس وقت ہے جب قاطع کا ہاتھ شل یا انگلی کا کم ہونا دوسرے کے ہاتھ کے کاٹتے وقت بھی ہو چناں چہ اگر قاطع کا ہاتھ جنایت کے وقت صحیح تھا اور جنایت کے بعد شل ہو گیا یا اس کی انگلی کٹ گئی تو اب مقطوع کو دیت لینے کا اختیار نہیں ہے کیوں کہ اس کا حق ہاتھ میں تھا۔ [شامی: ۶/۵۵۵]

اسی طرح اگر ایک شخص نے دوسرے کے سر میں زخم لگایا اور وہ زخم ایسا ہے جو زخم مارنے والے کے سر کے دونوں قرنوں (قرن انسانی سر کا وہ مقام ہے جس جگہ جانور کے سینگ ہوتے ہیں) کے مابین مقام کو نہیں گھیرتا اور جس کے زخم لگایا گیا ہے اس کے سر کے دونوں قرنوں کے مابین مقام کو زخم نے گھیرا ہوا ہے یعنی زخم مارنے والے کا سر بڑا ہے اور زخم لگنے والے کا سر چھوٹا ہے چناں چہ زخم لگنے والے کو جو عیب لگا ہے وہ زخم مارنے والے کو لگنے والے عیب سے بڑا ہے۔ لہٰذا زخم لگنے والے کو اختیار ہے اگر چاہے قصاص لے لے اور اگر چاہے دیت لے لے۔

عبارت:

و یسقط القود بموت القاتل و بعفو الاولیاء و بصلحهم علی مال قل اوجل و یجب حالا ای لم یذکر الحلول و التاجیل یجب حالاً و لا یکون کالدیة موجلا و بصلح احدهم و بعفوه و لمن بقی حصته من الدیة ای لمن بقی من الورثة فان القصاص و الدیة حق جمیع الورثة عندنا خلافا لمالک والشافعی رحمهما اللّٰه تعالیٰ فی الزوجین فان صالح بالف و کیل سید عبد و حر قتلا فالصلح عن دمهما بنصف ای ان کان القاتل حراو عبدا فامر الحر و مولیٰ العبد رجلا بان یصالح من دمهما علی الف ففعل فالالف علی الحر و المولی نصفان و یقتل جمع بفرد و بالعکس اکتفاء ان حضرو لهم ای یقتل فرد بجمع و یکتفی بقتله ولا شئی لا ولیائهم غیر ذلک خلافا للشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ فان عنده یقتل للاول و یجب للباقین المال و ان لم یدر الاول قتل جمیعا لهم و قسم الدیات بینهم و قیل یقرع فیقتل لمن خرجت قرعته و ان حضرو احد قتل له و سقط حق البقیة ای ان حضر ولی واحدة قتل له و سقط حق الباقین عندنا و لا یقطع یدان بید و ان امر اسکینا علی ید فقطعت وضمنا دیتها هذا عندنا و عند الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ اذا اخذ رجلان سکینا وامراه علی ید اٰخر تقطع یدهما اعتبارا بالنفس و لنا ان الانقطاع وقع باعتماد هما والمحل متجز فیضاف الی کل واحد البعض بخلاف النفس فان هو الروح غیر متجز و ان قطع رجل یمینی رجلین فلهما یمینه و دیة ید فان حضر احدهما و قطع فللاٰخر الدیة هذا عندنا سواء قطعهما علی التعاقب او معًا و عند الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ فی التعاقب یقطع بالاول و فی القران یقرع و یقاد عبدا قربقود هذا عندنا لانه غیر متهم فیه لانه مضر به و لانه مبقی علی اصل الحریة فی حق الدم و عند زفر رحمه اللّٰه تعالیٰ لا یصح اقراره کما فی المال لملاقاته حق المولی و من رمی رجلاً عمداً فنفذ السهم الی اٰخر فما تایقتص للاول و علی عاقلته الدیة للثانی لان الاول عمد و الثانی خطاء۔

ترجمہ:

اور قصاص قاتل کی موت اور اولیاء کے معاف کرنے اور ان کے مال پر صلح کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے (خواہ صلح) کم یا زیادہ مال پر ہو

اور وہ نقداً واجب ہوگا یعنی جب حلول اور تاجیل کا ذکر نہیں کیا گیا تو مال نقداً ہوگا اور دیت کی طرح مؤجل نہیں ہوگا اور ان میں سے ایک فرد کے صلح کرنے اور اس کے معاف کرنے سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور بقیہ افراد کے لیے دیت میں سے حصہ ہوگا یعنی بقیہ ورثہ کے لیے کیوں کہ قصاص اور دیت ہمارے نزدیک تمام ورثہ کا حصہ ہے۔ بَرخلاف امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زوجین کے بارے میں ہے اور اگر ہزار کے بدلے اس غلام کے آقا کے وکیل نے اور آزاد کے وکیل نے صلح کی جن دونوں (آزاد اور غلام) نے قتل کیا تھا تو صلح ان دونوں کے خون کی طرف سے نصف کے بدلے ہوگی یعنی اگر قاتل آزاد اور غلام تھے پھر آزاد اور غلام کے آقا نے کسی شخص کو اس کا حکم دیا کہ وہ ان دونوں کے خون کی طرف سے ہزار پر صلح کرے پھر اس نے یہ کیا تو ہزار آزاد اور آقا پر نصف نصف ہوں گے اور جماعت کو ایک فرد کے بدلے قتل کیا جائے گا اور عکس کی صورت میں اکتفاءً ایک فرد کو اولیاء کے لیے قتل کیا جائے گا اگر وہ حاضر ہوں یعنی ایک فرد کو جماعت کے بدلے قتل کیا جائے گا اور اس کے قتل پر اکتفاء کیا جائے گا اور ان کے اولیاء کے لیے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے بَرخلاف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے کیوں کہ ان کے نزدیک قاتل کو پہلے کے لیے قتل کیا جائے گا اور باقیوں کے لیے مال واجب ہوگا اور اگر پہلا معلوم نہ ہو تو اس کو ان تمام کے لیے قتل کیا جائے گا اور دیات کو ان کے مابین تقسیم کیا جائے گا اور کہا گیا ہے کہ قرعہ ڈالا جائے گا چناں چہ جس شخص کے لیے قرعہ نکلے اس کے لیے قتل کیا جائے گا اور اگر ایک فرد حاضر ہوا تو اس کے لیے قتل کیا جائے گا اور بقیہ کا حق ساقط ہو جائے گا یعنی اگر ایک ولی حاضر ہوا تو اس کے لیے قتل کیا جائے گا اور باقیوں کا حق ہمارے نزدیک ساقط ہو جائے گا اور دو ہاتھ ایک ہاتھ کے بدلے نہیں کاٹے جائیں گے اور اگر دو شخصوں نے ایک ہاتھ پر چھری پھیری چناں چہ وہ کٹ گیا تو وہ اس کی دیت کے ضامن ہوں گے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب دو آدمیوں نے ایک چھری لی اور اس کو دوسرے کے ہاتھ پر پھیرا تو ان دونوں کا ہاتھ نفس پر قیاس کرتے ہوئے کاٹا جائے گا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ کٹنا ان دونوں کے سہارے سے واقع ہوا ہے اور محل متجزی ہے چناں چہ ہر ایک کی طرف بعض کی نسبت کی جائے گی بَرخلاف نفس کے ہے کیوں کہ روح کا چلے جانا غیر متجزی ہے اور اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کے دونوں دائیں ہاتھ کاٹ دیئے تو ان دونوں کے لیے قاطع کا دایاں ہاتھ کاٹنا ہے اور دیت ہے پس اگر ان میں سے ایک حاضر ہوا اور اس نے کاٹ دیا تو دوسرے کے لیے دیت ہے یہ ہمارے نزدیک ہے برابر ہے ان دونوں کا ہاتھ آگے پیچھے ہو یا ایک ساتھ کاٹا ہو اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تعاقب کی صورت میں پہلے کے لیے ہاتھ کاٹا جائے اور قران کی صورت میں قرعہ ڈالا جائے اور اس غلام سے قصاص لیا جائے گا جو قصاص دینے کا اقرار کرے یہ ہمارے نزدیک ہے اس لیے کہ وہ اس میں متہم نہیں ہے اس لیے کہ اس کو اس وجہ سے نقصان ہوگا اور اس لیے کہ وہ خون کے حق میں اصل حریت پر باقی ہے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا اقرار صحیح نہیں ہے جس طرح مال میں صحیح نہیں ہے اقرار کے مولی کے حق کے ساتھ ملنے کی وجہ سے اور جس نے کسی آدمی کو جان بوجھ کر تیر مارا چناں چہ دوسرے شخص کو چھید کر لگ گیا پھر وہ دونوں مر گئے تو پہلے کے لیے قصاص لیا جائے گا اور اس کے عاقلہ پر دوسرے کے لیے دیت ہے اس لیے کہ پہلا عمد ہے اور دوسرا خطاء ہے۔

تشریح:

و یسقط القود ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں جن میں قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ قاتل کے مرنے سے قصاص ساقط ہو جائے گا کیوں کہ محلِ قصاص ختم ہو گیا اور ولی مقتول کے لیے قاتل کے مال سے کوئی شئی

واجب نہ لگائی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اولیاء مقتول قاتل کو معاف کر دیں تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اولیاء کے معاف کرنے کی قید اس وجہ سے لگائی کہ اگر مقتول نے مرنے وقت قاتل کو معاف کرنے کی وصیت کی تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق یہ وصیت باطل ہے۔ [شامی: ۶/۵۵۶، تقریرات الرافعی: ۶/۳۴۶]

تیسری صورت یہ ہے کہ اولیاء مقتول قاتل سے مال پر صلح کر لیں تو قصاص ساقط ہو جائے گا خواہ مال کم ہو یا زیادہ ہو اور یہ مال صلح مطلق کرنے کی صورت میں فوراً ادا کرنا واجب ہوگا البتہ اگر مدت کا ذکر کیا گیا تو مذکورہ مدت تک مال مؤجل ہوگا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اولیاء میں سے ایک فرد قاتل سے مال پر صلح کر لے اور معاف کر دے تو بقیہ ورثہ کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا اور ان کو دیت میں سے حصہ ملے گا یہ مسئلہ اس اصول پر مبنی ہے کہ قصاص اور دیت تمام ورثہ کا حق ہے یہ احناف کے نزدیک ہے جب کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میاں بیوی کے لیے قصاص اور دیت میں حق نہیں ہے۔

ویقتل جمع ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک جماعت نے ایک شخص کو اس طرح قتل کیا کہ جماعت میں سے ہر فرد نے ایک ساتھ مقتول کو زخم لگایا تو پوری جماعت کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ پوری جماعت کا قتل میں شریک ہونا شرط ہے چناں چہ اگر جماعت میں سے کچھ افراد قتل کا نظارہ دیکھ رہے تھے یا اس کو قتل پر ابھار رہے تھے تو پوری جماعت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ [درمختار: ۶/۵۵۷]

وبالعکس ...... یعنی اگر ایک فرد نے جماعت کو قتل کیا اور مقتولہ جماعت کے اولیاء قصاص کے لیے حاضر ہوئے تو احناف کے نزدیک قاتل کو تمام کی طرف سے صرف قصاصاً قتل کیا جائے گا اور مقتولہ جماعت کے اولیاء کے لیے اس کے علاوہ (قاتل کے قتل کے سوا) کچھ نہیں ہے البتہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں تفصیل ہے کہ اگر قاتل نے پوری جماعت کو ایک ساتھ قتل نہیں کیا بلکہ آگے پیچھے قتل کیا تو قاتل کو پہلے مقتول کے لیے قصاصاً قتل کیا جائے اور بقیہ مقتولین کے اولیاء کے لیے دیت واجب ہوگی اور اگر قاتل نے پوری جماعت کو ایک ساتھ قتل کیا یا تعاقب کی صورت میں پہلا مقتول معلوم نہ ہو تو اب اس میں دو قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ قاتل کو تمام کے لیے قتل کیا جائے گا اور دیت کو سب کے مابین تقسیم کیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قرعہ ڈالا جائے گا چناں چہ جس کا نام نکلے اس کے لیے قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ **و ان حضر** ...... یعنی اگر مقتولہ جماعت کے اولیاء میں سے صرف ایک مقتول کا ولی حاضر ہوا تو قاتل کو اس کے لیے قتل کیا جائے گا بقیہ کا حق ساقط ہو جائے گا۔

و لا یقطع یدان ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر دو شخصوں نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا تو ان دونوں کے ہاتھ اس کے بدلے نہیں کاٹے جائیں گے اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخصوں نے ایک شخص کے ہاتھ پر چھری پھیری یہاں تک کہ اس کا ہاتھ کٹ گیا تو احناف کے نزدیک ان دونوں کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ دونوں پر نصف نصف دیت ہوگی جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نفس پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح ایک شخص کو دو شخص قتل کریں تو دونوں کو قصاصاً قتل کیا جاتا ہے اسی طرح ایک کے ہاتھ کے بدلے دو شخصوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے کچھ ہاتھ کاٹا ہے اس لیے کہ ہاتھ کا کٹنا ان دونوں کے فعل سے ہوا ہے اور کٹنے کا محل ہاتھ ہے جو محلِ متجزی ہے۔ چناں چہ ان میں سے ہر ایک کی طرف بعض ہاتھ کٹنے کی نسبت کی جائے گی پس جب ہر ایک نے بعض ہاتھ کاٹا ہے تو قصاص متجزی نہیں ہے۔ لہٰذا ہر ایک پر نصف دیت لازم ہے۔ **بخلاف النفس** ...... سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قیاس کا جواب دے رہے

ہیں کہ اس مسئلے کو نفس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ روح کا نکلنا متجزی نہیں ہے جب یہ متجزی نہیں ہے تو ہر ایک کی طرف بعض روح نکلنے کی نسبت نہ کی جائے گی۔

وان قطع ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ اگر ایک شخص نے دو شخصوں کے دائیں ہاتھ کاٹ دیئے تو اب اگر وہ دونوں شخص ایک ساتھ حاضر ہوں تو قاطع کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور ایک ہاتھ کی دیت لی جائے گی جو ان میں تقسیم کی جائے گی خواہ قاطع نے ان دونوں کے ہاتھ ایک ساتھ کاٹے ہوں یا آگے پیچھے کاٹے ہوں جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر اس نے ایک ساتھ ہاتھ کاٹے ہوں تو قرعہ ڈالا جائے گا اور اگر آگے پیچھے ہاتھ کاٹے ہوں تو پہلے کے لیے ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسرے کے لیے دیت دی جائے گی اور اگر ان میں ایک پہلے حاضر ہوا اور اس کے لیے ہاتھ کاٹ دیا گیا تو اب دوسرے کو دیت دی جائے گی اور اگر قاضی نے دونوں کے لیے قصاص کا فیصلہ کردیا پھر ایک نے معاف کردیا تو اب دوسرا ساتھی قصاص لے گا۔

فائدہ:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''یمینی رجلین'' کی قید لگائی۔ لہٰذا اگر ایک شخص کا دایاں ہاتھ اور دوسرے کا بایاں ہاتھ کاٹا تو اب قاطع کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ [شامی: ۶/ ۵۵۷]

عبارت:

و من قطع يد رجل ثم قتله اخذ بهما في عمدين و مختلفين براء بينهما او لا و خطائين بينهما براء كفت دية ان لم يبرأ بين هذين هذه ثمانية مسائل لان القطع اما عمد او خطاء ثم القتل كذلك صار اربعة ثم أما ان يكون بينهما براء او لا يكون صار ثمانية فان كان كل واحد منهما عمدا فان كان بر بينهما يقتص بالقطع ثم بالقتل و ان لم يبرأ فكذا عند ابي حنيفة رحمه الله تعالىٰ لان القطع ثم القتل هو المثل صورة و معنى و عندهما يقتل و لا يقطع فدخل جزاء القطع في جزاء القتل و تحقيق هذا في اصول الفقه في الاداء و القضاء و ان كان كل مهنما خطاء فان كان براء بينهما اخذ بهما اى يجب دية القطع و القتل و ان لم يبرأ بينهما كفت دية القتل لان دية القطع انما يجب عند استحكام اثر الفعل و هو ان يعلم عدم السراية و الفرق بين هذه الصورة و بين عمدين لا برء بينهما ان الدية مثل غير معقول فالاصل عدم وجوبها بخلاف القصاص فانه مثل معقول و ان قطع عمدا ثم قتل خطاء سواء برأ بينهما او لم يبراء اخذ بالقطع والقطع يقتص للقطع و توخذ دية النفس و ان قطع خطأ ثم قتل عمدا سوأ برأ بينهما او لا توخذ الدية للقطع و يقتص للقتل لاختلاف الجنايتين لان احدهما عمد والأخر خطاء كما في ضرب مائة سوط برأ من تسعين و مات من عشرة فانه يكتفي بدية واحدة لانه لما برأ من تسعين لم يبق معتبرة الا في حق التعزير و كذا كل جراحة اندملت و لم يبق لها اثر على اصل ابي حنيفة رحمه الله تعالىٰ و عن ابي ابي يوسف رحمه الله تعالىٰ في مثله حكومة عدل و عن محمد رحمه الله تعالىٰ اجرة الطبيب و تجب حكومة عدل في مائة سوط جرحته و بقي اثرها سياني في كتاب الديات تفسير حكومة العدل۔

ترجمہ:

اور جس نے کسی شخص کا ہاتھ کاٹا پھر اس کو قتل کردیا تو قتل اور قطع عمدین اور مختلفین کی صورت میں مواخذہ کیا جائے خواہ ان دونوں کے

درمیان ٹھیک ہوا ہو یا نہیں اور دونوں کے خطأ ہونے کی صورت میں دونوں کا مواخذہ جب کہ ان کے درمیان ٹھیک ہونا پایا جائے اگر ان دونوں کے درمیان ٹھیک نہ ہو تو دیتِ قتل کافی ہے۔ یہ آٹھ مسائل ہیں اس لیے کہ قطع یا تو عمداً ہوگا یا خطاءً ہوگا پھر قتل اسی طرح ہوگا تو یہ چار صورتیں ہوئیں پھر یا تو ان دونوں کے درمیان ٹھیک ہونا ہوگا یا نہیں ہوگا تو یہ آٹھ صورتیں ہوگئی چناں چہ اگر ان میں سے ہر ایک عمد ہو پھر اگر ان کے درمیان ٹھیک ہوا ہو تو قطع پھر قتل کے بدلے قصاص لیا جائے گا اور اگر ٹھیک نہیں ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی طرح ہے اس لیے کہ قطع پھر قتل یہی صوری اور معنوی مثل ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل کیا جائے گا اور ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چناں چہ ہاتھ کاٹنے کی جزاء قتل کی جزاء میں داخل ہوگئی اور اس کی تحقیق اصول فقہ میں ادا اور قضاء میں ہے اور اگر ان میں سے ہر ایک خطاءً ہو پھر اگر ان کے درمیان ٹھیک ہوا تھا تو ان دونوں کا مواخذہ کیا جائے گا یعنی قطع اور قتل کی دیت واجب ہوگی اور اگر ان دونوں کے مابین ٹھیک نہیں ہوا تو قتل کی دیت کافی ہے اس لیے کہ قطع کی دیت فعل کے اثر کے استحکام کے وقت ہی واجب ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سرایت نہ ہونا معلوم ہو جائے اور اس صورت کے اور ان عمدین کے درمیان جن میں ٹھیک ہونا نہیں ہے فرق یہ ہے کہ دیت مثل غیر معقولی ہے چناں چہ اصل اس کا واجب نہ ہونا ہے برخلاف قصاص کے ہے کیوں کہ وہ مثل معقولی ہے اور اگر اس نے عمداً ہاتھ کاٹا پھر خطاءً قتل کیا خواہ ان کے درمیان ٹھیک ہوا یا نہ ہوا ہو تو قطع اور قتل کا مواخذہ کیا جائے گا یعنی قطع کا قصاص لیا جائے گا اور نفس کی دیت لی جائے گی اور اگر اس نے خطاءً ہاتھ کاٹا پھر عمداً قتل کیا خواہ ان دونوں کے درمیان ٹھیک ہوا ہو یا نہیں قطع کی دیت لی جائے گی اور قتل کا قصاص لیا جائے گا۔ جنایتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس لیے ان میں سے ایک عمد ہے اور دوسرا خطاء ہے جیسا کہ سو کوڑے مارنے کی صورت میں کہ وہ نوے سے ٹھیک ہوگیا اور دس سے مرگیا تو ایک دیت کافی ہے اس لیے کہ جب وہ نوے سے ٹھیک ہوگیا تو ان کا اعتبار صرف تعزیر کے حق میں باقی رہا اور اسی طرح ہر وہ زخم جو ٹھیک ہو جائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصول پر اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مثل میں حکومتِ عدل مروی ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے طبیب کی اجرت مروی ہے اور ان سو کوڑوں میں حکومت عدل واجب ہوگی جنہوں نے مضروب کو زخمی کر دیا اور ان کا اثر باقی رہا۔ عنقریب کتاب الدیات میں حکومت عدل کی تفسیر آئے گی۔ ان شاء اللّٰہ۔

تشریح:

و من قطع ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی پر دو جنایتیں کیں کہ کسی کا ہاتھ کاٹا پھر اس کو قتل کر دیا تو اب اس کی آٹھ صورتیں بنتی ہیں۔

وجہِ حصر:

وان القطع ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ آٹھ صورتوں کی وجہ حصر بیان کر رہے ہیں کہ قطع (ہاتھ کاٹنا) یا عمداً ہوگا یا خطاء ہوگا اور اسی طرح قتل یا عمداً ہوگا یا خطاءً ہوگا پھر ان دونوں جنایتوں کے مابین وہ شخص ٹھیک ہوا ہوگا یا نہیں۔ اس طرح یہ کل آٹھ صورتیں بنتی ہیں۔

(۱) قطع عمداً ہو اور قتل عمداً ہو اور درمیان میں مقتول ٹھیک ہوا ہو۔

(۲) قطع عمداً ہو اور قتل عمداً اور مقتول ٹھیک نہ ہوا ہو۔

(۳) قطع خطأ ہو اور قتل خطاءً ہو اور مقتول ٹھیک ہوا ہو۔

(۴) قطع خطاءً ہو اور قتل خطاءً ہو اور مقتول ٹھیک نہ ہوا ہو۔

(۵) قطع عمداً ہوا اور قتل خطاءً ہوا اور مقتول ٹھیک ہوا ہو۔
(۶) قطع عمداً ہوا اور قتل خطاءً ہوا اور مقتول ٹھیک نہ ہوا ہو۔
(۷) قطع خطاءً ہوا اور قتل عمداً ہوا اور مقتول ٹھیک ہوا ہو۔
(۸) قطع خطاءً ہوا اور قتل عمداً ہوا اور مقتول ٹھیک نہ ہوا ہو۔

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام صورتوں کا حکم بیان کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی صورت:

پہلی صورت (قطع عمداً ہوا اور قتل عمداً ہوا اور درمیان میں ٹھیک ہونا پایا جائے) کا حکم ''فان کان...... سے بیان فرمایا کہ قاتل کا پہلے قصاصاً ہاتھ کاٹا جائے گا پھر اس کو قتل کیا جائے گا۔

دوسری صورت:

دوسری صورت (قطع اور قتل عمداً ہوا اور درمیان میں ٹھیک نہ ہوا ہو) کے حکم میں معروف اختلاف ہے جو کتب اصول فقہ میں بھی مذکور ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت کا حکم بھی یہی ہے کہ پہلے ہاتھ کاٹا جائے پھر قصاصاً قتل کیا جائے جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف قتل کیا جائے گا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ اختلاف اس اصول پر مبنی ہے کہ مثل کامل، مثل قاصر سے مقدم ہے یعنی جب مثل کامل ادا کی جاسکتی ہو تو مثل قاصر نہیں دی جائے گی۔ چناں چہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولی مقتول کے لیے مناسب ہے کہ قاتل کے ساتھ وہی سلوک کرے جو اس نے مقتول کے ساتھ کیا تا کہ مثل کامل کی رعایت کی جاسکے اور اگر ولی صرف قتل کرے تو بھی جائز ہے اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہاتھ کاٹنے کا قصاص اس وقت لیا جاتا ہے جب مقطوع کا ہاتھ صحیح ہو جائے اور اس کے مرنے کا سبب نہ بنے اور اس صورت میں ہاتھ صحیح نہیں ہوا۔ چناں چہ ہاتھ کاٹنے کی جزاء بھی قتل کی جزاء میں داخل ہوگئی اس کی مزید وضاحت اصول فقہ کی کتب میں ''امر'' کی بحث میں موجود ہے۔

تیسری صورت:

تیسری صورت (قطع اور قتل خطاءً ہوا اور درمیان میں ٹھیک ہوا ہو) کا حکم یہ ہے کہ قطع اور قتل کی دیت واجب ہوگی۔

چوتھی صورت:

چوتھی صورت (قطع اور قتل خطاءً ہوا اور درمیان میں ٹھیک نہ ہوا ہو) کا حکم یہ ہے کہ صرف قتل کی دیت واجب ہوگی کیوں کہ قطع کی دیت اس وقت واجب ہوتی ہے جب قطع کا اثر مستحکم ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ اس بات کا علم ہو جائے کہ زخم جاری نہیں ہے۔

والفرق بین ھذہ ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق اس صورت کے درمیان اور دوسری صورت کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں کہ دوسری صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ پہلے ہاتھ کاٹا جائے پھر قتل کیا جائے اور اس صورت میں فرمایا ہے کہ صرف قتل کی دیت کافی ہے اور ہاتھ کی دیت کو واجب نہیں فرمایا۔ ان میں فرق اس وجہ سے ہے کہ قصاص مثل معقولی ہے اور دیت مثل غیر معقولی ہے جب یہ مثل غیر معقولی ہے تو اس میں اصل یہ ہے کہ یہ واجب نہ ہو۔

پانچویں اور چھٹی صورت کا حکم یہ ہے کہ ہاتھ قصاصاً کاٹا جائے گا اور قتل کی دیت لی جائے گی۔

ساتویں اور آٹھویں صورت کا حکم یہ ہے کہ ہاتھ کی دیت لی جائے گی اور قصاصاً قتل کیا جائے گا کیوں کہ دونوں جداگانہ جنایتیں ہیں کہ

ایک عمداً ہے اور دوسری خطاء ہے۔ لہٰذا ہر ایک کا جدا گانہ حکم ہے۔

کما فی ضرب...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ ماقبل والے مسئلے کو ایک مسئلے سے تشبیہ دے رہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی دوسرے کے سو کوڑے مارے نوے کوڑے دوسری جگہ مارے اور دس کوڑے ایک جگہ مارے جس جگہ نوے کوڑے مارے تھے وہ مقام صحیح ہو گیا البتہ جس جگہ دس کوڑے مارے تھے وہ زخم سرایت کر گیا جس کی وجہ سے مضروب ہلاک ہو گیا تو اب ضارب سے ایک دیت لی جائے گی کیوں کہ جب وہ جگہ جہاں نوے کوڑے مارے تھے صحیح ہو گئی تو نوے کوڑوں کا قصاص نہیں لیا جا سکتا البتہ صرف تعزیر کے حق میں نوے کوڑوں کا حکم باقی ہے اور یہی حکم ہر اس زخم کا ہے جو بھر جائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے تو امام صاحب کے نزدیک صرف دیت واجب ہو گی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے کہ ایسی صورت میں صرف حکومتِ عدل واجب ہو گی اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طبیب اور دوائی کی اجرت واجب ہو گی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف لفظی ہے کیوں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تفسیر بیان کی ہے کہ حکومتِ عدل سے مراد طبیب اور دوائی کی اجرت ہے۔

[تقریرات الرافعی:۳۲۶/۱]

عبارت:

و من قطع يد رجل فعفا عن القطع فمات منه ضمن قاطعه ديته هذا عند ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ و قالا لا يجب شئی لان العفو عن القطع عفو عن موجبه و هو القطع ان لم يسر و القتل ان سرى له انه عفى عن القطع فاذا سرى علم انه كان قتلا لا قطعا و انما لايجب القصاص لشبهة العفو و لو عفا عن الجناية او عن القطع و ما يحدث منه فهو عفو عن النفس والخطاء من ثلث ماله و العمد من كله اى اذا كانت الجناية خطاء و قد عفا عنها فهو عفو عن الدية فيعتبر من الثلث لان الدية مال فحق الورثة يتعلق بها فالعفو وصية فيصح من الثلث و اما العمد فموجبه القود و هو ليس بمال فلم يتعلق به حق الورثة فيصح العفو عنه على الكمال فان قلت القود انما يجب بعد الموت تشفيا لصدور الاولياء فينبغی ان لا يصح عفو المقتول قلت السبب انعقد فی حقه فيعتبر و سياتی كيفية و جوب القود و كذا الشجة اى لو كانت مقام القطع الشجة فهی على الخلاف المذكور۔

ترجمہ:

اور جس نے کسی آدمی کا ہاتھ کاٹا پھر اس نے کاٹنے کو معاف کر دیا اور مقطوع اس سے مر گیا تو اس کا قاطع اس کی دیت کا ضامن ہو گا یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ واجب نہ ہو گا اس لیے کہ قطع کو معاف کرنا اس کے موجب کو معاف کرنا ہے اور موجب قطع ہے اگر زخم سرایت نہ کرے اور قتل ہے اگر زخم سرایت کر جائے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے قطع کو معاف کیا پس جب زخم نے سرایت کی تو معلوم ہو گیا کہ یہ قتل ہے قطع نہیں ہے اور قصاص معافی کے شبہے کی وجہ سے واجب نہیں ہو گا اور اگر ایک شخص نے جنایت یا قطع اور جو قطع سے پیدا ہو گا اس کو معاف کر دیا تو یہ نفس اور خطا سے معاف کرنا اس کے ثلثِ مال سے ہو گا اور عمد کل مال سے ہو گا یعنی جب جنایت خطاء ہو اور اس نے جنایت کو معاف کر دیا تو یہ دیت سے معاف کرنا ہو گا۔ لہٰذا ثلث سے معتبر ہو گا اس لیے کہ دیت مال ہے۔ چناں چہ ورثہ کا حق اس کے ساتھ متعلق ہے پس معاف کرنا وصیت ہے پس یہ ثلث میں سے صحیح ہے بہرحال عمد کا موجب قصاص ہے اور وہ مال نہیں ہے۔ لہٰذا ورثہ کا حق اس کے ساتھ متعلق نہیں ہوا۔ لہٰذا اس سے مکمل طور پر معاف

کرنا صحیح ہے اگر تو کہے قصاص صرف موت کے بعد اولیاء کی تشفی صدر کے لیے واجب ہوتا ہے پس مناسب ہے کہ مقتول کا معاف کرنا صحیح نہیں ہو میں کہتا ہوں سبب مقتول کے حق میں منعقد ہوا ہے اور عنقریب قصاص کے وجوب کی کیفیت آئے گی اور اسی طرح سر کا زخم ہے یعنی اگر قطع کی جگہ سر کا زخم ہو تو یہ مذکور اختلاف پر مبنی ہے۔

تشریح:

و من قطع ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک شخص کا ہاتھ کسی نے عمداً یا خطاءً کاٹ دیا پھر اس شخص نے جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا قاطع کو معاف کر دیا اس کے بعد اس شخص کا زخم پھیلنے کی وجہ سے انتقال ہو گیا تو اب اس کو کل چار صورتیں ہیں۔

پہلی اور دوسری صورت یہ ہے کہ صاحبِ ید نے صرف کاٹنے کو معاف کیا تھا پھر معاف کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاطع پر اس کی دیت واجب ہو گی جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاطع کے ذمے کچھ بھی واجب نہیں ہے کیوں کہ جب صاحب ید نے قطع کو معاف کیا تو گویا اس نے قطع کے موجب کو بھی معاف کر دیا۔ قطع کا موجب زخم سرایت کرنے کی صورت میں قتل ہے اور زخم سرایت نہ کرنے کی صورت میں قطع ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ صاحب ید نے صرف قطع کو معاف کیا تھا لیکن جب زخم سرایت کر گیا تو قطع قتل میں بدل گیا اور قتل کو معاف نہیں کیا۔ لہٰذا دیت واجب ہو گی البتہ قصاص معافی کے شبہے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا یہ اختلاف قطعِ عمد اور قطع خطاء دونوں صورتوں میں ہے۔

و لو عفا عن الجناية ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ تیسری اور چوتھی صورت بیان کر رہے ہیں کہ اگر صاحب ید نے قاطع کو جنایت یا قطع اور جو اس سے پیدا ہو سے معاف کر دیا پھر صاحبِ ید کا انتقال ہو گیا تو اب جنایت کو دیکھا جائے گا اگر جنایت خطا ہو تو صاحب ید کے معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے قاطع کو دیت معاف کر دی ہے۔ چناں چہ قاطع کو ثلثِ دیت معاف ہو گی کیوں کہ دیت مال ہے اور صاحبِ ید کے مرنے کے بعد ورثہ کا حق اس کے مال سے متعلق ہو گیا۔ لہٰذا ثلثِ دیت معاف ہو گی اور دو ثلث قاطع کے ذمے لازم ہوں گے اور اگر جنایت عمداً ہو تو صاحب ید کے معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے قاطع کو قصاص معاف کر دیا ہے اور قصاص چوں کہ مال نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ ورثہ کا حق بھی متعلق نہیں ہوا پس قصاص سارا کا سارا معاف ہو جائے گا۔

اشکال:

فان قلت ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اشکال ذکر کر رہے ہیں جس کا تعلق اس کے ساتھ ہے کہ جنایت کے خطاء اور عمداً ہونے کے درمیان فرق نہیں ہے کیوں کہ جب جنایت خطاء ہو تو اس صورت میں دیت واجب ہوتی ہے جس کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہوتا ہے اسی طرح جب جنایت عمداً ہو تو اس صورت میں قصاص واجب ہوتا ہے جس کا مقصد مقتول کے اولیاء کے سینوں کو ٹھنڈ پہچانا ہوتا ہے۔ چناں چہ یہ بھی ورثہ کا حق ہے جب یہ ورثہ کا حق ہے تو مقتول کا قصاص معاف کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب:

قلت السبب ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ اسی اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک قصاص اور دوسرا اس کا سبب، بہر حال قصاص موت کے بعد واجب ہوتا ہے اور قصاص کا سبب مقتول کی زندگی میں حاصل ہو چکا تھا چناں چہ مقتول کو معاف کرنے کی اہلیت ہے۔

و کذا الشجة ...... یعنی جو تفصیل ہاتھ کاٹنے کی صورت میں ہے وہی تفصیل اس صورت میں ہے جب ایک شخص کے سر میں کسی نے

زخم لگایا جس کے پھیلنے سے وہ مر گیا۔

عبارت:

فان قطعت امرأة يد رجل فنكحها على يده ثم مات يجب مهر مثلها و دية يده في مالها ان تعمدت و على عاقلتها ان اخطأت اى ان قطعت امرأة يد رجل عمدا فنكحها على يده فهو نكاح اما على الموجب الاصل للقطع العمد و هو القصاص فى الطرف هو لا يصح مهر فيجب مهر المثل و عليها الدية فى مالها و اما على ما هو واجب بهذا القطع و هو الدية فانه لاقصاص بين الرجل و المرأة فى الطرف ثم اذا سرى و ظهر ان دية اليد غير واجبة فيجب مهر الثمل و ان قطعت خطاء يجب مهر المثل ايضا لهذا و دية النفس على العاقلة فلا مقاصة ههنا بخلاف العمد فان نكحها على اليد و ما يحدث منها او على الجناية ثم مات ففى العمد مهر المثل و فى الخطاء رفع عن العاقلة مهر مثلها و الباقى وصية لهم فان خرج من الثلث سقط و الايسقط ثلث المال انما يجب مهر المثل فى العمد لان هذا تزوج على القصاص و هو لا يصلح مهرا فيجب مهر المثل و لا شئى عليها بسبب القتل لان الواجب القصاص و قد اسقطه و ان كان خطاء يرفع عن العاقلة مهر مثلها لان هذا تزوج على الدية و هى تصلح مهرا فان كان مهر المثل مساويا للدية و لا مال له سوى هذا فلا شئى على العاقلة لان التزوج من الحوائج الاصلية فيعتبر من جميع المال و ان كان مهر المثل اكثر لا يجب الزيادة لانها رضيت باقل من مهر المثل و ان كان مهر المثل اقل فالزيادة وصية للعاقلة و تصح لانهم ليسوا بقتلة و تعتبر من الثلث فان خرجت من الثلث سقطت و الاتسقط مقدار ثلث المال و هذا الفرق بين التزوج على اليد و بين التزوج على الجناية على قول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و اما عندهما فالحكم فى التزوج على اليد كما ذكرنا فى هذه المسئلة و هى التزوج على الجناية۔

ترجمہ:

اور اگر ایک عورت نے کسی مرد کا ہاتھ کاٹ دیا پھر اس مرد نے عورت سے اپنے ہاتھ پر نکاح کر لیا پھر وہ مر گیا تو مہرِ مثل واجب ہوگا اور عورت کے مال میں مرد کے ہاتھ کی دیت واجب ہوگی اگر اس نے جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا ہو اور عورت کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اگر اس نے خطاء کی ہو یعنی اگر عورت نے کسی مرد کا جان بوجھ کر ہاتھ کاٹ دیا پھر مرد نے عورت سے اپنے ہاتھ پر نکاح کر لیا تو یہ نکاح ہوگا۔ بہر حال قطعِ عمد کے موجب اصلی کی بناء پر جو کہ عضوء میں قصاص ہے تو وہ بطور مہر صحیح نہیں ہے۔ چناں چہ مہرِ مثل واجب ہوگا اور عورت پر اس کے مال میں دیت واجب ہوگی اور بہر حال اس صورت کی بناء پر جو اس قطع سے واجب ہوتی ہے اور وہ دیت ہے تو مرد اور عورت کے مابین عضوء میں قصاص نہیں ہے پھر جب زخم سرایت کر گیا اور یہ بات ظاہر ہوئی کہ ہاتھ کی دیت واجب نہیں ہوتی چناں چہ مہرِ مثل واجب ہوگا اور اگر عورت نے خطاءً ہاتھ کاٹا ہو تو بھی اس کے لیے مہرِ مثل واجب ہوگا اور نفس کی دیت عاقلہ پر واجب ہے چناں چہ عمد کے برخلاف مقاصہ نہیں ہے اور اگر مرد نے عورت سے ہاتھ پر اور جو اس زخم سے پیدا ہو یا جنایت پر نکاح کیا پھر وہ مر گیا تو عمد کی صورت میں مہرِ مثل ہے اور خطاء کی صورت میں عاقلہ سے مہرِ مثل کو ختم کر دیا جائے گا اور باقی ان کے لیے وصیت ہوگا پس اگر وہ ثلث سے نکل آئے تو ساقط ہو جائے گا ورنہ ثلث مال ساقط ہو جائے گا سوائے اس کے نہیں عمد کی صورت میں مہرِ مثل واجب ہوگا اس لیے کہ یہ قصاص پر شادی

کرنا ہے اور قصاص مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا مہرِ مثل واجب ہوگا اور عورت پر قتل کے سبب سے کچھ نہیں ہے اس لیے کہ واجب قصاص ہی ہے دراں حالکہ مرد نے اس کو ساقط کر دیا ہے اور اگر وہ خطاءً ہو تو عاقلہ سے مہر مثل ختم کر دیا جائے گا اس لیے کہ یہ دیت پر شادی کرنا ہے اور وہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے پس اگر مہر مثل دیت کے مساوی ہو اور مرد کا اس کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو عاقلہ پر کوئی شئی لازم نہیں ہے اس لیے کہ شادی کرنا ضروریات اصلیہ میں سے ہے لہٰذا تمام مال سے اعتبار کیا جائے گا اور اگر مہر مثل زیادہ ہو تو زیادتی واجب نہیں ہے اس لیے کہ وہ مہر مثل سے اقل پر راضی ہے اور اگر مہر مثل اقل ہو تو زیادتی عاقلہ کے لیے وصیت ہے اور وصیت صحیح ہے اس لیے کہ وہ قاتل نہیں ہیں اور وصیت ثلث سے معتبر ہوگی پس اگر ثلث سے نکل آئے تو ساقط ہو جائے گی ورنہ ثلث مال کی مقدار ساقط ہو جائے گی اور یہ ہاتھ پر شادی کرنے اور جنایت پر شادی کرنے کے درمیان فرق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر مبنی ہے بہر حال صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہاتھ پر شادی کرنے کا حکم وہی ہے جو ہم نے اس مسئلے میں ذکر کیا ہے اور وہ جنایت پر شادی کرنا ہے۔

تشریح:

فان قطعت امرأة...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک عورت نے کسی مرد کا ہاتھ جان بوجھ کر یا خطاءً کاٹ دیا اور اس مرد نے ہاتھ کی جنایت کے بدلے عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے بعد زخم سرایت کر گیا جس کی وجہ سے مرد کا انتقال ہو گیا تو اب عورت کے لیے مرد کے مال سے مہر مثل واجب ہوگا یعنی قطع عمد اور قطع خطاء دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔

اما علی الموجب...... بہر حال قطع عمد کی صورت میں مہر مثل واجب ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی یہ کہ قطع عمد میں اصل یہ ہے کہ قصاصاً قاطع کا ہاتھ کاٹا جائے گا چناں چہ قطع عمد کا موجب قصاص ہے اور قصاص ایسی شئی ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیوں کہ قصاص مال نہیں ہے اور جب غیر مال پر نکاح ہو تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں چوں کہ قاطع ایک عورت ہے اور مرد و عورت کے مابین قصاص جاری نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس قطع کی وجہ سے عورت پر دیت واجب ہوتی ہے لیکن جب نکاح کے بعد زخم سرایت کرنے سے مرد کا انتقال ہو گیا تو معلوم ہوا کہ عورت کے ذمے ہاتھ کی دیت لازم نہیں ہے۔ لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا۔

اور اگر عورت نے مرد کا ہاتھ خطاءً کاٹا ہو تو اس صورت میں بھی ہاتھ کے تاوان پر مرد نے نکاح کیا تھا لیکن جب زخم سرایت کرنے سے مرد کا انتقال ہو گیا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کا تاوان عورت پر لازم نہیں ہے۔ پس مسمیٰ معدوم ہے لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا۔

ودیة النفس...... مذکورہ بالا تفصیل مہر مثل کے وجوب میں تھی۔ البتہ جب مرد کا انتقال ہو جائے تو مرد کی دیت بھی واجب ہوتی ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر عورت نے ہاتھ عمداً کاٹا ہو تو مرد کی دیت عورت پر لازم ہوگی۔ پس اگر عورت کا مہر مثل اور مرد کی دیت برابر ہو تو تقاصی واقع ہوگی یعنی عورت کا جو مہر مثل مرد پر لازم ہے اس کے بدلے وہ مال ہو جائے گا جو عورت کے ذمے بطور دیت لازم ہے اور اگر مہر مثل اور دیت میں تفاوت ہو تو ایک فریق زیادتی کا رجوع کرے گا اور اگر عورت نے ہاتھ خطاء کاٹا ہو تو دیت عورت کی عاقلہ پر واجب ہوگی اور اس صورت میں تقاصی نہیں کی جائے گی اس لیے کہ خطاء کی صورت میں دیت عاقلہ پر لازم ہوتی ہے جب کہ عمد کی صورت میں عورت پر لازم ہوتی ہے اور مہر مثل عورت کا حق ہے۔ [درمختار: ۶/۵۶۴]

فان نکحها...... یعنی اگر اس مرد نے جس کا ہاتھ کسی عورت نے کاٹا ہے اسی عورت سے ہاتھ کے تاوان اور جو اس زخم سے پیدا ہوا اس

پر یا جنایت پر نکاح کیا پھر مرد کا انتقال ہوگیا تو اب دیکھا جائے گا اگر قطع عمداً ہو تو عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگا اور اگر قطع خطاء ہو تو عورت کے عاقلہ پر جو دیت لازم ہے اس میں سے مہر مثل ساقط کر دیا جائے گا اور بقیہ مال عاقلہ کے لیے وصیت شمار ہوگا۔

انما وجب مهر ...... یعنی قطع عمد کی صورت میں مہر مثل کے وجوب کی وجہ یہ ہے کہ قطع عمد کی صورت میں قصاص واجب ہوتا ہے اور قصاص مال نہیں ہے اور غیر مال کو مہر بنانا صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا اور عورت کے ذمے دیت وغیرہ کچھ نہیں ہے کیوں کہ عورت پر ہاتھ کا قصاص واجب ہوا تھا اور مرد نے اس کو معاف کر دیا تھا پس مرد کے مرنے کے بعد عورت سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

وان كان خطاء ...... یعنی قطع خطاء کی صورت میں عاقلہ پر چوں کہ دیت واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا مہر مثل عاقلہ کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا کیوں کہ مرد نے عورت سے دیت پر نکاح کیا تھا اور دیت مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن جب زخم سرایت کر گیا اور اس کی وجہ سے مرد کا انتقال ہوگیا تو ہاتھ کی دیت واجب نہ رہی۔ لہٰذا مسمی معدوم ہوگیا چناں چہ مہر مثل واجب ہوگا اب مہر مثل کی مقدار کو دیکھا جائے گا اگر مہر مثل کی مقدار دیت کے برابر ہو یعنی مہر مثل کی مقدار ہزار دینار ہو اور مرد اس کے علاوہ کوئی مال چھوڑ کر نہیں مرا چناں چہ عاقلہ کے ذمے مرد کے ورثاء کے لیے کچھ لازم نہیں ہے کیوں کہ شادی کرنا ضروریات اصلیہ میں سے ہے اور اس پر انسان پورا مال بھی خرچ کر سکتا ہے لہٰذا یہاں بھی پورے مال (یعنی دیت) کے بدلے نکاح ہوگا اور اگر عورت کا مہر مثل دیت سے زیادہ ہو مثلاً پندرہ سو دینار ہو تو اب بھی عاقلہ کے ذمے عورت کے لیے کچھ واجب نہیں ہے کیوں کہ جب مرد نے اس پر نکاح کیا تھا تو عورت بذات خود اپنا مہر مثل کم کرنے پر راضی ہوئی اور اگر عورت کا مہر مثل دیت سے کم ہو مثلاً آٹھ سو دینار ہو تو اب دیت میں سے دو سو دینار عاقلہ کے لیے مرد کی طرف سے بطور وصیت شمار ہوں گے پس عاقلہ ان کے مالک ہوں گے اور یہ وصیت صحیح ہے کیوں کہ عاقلہ قاتل نہیں ہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ یہ باقی ماندہ رقم میت کے ترکے کا ثلث ہے یا اس سے زائد ہے اگر باقی ماندہ رقم ترکے کا ثلث ہو تو یہ ساقط ہو جائے گی اور اگر باقی ماندہ رقم ترکے کے ثلث سے زائد ہو تو ثلثِ مال کے بقدر رقم ساقط ہو جائے گی اور اس سے زائد رقم عاقلہ میت کے ورثہ کو دیں گے۔

هذا الفرق ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ ایک فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ مذکورہ بالا دو مسئلوں (نکاح علی الید اور نکاح علی الجنایت) کے حکم کے مابین فرق صرف امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر مبنی ہے بہر حال صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں مسئلوں کا حکم ایک ہے۔

عبارت:

فان مات المقتص له بقطع قتل المقتص منه اى من قطع يده فاقتص له من اليد ثم مات فانه يقتل المقتص منه و عند ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ لا يقتل لانه لما اقدم على القطع قصاصا ابرأه عما وراء ه قلنا استيفاء القطع لا يوجب سقوط القود كمن له القود اذا قطع يد من عليه القود و ضمن دية النفس من قطع قود افسرى اى من له القصاص فى الطرف فاستوفاه فسرى الى النفس يضمن دية النفس عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ لان حقه فى القطع و قد قتل و عندهما لا يضمن شيئا لانه استوفى حقه و هو القطع و لا يمكنه التقييد بوصف السلامة لما فيه من سدباب القصاص و الاحتراز عن السراية ليس فى وسعه و ارش اليد من قطع يد مَن له عليه قود نفس فعفا عنه اى قطع ولى القتيل يد القاتل ثم عفا عن القتل ضمن دية اليد عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ لانه استوفى غير حقه لكن لا يجب القصاص للشبهة و عندهما لا يضمن شيئا لانه استحق اتلاف النفس بجميع

اجزائه فاتلف البعض فاذا عفا فهو عفو عما وراء هذا البعض فلا یضمن شیئا۔

ترجمہ:

اگر مقتص لہ (جس کے لیے قصاص لیا گیا) قطع کی وجہ سے مرگیا تو مقتص منہ (جس سے قصاص لیا گیا) کو بھی قتل کیا جائے گا یعنی جس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر اس کے لیے ہاتھ کا قصاص لیا گیا پھر وہ مرگیا تو مقتص منہ کو قتل کیا جائے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ جب اس نے قصاصا قطع پر اقدام کرلیا تو اس نے قطع کے علاوہ سے بری کر دیا۔ ہم نے کہا قطع کو وصول کرنا قصاص کے سقوط کو ثابت نہیں کرنا جیسا کہ وہ شخص جس کے لیے قصاص ہو جب وہ اس شخص کا ہاتھ کاٹ دے جس پر قصاص ہے اور نفس کی دیت کا ضامن ہوگا وہ شخص جس نے قصاصاً ہاتھ کاٹا پھر زخم سرایت کر گیا یعنی جس شخص کے لیے عضوء میں قصاص کا حق ہو پھر اس نے وہ قصاص وصول کرلیا پھر وہ نفس کی طرف سرایت کر گیا تو یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نفس کی دیت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس کا حق قطع میں ہے دراں حالکہ اس نے قتل کر دیا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کسی شئ کا ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ اس نے اپنا حق وصول کرلیا اور وہ قطع ہے اور سلامتی کے وصف سے مقید کرنا ممکن نہیں ہے کیوں کہ اس میں قصاص کے دروازے کو بند کرنا ہے اور سرایت سے احتراز کرنا اس کی وسعت میں نہیں ہے اور ہاتھ کاٹنے سے ہاتھ کے تاوان کا ضامن ہوگا وہ شخص جس کا کسی پر نفس کا قصاص ہو پھر وہ اس کو معاف کر دے یعنی مقتول کے ولی نے قاتل کا ہاتھ کاٹ دیا پھر قاطع نے قتل کو معاف کر دیا تو وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہاتھ کی دیت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے اپنے حق کے علاوہ وصول کیا ہے لیکن قصاص شبہے کی وجہ سے واجب نہیں ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی شئ کا ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ وہ نفس کو تمام اجزاء کے ساتھ ضائع کرنے کا مستحق ہے پس اس نے بعض اجزاء ضائع کیے اور جب اس نے معاف کیا تو یہ اس بعض کے علاوہ کو معاف کرنا ہے چناں چہ وہ کسی شئ کا ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:

فان مات المقتص له...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کا ہاتھ کاٹا پھر قصاصاً قاطع کا ہاتھ کاٹا گیا اس کے بعد پہلے شخص کا زخم سرایت کر جانے سے انتقال ہوگیا تو اب مقتص منہ (جس کا قصاصاً ہاتھ کاٹا گیا تھا) کو قتل کر دیا جائے گا البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتص منہ کو قتل نہیں کیا جائے گا کیوں کہ مقتص لہ نے جب قصاصاً ہاتھ کاٹا تھا تو اس نے اپنا حق وصول کرلیا تھا۔ قلنا استیفاء...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کو جواب دے رہے ہیں کہ مقتص لہ کا قطع کو وصول کرنا اس کو ثابت نہیں کرتا کہ مقتص لہ کا نفس کے قصاص میں حق ساقط ہوگیا لہٰذا مقتص لہ کے لیے مقتص منہ کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ ایک شخص کو قصاصاً قتل کیا جانا تھا لیکن مقتول کے وارث نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو اب ہاتھ کاٹنے سے قتل ساقط نہیں ہوگا بلکہ اس کو قتل بھی کیا جائے گا۔ (اس مسئلے میں علامہ ابن کمال اور صاحب اصلاح ولا ایضاح نے اشکال کیا ہے جو شامی اور تکملہ فتح القدیر میں مذکور ہے من شاء فلیراجعه۔ [شامی ۵۶۵/۶، تکملہ فتح القدیر: ۱۹۳/۹]

و ضمن دیة النفس...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ قاطع کا ہاتھ قصاصاً کاٹا گیا لیکن زخم سرایت کرنے سے قاطع کا انتقال ہوگیا تو اب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتص لہ نفس کی دیت کا ضامن ہوگا جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتص لہ کسی شئ کا ضامن نہ ہوگا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ مقتص لہ کا حق صرف ہاتھ کاٹنا تھا لیکن اس نے قاطع کو قتل کر دیا ہے لہٰذا اس پر ضمان ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ مقتص لہ نے اپنا حق وصول کیا ہے جو کہ ہاتھ
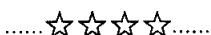
کاٹا ہے اور اس حق وصول کرنے کو اس کے ساتھ مقید کرنا ممکن نہیں ہے کہ ہاتھ کا زخم سرایت نہ کرے کیوں کہ اس صورت میں قصاص لینا ممکن نہ ہوگا جب کہ قصاص مشروع ہے پس معلوم ہوا کہ وصول قصاص کو مقید کرنا ممکن نہیں ہے۔

فائدہ:

مذکورہ اختلاف اس وقت ہے جب مقتص لہ نے حاکم کے فیصلے کے بغیر بذات خود قصاص لیا ہو اگر حاکم یا قاضی خود قصاص لیں تو سلامتی شرط نہیں ہے۔لہٰذا کوئی بھی ضامن نہ ہوگا۔

راجح قول:

مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ [تقریرات الرافعی:۶/۳۲۷]

ارش الید...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ولی مقتول نے قاتل کا ہاتھ کاٹا اور اس کو قتل معاف کر دیا تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولی مقتول ہاتھ کی دیت کا ضامن ہوگا کیوں کہ ولی کا حق قتل کرنا تھا جو کہ اس نے معاف کر دیا ہے چناں چہ ہاتھ کاٹنا اس کا حق نہیں تھا لہٰذا یہ اس کا ضامن ہوگا البتہ ولی کا ہاتھ قصاصاً نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ شبہ موجود ہے اور شبہ کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولی کسی شئی کا ضامن نہ ہوگا کیوں کہ ولی قاتل کو تمام اجزاء کے ساتھ قتل کرنے کا حق رکھتا ہے چناں چہ جب اس نے ہاتھ کاٹا تو اس نے بقیہ اجزاء کو ضائع کرنے سے معاف کر دیا لہٰذا یہ کسی شئی کا ضامن نہ ہوگا۔

......☆☆☆☆......

باب الشهادة فی القتل و اعتبار حالته

عبارت:

القود یثبت بدأ للورثة لا ارثا اعلم ان القصاص یثبت للورثة ابتداء عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ لانه یثبت بعد الموت والمیت لیس اهلا لان یملک شیئا الا ماله الیه حاجة کالمال مثلا فطریق ثبوته الخلافة و عندهما طریق ثبوته الوراثة والفرق بینهما ان الوراثة تستدعی سبق ملک المورث ثم الانتقال منه الی الوارث والخلافة لا تستدعی ذلک فالمراد بالخلافة هٰهنا ان یقوم شخص مقام غیره فی اقامة فعله ففی القتل اذا اعتدی القاتل علی المقتول فالحق ان یعتدی المقتول بمثل ما اعتدی علیه لکنه عاجز عن اقامته فالورثة قاموا مقامه من غیر ان المقتول ملکه ثم انتقل منه الی الورثة۔

ترجمہ:

قصاص ورثہ کے لیے ابتداءً ثابت ہوتا ہے نہ کہ ارثاً تو جان لے کہ قصاص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابتداءً ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ موت کے بعد ثابت ہوتا ہے اور میت کسی شئی کے مالک ہونے کی اہل نہیں ہے مگر اس شئی کی جس کی میت کو حاجت ہے جیسے مال پس اس کے ثابت ہونے کا طریقہ خلافت ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے ثابت ہونے کا طریقہ وراثت ہے اور ان دونوں کے مابین فرق یہ ہے کہ وراثت مورث کی ملکیت کے سابق ہونے کو چاہتی ہے پھر اس سے وارث کی طرف منتقل ہونا ہے اور خلافت اس کو نہیں چاہتی پس خلافت سے یہاں مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کا اس کام میں قائم مقام ہو پس قتل کی صورت میں جب قاتل نے مقتول پر تعدی کی تو حق یہ ہے کہ مقتول بھی اس کی مثل تعدی کرے جو قاتل نے مقتول پر کی لیکن وہ اس کے قائم کرنے سے عاجز ہے چناں ورثہ اس کے قائم مقام ہیں علاوہ ازیں کہ مقتول قصاص کا مالک بنا تھا پھر اس سے ورثہ کی طرف منتقل ہوا۔

تشریح:

اس باب میں قتل کے واقع پر گواہی دینے اور قتل کی حالت وقوع کے بارے میں بیان ہوگا۔

القود یثبت......اس عبارت میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مختلف فیہ اصول ذکر کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتول کے ورثہ قصاص کے ابتداً خلیفہ بنتے ہیں جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصاص کا ابتدائی حق مقتول کے لیے ہوتا ہے لیکن اس سے بطور وراثت ورثہ مالک بنتے ہیں یعنی امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ورثہ ہی قصاص کے اول مالک ہیں

مقتول کو اس میں دخل نہیں ہے جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلے مقتول قصاص کا حق دار ہوتا ہے پھر اس سے بطور وراثت اس کے اولیاء مالک بنتے ہیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لانہ یثبت ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ قصاص ایسا حق ہے جو مقتول کی موت کے بعد ثابت ہوتا ہے اور انسان مرنے کے بعد کسی شئ کا مالک نہیں رہتا مگر ایسی شئ کا مالک رہتا ہے جس کی میت کو ضرورت ہوتی ہے پس جب میت کسی شئ کی مالک نہیں بن سکتی تو ورثہ کے لیے قصاص ابتداء بطور خلافت ثابت ہوگا۔

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

ان کی دلیل یہ ہے کہ قصاص انسانی جان کا عوض ہے چناں چہ انسانی جان معوض ہے پس جو معوض کا مالک تھا وہی عوض (قصاص) کا مالک ہوگا یعنی مقتول مالک ہوگا لیکن پھر ورثہ قصاص کے بطور وراثت مالک بنیں گے۔ [العنایۃ:۹/۱۹۵]

فرق:

و الفرق بینهما...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے موقف کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ ورثہ قصاص کے مالک بطور وراثت بنتے ہیں چناں چہ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ پہلے حقِ قصاص مورث (مقتول) کے لیے ثابت ہو اور پھر مورث سے ورثہ کی طرف منتقل ہو جب کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ورثہ بطور خلافت مالک بنتے ہیں اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ورثہ قصاص کے ابتداءً مالک بنتے ہیں مورث ملک کو دخل نہیں ہے کیوں کہ خلافت سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کا کام کرنے میں قائم مقام بن جائے پس قتل کی صورت میں چوں کہ قاتل نے مقتول پر ظلم کیا ہے تو حق یہی ہے کہ مقتول بھی قاتل پر اسی طرح ظلم کرے لیکن چوں کہ مقتول عاجز ہے اس لیے یہ کام اس کے ورثہ بطور نائب ادا کریں گے نائب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے مقتول اس کا مالک بنا تھا پھر ورثہ اس کے نائب بنے ہیں بلکہ ورثہ ابتداءً ہی اس کے خلیفہ ہیں۔

عبارت:

ثم اذا ثبت هذا الاصل فرع علیه قوله فلا یصیر احدهم خصما عن البقیة اعلم ان کل ما یملکه الورثه بطریق الوراثة فاحدهم خصم عن الباقین ای قائم مقام الباقین فی الخصومة حتی ان ادعی احد الورثة شیئا من الترکة علی احد و اقام بینة یثبت حق الجمیع فلا یحتاج الباقون الی تجدید الدعوی و کذا اذا ادعی احد علی الورثة شیئا من الترکة و اقام البینة علیه یثبت علی الجمیع حتی لایحتاج المدعی الی ان یدعی علی کل واحد و ما یملکه الورثة لا بطریق الوراثة لا یصیر احدهم خصما عن الباقین ففرع علی هذا قوله فلو اقام حجة بقتل ابیه غائبا اخوه فحضر یعیدها ای فلو اقام احد الورثة بینة و اخوه غائب ان فلانا قتل اباه عمداً یرید القصاص ثم حضر اخوه یحتاج الی اعادة اقامة البینة عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ خلافا لهما و فی الخطاء و الدین لا ای اذا کان القتل خطاء لا یحتاج الی اعادة البینة لان موجبه المال و طریق ثبوته المیراث و فی الدین اذا اقام احد الورثة البینة ان لابیه علی فلان کذا فحضر اخوه لا یحتاج الی اقامة البینة فلو برهن القاتل علی عفو الغائب

فالحاضر خصم و سقط القود ای اذا كان بعض الورثة غائباً و البعض حاضرا افا قام القاتل البينة على الحاضر ان الغائب قد عفا فالحاضر خصم لانه يدعى على الحاضر سقوط حقه فى القصاص و انتقاله الى مال فيكون خصما و كذا لو قتل عبدين رجلين احدهما غائب اى عبد مشترک بين رجلين احدهما غائب قتل عمدا فادعى القاتل على الحاضر ان الغائب قد عفا فالحاضر خصم و سقط عنه القود. لما ذكرنا۔

ترجمہ:

پھر جب یہ اصول ثابت ہو گیا تو اس پر مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول کو متفرع کیا لہٰذا ورثہ میں سے ایک بقیہ کی طرف سے خصم نہ ہوگا تو جان لے کہ ہر وہ شئی جس کے ورثہ بطور وراثت مالک بنے ہوں تو ان میں سے ایک بقیہ کی طرف سے خصم ہوتا ہے یعنی خصومت میں باقیوں کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر ورثہ میں سے ایک شخص نے ترکے کی کسی شئی کا کسی پر دعویٰ کیا اور گواہی قائم کی تو تمام کا حق ثابت ہو جائے گا چناں چہ باقی ورثہ دعوے کی تجدید کے محتاج نہیں ہیں اور اسی طرح جب کسی ایک نے ورثہ میں سے کسی پر ترکے کی کسی شئی کا دعویٰ کیا اور اس نے ایک وارث کے خلاف گواہی قائم کی تو وہ گواہی تمام پر ثابت ہوگی لہٰذا مدعی ہر ایک کے خلاف دعویٰ کرنے کا محتاج نہیں ہے اور وہ شئی جس کے مالک ورثہ وراثت کے علاوہ کسی طریقے سے بنے ہوں تو ان میں سے ایک باقیوں کی طرف سے خصم نہ ہوگا چناں چہ اس پر مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کو متفرع کیا چناں چہ اگر مدعی نے اپنے باپ کے قتل کرنے کی گواہی قائم کی دراں حالیکہ اس کا بھائی موجود نہیں ہے پھر وہ حاضر ہوا تو وہ دوبارہ گواہی قائم کرے گا یعنی اگر ورثہ میں سے کسی ایک نے گواہی قائم کی دراں حالیکہ اس کا بھائی موجود نہیں ہے اس بات پر کہ فلاں نے اس کے باپ کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے وہ قصاص چاہتا ہے پھر اس کا بھائی حاضر ہوا تو وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوبارہ گواہی قائم کرنے کا محتاج ہے بر خلاف صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہے اور قتلِ خطاء اور دین کی صورت میں ضرورت نہیں ہے یعنی جب قتلِ خطاء ہو تو گواہی لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ اس کا موجب مال ہے اور اس کے ثبوت کا طریقہ میراث ہے اور دین ہے پھر اس کا بھائی حاضر ہوا تو وہ گواہی قائم کرنے کا محتاج نہیں ہے اور اگر قاتل نے غائب کے معاف کرنے پر گواہی قائم کی تو حاضر خصم ہوگا اور قصاص ساقط ہو گیا یعنی جب بعض وارث موجود نہ ہوں اور بعض حاضر ہوں تو قاتل نے حاضر پر اس بات کی گواہی قائم کی کہ غائب نے معاف کر دیا ہے تو حاضر ہے اس لیے کہ قاتل نے حاضر خصم پر قصاص میں اس کے حق کے ساقط ہونے کا اور اس کے مال کی طرف منتقل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ چناں چہ وہ خصم ہے اور اسی طرح اگر دو شخصوں کے مشترکہ غلام کو قتل کر دیا گیا کہ ان میں سے ایک موجود نہیں ہے یعنی ایسا غلام جو دو شخصوں کے درمیان مشترک ہے کہ ان میں سے ایک موجود نہیں ہے اس کو کسی نے جان بوجھ کر قتل کر دیا پھر قاتل نے حاضر پر اس بات کا دعویٰ کیا کہ غائب نے معاف کیا ہے تو حاضر خصم ہوگا اور قاتل سے قصاص اس وجہ سے ساقط ہو جائے گا جو ہم نے ذکر کی ہے۔

تشریح:

ماقبل والی عبارت میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مختلف فیہ اصول بیان کیا تھا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ورثہ قصاص کے مالک بطور خلافت ابتداءً بنتے ہیں جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ورثہ قصاص کے مالک بطور وراثت بنتے ہیں اب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق دو تفریعات پیش کر رہے ہیں ان تفریعات سے قبل ایک اصول مزید جان لیں۔

اصول:

ہر وہ شئی جس کے ورثہ بطور وارثت مالک بنیں تو ایسی صورت میں ان میں سے ایک بقیہ ورثہ کی طرف سے خصم بن سکتا ہے جیسا کہ ایک وارث نے کسی شخص پر دعویٰ کیا کہ میرے والد کے ترکے میں فلاں شئی تمہارے قبضے میں ہے اور اس پر گواہی بھی قائم کر دی تو اب یہ گواہی تمام ورثہ کی طرف سے مانی جائے گی چناں چہ دوسرے ورثہ کو دوبارہ دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح اگر ایک شخص نے ورثہ میں سے کسی ایک پر دعویٰ کیا کہ تمہارے والد کے ترکے میں فلاں شئی میری ہے اور اس پر گواہی قائم کی تو اب یہ گواہی تمام ورثہ کے خلاف ثابت ہوگی۔ لہٰذا مدعی کو ہر ایک کے خلاف دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کسی ایک کے خلاف دعویٰ کرنا تمام کے خلاف دعویٰ کرنا شمار ہوگا اور ہر وہ شئی جس کے ورثہ بطور خلافت مالک بنیں تو ایسی صورت میں ان میں سے ایک بقیہ ورثہ کی طرف سے خصم نہیں بن سکتا۔

پس یہاں تک دو اصول ثابت ہوئے ایک اصول یہ کہ ورثہ قصاص کے وارث بطور خلافت ابتداءً بنتے ہیں۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ جس شئی کے ورثہ بطور وراثت مالک بنیں تو اس میں ایک وارث بقیہ کی طرف سے خصم بن سکتا ہے اور اگر بطور خلافت وارث بنے ہوں تو ایک بقیہ کی طرف سے خصم نہیں بن سکتا ان دونوں اصولوں کو مدنظر رکھتے ہو مندرجہ ذیل دونوں تفریعات سمجھیں۔

پہلی تفریع:

فلا یصیر احدهم ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی تفریع بیان کی ہے کہ ایک شخص کو کسی نے قتل کر دیا اس کے تین بیٹے ہیں جو قصاص کے مالک ہیں ان میں سے دو بیٹے موجود نہیں ہے تو اب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چوں کہ ورثہ قصاص کے مالک بطور خلافت بنتے ہیں اور ورثہ جس کے وارث بطور خلافت بنیں تو اس صورت میں ایک وارث بقیہ ورثہ کی طرف سے خصم نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اس صورت میں بھی ایک وارث بقیہ کی طرف سے قصاص وصول نہیں کر سکتا۔

دوسری تفریع:

فلو اقام ...... سے وصف دوسری تفریع پیش کر رہے ہیں کہ جب یہ اصول ثابت ہو چکا کہ ورثہ قصاص کے وارث بطور خلافت بنتے ہیں اور جب ورثہ بطور خلافت کسی شئی کے مالک بنیں تو ایک وارث بقیہ کی طرف سے خصم نہیں بن سکتا چناں چہ اگر ایک شخص کو کسی نے قتل کر دیا اس کے دو بیٹے ہیں۔ ایک موجود نہیں ہے تو اس بیٹے نے جو موجود ہے قاتل کے خلاف قتل کا دعویٰ کیا اور اس پر گواہی قائم کی اور قصاص کا مطالبہ کیا تو قصاص نہیں لیا جائے گا البتہ مدعی علیہ کو قید کر لیا جائے گا پھر جب دوسرا بیٹا حاضر ہو تو اس سے گواہی کا مطالبہ کیا جائے گا اگر اس نے گواہی قائم کر دی تو قصاص لیا جائے گا۔

اب پہلی تفریع میں ایک وارث کے لیے قصاص وصول کرنا جائز نہیں اور دوسری تفریع میں دوسرے بھائی کو دوبارہ گواہی قائم کرنا ضروری ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک وارث قصاص بھی وصول کر سکتا ہے اور ایک وارث نے گواہی قائم کر دی تو دوسرے کو دوبارہ گواہی قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

و فی الخطاء ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر دو بھائیوں میں سے جو حاضر ہے اس نے کسی پر دعویٰ کیا کہ اس شخص نے مدعی کے باپ کو خطاءً قتل کیا اور اس پر گواہی قائم کی اور اس کے بعد دوسرا بھائی حاضر ہوا تو اس کو دوبارہ گواہی پیش کرنے کی حاجت نہیں ہے اور اسی طرح اگر ایک بھائی نے کسی پر دعویٰ کیا کہ میرے والد کا تم پر دین ہے اور اس پر گواہی قائم کی پھر دوسرا بھائی حاضر

ہوا تو اس کو دوبارہ گواہی قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ قتلِ خطاء کا موجب اور دین مال ہے اور مال ایسی شئی ہے جس کے ورثہ بطور وراثت مالک بنتے ہیں اور جس شئی کے ورثہ بطور وراثت مالک بنیں اس میں ایک وارث بقیہ کی طرف سے خصم بن سکتا ہے چناں چہ دوبارہ گواہی قائم کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

فلو برهن القاتل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ اگر قاتل نے اس بھائی کے خلاف جو موجود ہے اس بات پر گواہی قائم کردی کہ تمہارے دوسرے بھائی نے جو اس وقت موجود نہیں ہے مجھے معاف کردیا ہے تو اب موجود بھائی غیر موجود بھائی کی طرف سے خصم ہوگا اس لیے کہ قاتل نے حاضر پر ایسی بات کا دعویٰ کیا ہے جس کی وجہ سے اس کا حق قصاص سے ساقط ہورہا ہے اور مالک کی طرف منتقل ہورہا ہے چناں چہ اب حاضر بھائی غائب کی طرف سے خصم ہوگا اور اسی طرح اگر ایک غلام دو شخصوں کے مابین مشترک تھا پھر کسی نے اس کو عمداً قتل کردیا اور قاتل نے ایک شریک پر جو موجود ہے اس بات کا دعویٰ کیا کہ تمہارے دوسرے شریک نے جو اس وقت موجود نہیں ہے مجھے معاف کردیا ہے تو اب حاضر غائب کی طرف سے خصم ہوگا اور قصاص ساقط ہوجائے گا۔

عبارت:

فان شهد و لیاقود بعفو اخیهما بطلت و هی ای الشهادة عفو منهما فان صدقهما القاتل وحده فلکل منهم ثلث الدیة و ان کذبها فلا شئی لهما و للأخر ثلث الدیة و ان صدقهما الاخ فقط فله الثلث هکذا ذکر فی الهدایة و فیه نوع نظر لانه ان ارید بالشهادة حقیقتها فهی لا تکون بدون الدعوی و المدعی هو القاتل فکیف یکون تکذیب القاتل من اقسام المسئلة و ان ارید بالشهادة مجرد الاخبار لا یصح الحکم بالبطلان مطلقا اذ هو مخصوص بما اذا کذبهما و من الاقسام ما اذا صدقهما الاخ و حینئذ لا یبطل الاخبار وایضا الاقسام اربعة و لم یذکر الا الثلثة فالحق ان یقال فان اخبر و لیاقود بعفو اخیهما فهوعفو القصاص منهما فان صدقهما القاتل و الاخ فلا شئی له و لهما ثلثا الدیة و ان کذباهما فلا شئی للمخبرین ولا خیهما ثلث الدیة و ان صدقهما القاتل وحده فلکل منهم ثلث الدیة و ان صدقهما الاخ فقط فله ثلث الدیة اما الاول و هو تصدیقهما فالظاهر و اما الثانی و هو تکذیبهما فلان اخبارهما بعفو الاخ اقرار بان لاحق لهمافی القصاص فلا قصاص لهما و لا مال لتکذیب القاتل والاخ ثم للاخ ثلث الدیة لان حق المخبرین لما سقط فی القصاص سقط حق الاخ لعدم تجزیه وانتقل الی المال اذا لم یثبت عفوه لان الاخبار المخبرین بعفوه لم یصح لانهما یجر ان به نفعا و هو انتقال حقهما الی المال واما الثالث وهو تصدیق القاتل فقط فان للاخ ثلث الدیه لما ذکرنا و کذا لکل من المخبر بتصدیق القاتل فقط لان حقهما انتقل فی المال و اما الرابع و هو تصدیق الاخ فقط فهو الاستحسان والقیاس ان لا یکون علی القاتل شئی لان ما ادعاه المخبر ان علی القاتل لم یثبت لانکاره و ما اقر به القاتل للاخ یبطل بتکذیبه وجه الاستحسان ان القاتل بتکذیبه المخبرین اقربان لاخیهما ثلث الدیة لزعمه ان القصاص سقط بدعواهما العفو علی الاخ وانقلب نصیب الاخ مالا والاخ لما صدق المخبرین فی العفو فقد زعم ان نصیبهما انقلب مالا فصار مقرا لهما بما اقربه القاتل و وجهها مذکور فی الهدایة۔

ترجمہ:

اور اگر قصاص کے دوولیوں نے اپنے بھائی کے معاف کرنے کے بارے میں گواہی دی تو یہ باطل ہے اور وہ گواہی ان دونوں کی طرف سے معاف کرنا شمار ہوگی پھر اگر صرف قاتل نے ان کی تصدیق کی تو ان میں سے ہر ایک کو دیت کا ثلث ملے گا اور اگر قاتل نے ان دونوں کی تکذیب کی تو ان دونوں کے لیے کچھ نہیں ہے اور دوسرے کو دیت کا ثلث ملے گا اور اگر فقط بھائی نے تصدیق کی تو اس کے لیے ثلث ہے اسی طرح ''ھدایہ'' میں ذکر کیا گیا ہے اور اس میں نظر ہے اس لیے کہ اگر گواہی سے حقیقی گواہی مراد لی جائے تو وہ دعوے کے بغیر نہیں ہوتی اور مدعی قاتل ہے پس کس طرح قاتل کا تکذیب کرنا اس مسئلے کی اقسام میں سے ہے اور اگر شہادت سے صرف خبر دینا مراد لیا جائے تو مطلقاً بطلان کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ بطلان اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب قاتل ان دونوں کی تکذیب کرے اور اقسام میں سے وہ صورت ہے جب بھائی ان دونوں کی تصدیق کرے اور اس وقت خبر دینا باطل نہ ہوگا اور یہ بھی کہ اقسام چار ہیں اور مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین ہی ذکر کیں ہیں پس حق یہ ہے کہ یوں کہا جائے اور اگر قصاص کے دو ولی اپنے بھائی کے معاف کرنے کی خبر دیں تو یہ ان دونوں کی طرف سے قصاص معاف کرنا ہے اور اگر قاتل اور بھائی ان دونوں کی تصدیق کریں تو اس کے لیے کوئی شئی نہیں ہے اور ان دونوں کے لیے دیت کے دو ثلث ہیں اور اگر ان دونوں نے ان دونوں کی تکذیب کی تو خبر دینے والوں کے لیے کچھ نہیں ہے اور ان دونوں کے بھائی کے لیے دیت کا ثلث ہے اور اگر ان دونوں کی فقط قاتل نے تصدیق کی تو ان میں سے ہر ایک کے لیے دیت کا ثلث ہے اور اگر ان دونوں کی فقط بھائی نے تصدیق کی تو اس کے لیے دیت کا ثلث ہے۔ بہرحال پہلی صورت وہ ان دونوں کی تصدیق کرنا ہے ظاہر ہے اور بہر حال دوسری صورت اور وہ ان دونوں کی تکذیب کرنا ہے تو اس لیے کہ ان دونوں کا بھائی کی معافی کی خبر دینا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ ان دونوں کا قصاص میں کوئی حق نہیں ہے چناں چہ ان دونوں کے لیے قصاص نہیں ہے اور قاتل اور بھائی کی تکذیب کی وجہ سے مال نہیں ہے پھر بھائی کے لیے دیت کا ثلث ہے اس لیے کہ خبر دینے والوں کا جب قصاص میں حق ساقط ہوگیا تو بھائی کا حق قصاص کے لیے کافی نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہوگیا اور مال کی طرف منتقل ہو جائے گا کیوں کہ اس کا معاف کرنا ثابت نہیں ہوا اس لیے کہ مخبرین کا اس کی معافی کی خبر دینا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ وہ دونوں اس کی وجہ سے نفع کھینچتے ہیں اور وہ ان دونوں کے حق کا مال کی طرف منتقل ہونا ہے۔ بہرحال تیسری صورت اور وہ فقط قاتل کا تصدیق کرنا ہے تو بلاشبہ بھائی کے لیے دیت کا ثلث ہے اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کی اور اسی طرح فقط قاتل کی تصدیق کی وجہ سے ہر مخبر کے لیے ثلث ہے اس لیے کہ ان دونوں کا حق مال کی طرف منتقل ہوگیا اور بہرحال چوتھی صورت اور وہ فقط بھائی کا تصدیق کرنا ہے تو یہ استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ قاتل پر کوئی شئی نہ ہو اس لیے کہ جو دونوں مخبروں نے قاتل پر دعویٰ کیا ہے وہ اس کے انکار کی وجہ سے ثابت نہیں ہوا اور جس کا قاتل نے بھائی کے لیے اقرار کیا ہے وہ اس کی تکذیب کی وجہ سے باطل ہوگیا استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قاتل نے مخبرین کی تصدیق کی وجہ سے اس بات کا اقرار کرلیا کہ ان کے بھائی کے لیے دیت کا ثلث ہے قاتل کے اس بات کے گمان کی وجہ سے کہ قصاص ان دونوں کے بھائی پر معاف کرنے کے دعوے کی وجہ سے ساقط ہوگیا اور بھائی کا حصہ مال میں پلٹ گیا اور بھائی نے جب دونوں مخبرین کی معاف کرنے میں تصدیق کی تو بلاشبہ اس نے اس بات کا گمان کیا کہ ان دونوں کا حصہ مال میں پلٹ گیا ہے چناں چہ بھائی نے ان دونوں کے لیے اس شئی کا اقرار کیا جس کا قاتل نے اقرار کیا اور اس کی وجہ ''ھدایہ'' میں مذکور ہے۔

تشریح:

فان شهد وليا ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو مسئلہ بیان کیا ہے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذیل میں مصنف رحمہ اللہ

تعالیٰ پر ایک اعتراض اور اس مسئلے کی چار صورتیں تفصیل سے بیان فرمائی ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کو کسی نے قتل کر دیا زید کے تین بیٹے ہیں۔ خالد، بکر، خلیل اب خالد اور بکر نے یہ خبر دی کہ ان کے بھائی خلیل نے قاتل کو معاف کر دیا ہے تو یہ خبر دینا باطل ہے اور یہ خبر دینے سے ان دونوں کا قاتل کو معاف کرنا سمجھا جائے گا اب اگر ان دونوں کی قاتل اور بھائی دونوں نے تصدیق کی تو خلیل کو کچھ نہیں ملے گا البتہ ان دونوں کو دیت کے دو ثلث ملیں گے اور اگر قاتل اور خلیل نے دونوں بھائیوں کی خبر کو جھٹلایا تو اب دونوں بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا البتہ خلیل کو دیت کا ثلث ملے گا اور اگر ان دونوں کی صرف قاتل نے تصدیق کی تو تینوں بھائیوں میں سے ہر ایک کو دیت کا ثلث ملے گا اور اگر ان دونوں کی تصدیق صرف تیسرے بھائی یعنی خلیل نے کی تو خلیل کو دیت کا ثلث ملے گا۔ یہ کل چار صورتیں ہیں ان کی تفصیل آئے گی ہے۔

اعتراض:

هكذا ذكر في الهداية...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحب ھدایۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت پر اعتراض کر رہے ہیں کہ ان دونوں کی عبارتوں میں لفظ ''**فان شهد**'' مذکور ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ شہادت سے اگر حقیقی شہادت مراد لی جائے تو وہ دعوے کے بغیر نہیں ہوتی اور مذکورہ صورت میں مدعی قاتل ہے کیوں کہ تیسرے بھائی کے معاف کرنے کا ذکر ہے اور قاتل ہی دعویٰ کرے گا کہ اس نے معاف کیا ہے تا کہ قصاص ساقط ہو جائے گا اور قاتل نے دعویٰ نہیں کیا جب اس نے دعویٰ نہیں کیا تو گواہی بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ گواہی دعوے پر مرتب ہوتی ہے اور اگر قاتل نے دعوی کیا ہو تو قاتل کے ان دونوں کی تکذیب کرنے کی صورت کو اس مسئلے میں شمار کرنا کس طرح درست ہے؟ اور اگر شہادت سے صرف خبر دینا مراد لیا تو اس پر مطلقاً باطل ہونے کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ خبر دینا صرف اس صورت میں باطل ہوگا جب قاتل ان دونوں کی تکذیب کرے جب کہ بقیہ تین قسموں میں وہ قسم بھی ہے جب بھائی ان دونوں کی تصدیق کرے تو اس وقت خبر دینا باطل نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر شہادت سے حقیقی شہادت ہے تو وہ اس مسئلے میں مراد نہیں ہو سکتی اور اگر اس سے مراد محض خبر دینا ہے تو اس پر مطلقاً باطل ہونے کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔

و ایضا الاقسام......اس کی عبارت کی تشریح شروع میں گزر چکی ہے کہ اس مسئلے کی چار صورتیں ہیں۔

اما الاول...... یہاں سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ پہلی صورت کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ اس کا حکم جو گزرا کہ دونوں بھائیوں کو دو ثلث ملیں گے اور تیسرے کو کچھ نہیں ملے گا اس کی وجہ ظاہر ہے وہ یہ کہ جب تیسرے بھائی نے تصدیق کر دی کہ میں نے معاف کر دیا ہے تو اب اس کا دیت میں حصہ نہیں ہے اور جب تیسرے کا معاف کرنا ثابت ہو گیا تو اب بقیہ دونوں بھائی قصاص وصول نہیں کر سکتے۔ چناں چہ ہر ایک کو دیت کا ثلث ملے گا۔

و اما الثانی...... یہاں سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ دوسری صورت کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ جب دونوں بھائیوں کی دونوں (قاتل اور تیسرے بھائی) نے تکذیب کی تو دونوں بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا البتہ تیسرے کو دیت کا ثلث ملے گا۔ بہر حال ان کو کچھ نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ان دونوں نے اس بات کی خبر دی کہ ان کے بھائی نے قاتل کو معاف کر دیا ہے تو انہوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ ان دونوں کا قصاص میں حق نہیں ہے کیوں کہ جب ایک بھائی نے معاف کر دیا ہے تو بقیہ قصاص نہیں لے سکتے البتہ دیت ملے گی لیکن جب قاتل اور بھائی دونوں نے ان کی خبر کی تکذیب کی تو دیت بھی نہ ملے گی البتہ تیسرے بھائی کو دیت کا ثلث ملے گا کیوں کہ دو بھائیوں کا حق قصاص میں ساقط ہو گیا تو یہ تیسرا بھی قصاص وصول نہیں کر سکتا اور اس کا حق دیت کی طرف منتقل ہو گیا ہے کیوں کہ اس کا معاف کرنا ثابت نہیں ہوا

اس لیے کہ دونوں بھائیوں کی اس کی معافی کی خبر دینا صحیح نہیں تھی کہ وہ اس خبر کے ذریعے اپنا نفع حاصل کرنا چاہتے تھے کہ قصاص کی بجائے مال حاصل ہو جائے گا۔

و اما الثالث ...... یہاں سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ تیسری صورت کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ جب ان دونوں کی فقط قاتل نے تصدیق کی اور تیسرے بھائی نے ان کی تکذیب کی تو اب ہر ایک کے لیے دیت کا ایک ایک ثلث ہے۔ بہر حال تیسرے بھائی کو ثلث اس وجہ سے ملے گا کہ اس نے ان دونوں کی تکذیب کی ہے کہ اس نے معاف نہیں کیا اور بقیہ دونوں کو دو ثلث اس وجہ سے ملیں گے کہ ان دونوں کی قاتل نے تصدیق کی ہے اور اس کی تصدیق کی وجہ سے ان کا حق قصاص سے مال کی طرف منتقل ہو گیا۔

اما الرابع ...... یہاں سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ چوتھی صورت کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ جب ان دونوں کی فقط تیسرے بھائی نے تصدیق کی اور قاتل نے ان کی تکذیب کی تو اب صرف تیسرے بھائی کو ایک ثلث ملے گا بقیہ دونوں کو کچھ نہیں ملے گا یہ استحسان ہے اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ تیسرے بھائی کو بھی کچھ نہیں ملے گا یہ استحسان ہے اور قیاسی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ دونوں بھائیوں نے جو قاتل پر دعویٰ کیا تھا کہ اس کے ذمے قصاص نہیں بلکہ دیت ہے وہ قاتل کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ثابت نہیں ہوا اور قاتل نے تیسرے بھائی کے لیے جو اقرار کیا تھا وہ اس کے انکار کرنے کی وجہ سے باطل ہو گیا۔ وجه الاستحسان ...... استحسانی دلیل یہ ہے کہ جب قاتل نے دونوں بھائیوں کی تکذیب کی تو اس نے تیسرے بھائی کے لیے دیت کے ثلث کا اقرار کر لیا کیوں کہ اس کا گمان یہ ہے کہ جب دونوں بھائیوں نے تیسرے بھائی کی معافی کی خبر دی تو قصاص ساقط ہو گیا اور تیسرے بھائی کا حصہ دیت میں تبدیل ہو گیا اور تیسرے بھائی نے جب دونوں کی تصدیق کر دی تو اس نے یہ گمان کیا کہ ان کے بھائیوں کا حصہ مال میں تبدیل ہو گیا چناں چہ اس بھائی نے ان دونوں کے لیے اس شئی کا اقرار کیا جس کا قاتل نے اقرار کیا، اس کی مزید وضاحت ھدایہ اور اس کی شروحات میں ہے۔

راجح قول:

چوتھی صورت میں جو ذکر کیا گیا کہ دیت کا ثلث تیسرے بھائی کے لیے ہے اس میں اصح بات یہ ہے کہ ثلث تیسرے بھائی کو نہیں ملے گا بلکہ وہ ثلث دونوں بھائیوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ جنہوں نے خبر دی تھی۔ [درمختار:۵۶۹/۶، شامی:۵۶۹/۶، الکفایہ:۱۹۷/۹]

عبارت:

و ان اختلف شاهدا القتل فی زمانه اومكانه او الته او قال شاهد قتله بعضًا و قال الأخر جهلت الة قتله لغت و ان شهدا بقتله و قالا جهلنا الته تجب الدية القياس ان لا يجب شئی لان حكم القتل يختلف باختلاف الألة و وجه الاستحسان انهم شهد و ابمطلق القتل والمطلق ليس بمجمل فيثبت اقل من موجبه و هو الدية و تجب فی ماله لانه الاصل فی القتل العمد فلا يحتمله العاقلة و ان اقر كل من الرجلين بقتل زيد و قال الولی قتلتماه فله قتلهما و لو قامت بينة بقتل زيد عمرو او اخر بقتل بكراياه و ادعی الولی قتلهما لغتا لان فی الثانی تكذيب المشهود له الشاهد فی بعض ما شهد له و هذا يبطل شهادته لان التكذيب تفسيق و فی الاول تكذيب المقر له المقر فی بعض ما اقر به و هو انفراده فی القتل و هذا لا يبطل الاقرار والعبرة لحالة الرمی لا للوصول فيجب الدية علی من رمی مسلما فارتد فوصل هذا عند ابی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و عندهما لا يجب شئی اذ بالارتداد سقط تقومه فصار مبريا للرامی عن موجبه كما اذا ابرأ بعد الجرح قبل الموت له ان المرمی اليه حالة

الرمی متقوم و القیمة لسید عبد رمی الیه فاعتقه فوصل هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ و قال محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ فضل ما بین قیمته مرمیا الی غیر مرمی و الجزاء علی محرم رمی صیدا فحل فوصل لا علی حلال رماه فاحرم فوصل و لا یضمن من رمی مقضیا علیه برجم فرجع شاهده فوصل و حل صید رماه مسلم فتمجس نعوذ باللّٰه فوصل لا مار ماه مجوسی فاسلم فوصل لان المعتبر حالة الرمی۔

ترجمہ:

اور اگر قتل کے دو گواہوں کا قتل کے زمانے یا مکان یا اس کے آلے میں اختلاف ہو گیا یا ایک گواہ نے کہا کہ فلاں نے اس کو لاٹھی کے ساتھ قتل کیا اور دوسرے نے کہا میں اس کے قتل کا آلہ نہیں جانتا تو گواہی لغو ہو جائے گی اور اگر ان دونوں نے اس کے قتل کی گواہی دی اور ان دونوں نے کہا ہم قتل کا آلہ نہیں جانتے تو دیت واجب ہوگی۔ قیاس یہ ہے کہ واجب نہ ہو اس لیے کہ قتل کا حکم آلے کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مطلق قتل کی گواہی دی ہے اور مطلق مجمل نہیں ہے، چناں چہ اس کا اقلِ موجب ثابت ہوگا اور وہ دیت ہے اور دیت اس کے مال میں واجب ہوگی اس لیے کہ قتل میں اصل عمد ہے، چناں چہ عاقلہ اس کو برداشت نہیں کرے گی اور اگر دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے زید کو قتل کرنے کا اقرار کیا اور ولی نے کہا تم دونوں نے اس کو قتل کیا تو ولی کے لیے ان دونوں کو قتل کرنا جائز ہے اور اگر زید کے عمرو کو قتل کرنے کی گواہی قائم ہوئی اور دوسری گواہی بکر کے عمرو کو قتل کرنے کی قائم ہوئی اور ولی نے ان دونوں کے قتل کرنے کا دعویٰ کیا تو دونوں گواہیاں لغو ہو جائیں گی اس لیے کہ دوسری میں مشہود لہ کا شاہد کو اس بعض گواہی میں جھٹلانا پایا جا رہا ہے جو گواہ نے اس کے لیے دی ہے اور یہ جھٹلانا اس کی گواہی کو باطل کرتی ہے اس لیے کہ تکذیب فسق ہے اور پہلی میں مقرلہ کا مقر کو اس بعض اقرار میں جھٹلانا ہے جس کا مقر نے اقرار کیا ہے اور وہ اس کا قتل کرنے میں تنہا ہونا ہے اور یہ اقرار کو باطل نہیں کرتا اور اعتبار حالتِ رمی کا ہے پہنچنے کا نہیں ہے۔ چناں چہ اس شخص پر دیت واجب ہوگی جس نے مسلمان کو تیر مارا پھر مرتد ہو گیا پھر وہ تیر پہنچا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہوگا اس لیے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا تقوم ساقط ہو گیا چناں چہ یہ رامی کو اس کے موجب سے تیر بری کرنے والا ہے جیسا کہ جب مجروح شخص زخم کے بعد موت سے پہلے اس کو بری کر دے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ جس کی طرف تیر مارا گیا ہے وہ حالتِ رمی کے وقت متقوم ہے اور اس غلام کے آقا کے لیے قیمت واجب ہوگی جس کی طرف تیر مارا گیا پھر آقا نے اس کو آزاد کر دیا پھر تیر پہنچا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ زیادتی واجب ہوگی جو مرمی الیہ غلام کی قیمت سے غیر مرمی الیہ غلام کی قیمت کے درمیان ہو اور اس محرم پر جزا واجب ہوگی جس نے شکار کو تیر مارا پھر محرم حلال ہو گیا پھر وہ تیر پہنچا نہ کہ اس حلال شخص پر جس نے شکار کو تیر مارا پھر محرم ہوا پھر وہ تیر پہنچا اور وہ شخص ضامن نہیں ہوگا جس نے تیر مارا دراں حالکہ اس پر رجم کا فیصلہ کیا جا چکا تھا پھر اس کے گواہ نے رجوع کیا پھر تیر پہنچا اور وہ شکار حلال ہے جس کو مسلمان نے تیر مارا پھر وہ ''نعوذ باللّٰہ'' مجوسی ہو گیا پھر تیر پہنچا نہ کہ وہ شکار جس کو مجوسی نے تیر مارا پھر وہ مسلمان ہوا پھر وہ تیر پہنچا اس لیے کہ معتبر رمی کی حالت ہے۔

تشریح:

و ان اختلف شاهدا...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ قتل کے گواہوں کے اختلاف ہونے کی صورتیں بیان کر رہے ہیں۔

صحیح عبارت:

بندہ کے سامنے شرح الوقایہ کا جو نسخہ ہے اس میں یہ عبارت ہے۔''او قال شاهد قتله بعضا ''اس میں کاتب سے غلطی ہوئی ہے صحیح عبارت یوں او قال شاهد قتله بعصا یعنی یہ لفظ''عصاء'' ہے۔

چناں چہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گواہوں کا قتل کے زمانے میں اختلاف ہو گیا ایک نے کہا اس کو جمعے کے دن قتل کیا گیا اور دوسرے نے کہا اس کو بدھ کے دن قتل کیا گیا یا دونوں کا قتل کی جگہ میں اختلاف ہو گیا ایک نے کہ اس کو کراچی قتل کیا گیا دوسرے نے اس کو لاہور قتل کیا گیا یا قتل کے آلے میں اختلاف ہو گیا ایک نے کہا اس کو تلوار سے قتل کیا گیا دوسرے نے کہا اس کو نیزے سے قتل کیا گیا تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیوں کہ زمانے، آلے، مکان کے اختلاف سے قتل مختلف ہو جاتا ہے اور ایک شخص کا قتل مختلف طرح ممکن نہیں ہے اسی طرح اگر ایک گواہ نے کہا اس کو لاٹھی سے قتل کیا گیا دوسرے نے کہا مجھے قتل کے آلے کا علم نہیں تو بھی گواہی لغو ہوگی۔

و ان شهدا بقتله......یعنی اگر دو گواہوں نے قتل کی گواہی دی لیکن دونوں نے کہا ہمیں قتل کے آلے کا علم نہیں ہے تو اب قاتل پر دیت واجب ہوگی یہ استحسان ہے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ قاتل پر کچھ واجب نہ ہو اس لیے کہ قتل کا حکم آلے کے بدلنے سے بدل جاتا ہے چناں چہ مشہود بہ مجہول ہے جب مشہود بہ مجہول ہے تو قاتل پر کچھ واجب نہ ہوگا البتہ استحسانی دلیل یہ ہے کہ گواہوں نے مطلق قتل کی گواہی دی ہے اور مطلق مجمل نہیں ہے یعنی مطلق پر عمل کیا جاتا ہے مجمل پر عمل نہیں کیا جاتا، جب یہ مطلق قتل کی گواہی ہے تو اس پر فیصلہ کیا جائے گا چناں چہ قتل کا سب سے اقل موجب جو کہ دیت ہے وہ ثابت ہوگی اور قاتل کے مال سے ہوگی کیوں کہ قتل میں اصل یہی ہے کہ وہ عمد ہوتا ہے، چناں چہ عاقلہ کے ذمے اس کی دیت نہ ہوگی۔

فائدہ:

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت''لانه الاصل فى القتل العمد''میں''لانه کی''ہ''ضمیر شان ہے اور''ان''کی خبر''العمد''ہے یعنی قتل میں اصل عمد ہے۔

و ان اقر......سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ دو مسئلے بیان کر رہے ہیں جو ایک ایک اصول پر مبنی ہیں۔

اصول:

اصول یہ ہے کہ اگر مقر لہ اپنے مقر کو اس کے بعض اقرار میں جھٹلا دے تو باقی اقرار باطل نہ ہوگا جیسے ایک شخص نے کسی کے لیے ایک ہزار روپے کا اقرار کیا تو مقر لہ نے پانچ سو روپے کی تکذیب کر دی تو بقیہ پانچ سو روپے میں اقرار باقی رہے گا البتہ اگر مشہود لہ نے شاہد کو بعض گواہی میں جھٹلا دیا تو ساری گواہی باطل ہو جائے گی۔ [العنایہ:۹/۲۰۰]

اب پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو شخصوں میں سے ہر ایک نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے زید کو قتل کیا ہے اور زید کے ولی نے کہا کہ تم دونوں نے زید کو قتل کیا ہے تو اب دونوں کو قتل کیا جائے گا اور اگر دو شخصوں نے اس بات کی گواہی دی کہ زید نے عمرو کو قتل کیا ہے اور دوسرے دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ بکر نے عمرو کو قتل کیا ہے اور ولی نے کہا کہ زید اور بکر دونوں نے قتل کیا ہے تو اب دونوں گواہیاں باطل ہو جائیں گی۔ پہلی صورت میں چوں کہ دونوں نے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اس نے تنہا زید کو قتل کیا ہے اور ولی نے اس کو جھٹلایا اور کہا تم دونوں نے اکٹھے قتل کیا ہے تو اس سے اقرار باطل نہیں ہوا چناں چہ دونوں کو قتل کیا جائے گا اور دوسری صورت میں چوں کہ دونوں گواہیاں الگ الگ ہیں اور ولی نے ہر گواہی کا بعض جھٹلایا تو اس سے ہر ایک گواہی باطل ہو گئی کیوں کہ گواہ کو جھٹلانا اس کو فاسق بناتا ہے اور فاسق کی

گواہی قبول نہیں ہوتی۔

والعبرة لحالة ...... مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس باب پر دو اجزاء والا عنوان لگایا تھا پہلا جزء''**الشهادة فی القتل**'' تھا اس عنوان کے متعلق مسائل گزر چکے ہیں اور دوسرا جزء''**واعتبار حالته**'' تھا اس کے متعلق چند مسائل یہاں سے بیان کر رہے ہیں۔ **والعبرة لحالة** ...... سے یہ اصول بیان کیا کہ ضمان اور حلت کے حق میں اعتبار تیر مارتے وقت کی حالت کا ہے تیر پہنچنے کے وقت کی حالت کا اعتبار نہیں ہے۔اب اس اصول پر چند تفریعات پیش کی ہیں۔

پہلی تفریع یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی مسلمان کو تیر مارا اب تیر لگنے سے قبل وہ شخص مرتد ہو گیا۔**العیاذ باللہ**۔اور پھر اسے تیر لگا اور وہ مر گیا تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیت واجب ہوگی کیوں کہ ضمان کے حق میں تیر مارنے کے وقت کی حالت کا اعتبار ہے اور تیر مارنے کے وقت یہ شخص مسلمان تھا چناں چہ دیت واجب ہوگی جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیر مارنے والے کے ذمے کچھ واجب نہیں ہے کیوں کہ جب سامنے والا شخص مرتد ہو گیا تو مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا تقوم ساقط ہو گیا چناں چہ اس نے تیر مارنے والے کو اس کے موجب (قصاص یا دیت) سے بَری کر دیا جیسا کہ جب مرمی الیہ تیر مارنے والے کو زخمی ہونے کے بعد مرنے سے قبل معاف کر دے تو اس کے ذمے سے ضمان ساقط ہو جاتا ہے۔

دوسری تفریع یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کے غلام کو تیر مارا اور تیر لگنے سے قبل اس کے آقا نے اس کو آزاد کر دیا پھر اس کو تیر لگا تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غلام کی قیمت رامی پر واجب ہے کیوں کہ تیر مارتے وقت وہ غلام تھا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیکھا جائے گا جس غلام کے تیر مارا گیا اس کی قیمت تیر لگنے کے بعد کتنی ہے اور اگر اس کے تیر نہ لگتا تو اس کی قیمت کتنی ہوتی مثلاً تیر لگنے سے قبل ہزار روپے اور تیر لگنے کے بعد آٹھ سو روپے ہوگی تو اب دونوں کے درمیان والی رقم یعنی دو سو روپے کا ضامن ہوگا۔ [العنایہ:۹/۲۰۱]

تیسری تفریع یہ ہے کہ ایک شخص نے حالتِ احرام میں کسی شکار کو تیر مارا اور تیر لگنے سے قبل وہ حلال ہو گیا پھر اس شکار کو تیر لگا تو اب شکار کی جزاء واجب ہوگی کیوں کہ تیر مارتے وقت یہ شخص محرم تھا البتہ اگر ایک حلال شخص نے کسی شکار کو تیر مارا اور تیر لگنے سے قبل وہ محرم ہو گیا اور پھر اس کے تیر لگا تو اب اس کے ذمے جزاء واجب نہیں ہے کیوں کہ تیر مارتے وقت یہ حلال تھا۔

چوتھی تفریع یہ ہے کہ ایک شخص پر رجم کا فیصلہ کر دیا گیا اور اس کو کسی نے تیر مارا اور تیر لگنے سے قبل اس زانی کے گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا اور پھر زانی کو تیر لگا تو اب تیر مارنے والا ضامن نہ ہوگا کیوں کہ تیر مارتے وقت زانی کا خون حلال تھا۔

پانچویں تفریع یہ ہے کہ ایک مسلمان نے شکار کو تیر مارا اور تیر لگنے سے قبل وہ مجوسی ہو گیا **العیاذ باللہ** اور پھر تیر لگا تو یہ شکار حلال ہے کیوں کہ حالت رمی کے وقت یہ مسلمان تھا البتہ اگر کسی مجوسی نے شکار کو تیر مارا اور تیر لگنے سے قبل مسلمان ہو گیا اور پھر تیر لگا تو اب یہ شکار حلال نہیں ہے کیوں کہ حلت میں اعتبار حالتِ رمی کا ہے اور اس وقت یہ مجوسی تھا جس کا شکار حرام ہے۔

......☆☆☆☆☆......

کتاب الدیات

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الدیات کو کتاب الجنایات سے موخر کیا اس میں ظاہری مناسبت یہ ہے کہ جنایت کے دو موجبوں میں سے ایک دیت ہے لیکن چوں کہ قصاص سخت موجب ہے اس وجہ سے اس کو مقدم کیا۔

کتاب الدیات سے قبل چند باتیں بطور تمہید جان لیں۔

لغوی معنی:

''الدیة، ودی'' کا مصدر ہے۔

شرعی معنی:

دیت اس مال کو کہا جاتا ہے جو انسانی جان یا عضو کے بدلے دیا جائے۔

رکن:

اس کا رکن ''اداء کرنا'' ہے۔

شرط:

اس کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ مقتول معصوم الدم ہو۔

مشروعیت کی دلیل:

اس کے مشروعیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے من قتل مومنا خطاء فتحریر رقبة مومنة و دیة مسلمة الی اهله.

[النساء:۹۱۴]

فائدہ:

دیت کا فائدہ یہ ہے کہ زمین سے فساد ختم ہو اور ولی مقتول کا غصہ ختم ہو۔ [بحر الرائق:۹/۷۵]

عبارت:

الدية من الذهب الف دينار و من الورق عشرة الأف درهم و من الابل مائة و هذه فی شبه العمد اربا ع من بنت مخاض و بنت لبون و حقة و جذعة و هی المغلظة و فی الخطاء اخماس منها و من ابن مخاض الدية عند ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ لا تكون الامن هذه الاموال الثلثة و قالا منها و من البقر مائتا بقرة و من الغنم الفا شاة

و من الحلل مائتا حلة كل حلة ثوبان لان عمر رضی الله عنه جعل على اهل كل مال منها و له ان هذه الاشياء مجهولة فلا يصح بها التقدير و لم يرد فيها اثر مشهور بخلاف الابل و عند الشافعی رحمه الله تعالىٰ من الورق اثنا عشر الف درهم ثم الدية المغلظه عند ابی حنيفة رحمه الله تعالىٰ و ابی يوسف رحمه الله تعالىٰ خمس و عشرون بنت مخاض و هی التی تمت عليها حول و خمس و عشرون بنت لبون و هی التی تمت عليها حولان و خمس و عشرون حقة و هی التی تمت عليها ثلث سنين و خمس و عشرون جذعة و هی التی تمت عليها اربع سنين و عند محمد و الشافعی رحمهما الله تعالىٰ ثلثون حقة و ثلثون جذعة و اربعون ثنية كلها خلفات فی بطونها اولادها الثنية التی تمت عليها خمس سنين و الخلفة التی فی بطنها ولد مضت عليه ستة اشهر و التغليظ مختلف فيه بين الصحابة رضی الله عنهم و نحن اخذنا بقول ابن مسعود رضی الله عنهما و دية الخطاء عندنا عشرون ابن مخاض و هو ذكر تمت عليه حول و من الاصناف الاربعة المذكورة عشرون عشرون و عند الشافعی رحمه الله تعالىٰ عشرون ابن لبون مكان ابن مخاض۔

ترجمہ:

دیت سونے میں سے ہزار دینار اور چاندی میں سے دس ہزار دراہم اور اونٹ میں سے سو اونٹ ہے اور یہ شبہ عمد میں چار قسموں سے ہوتی ہے بنت مخاض سے اور بنت لبون سے اور حقہ سے اور جذعہ سے اور یہ دیت مغلظہ ہے اور قتل خطاء میں پانچ اقسام سے ہوگی ان چار سے اور ابن مخاض سے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیت ان تین اموال سے ہی ہوتی ہے اور صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تین سے ہوتی ہے اور گائیوں سے دو سو گائے اور بکریوں سے ہزار بکریاں اور جوڑوں سے دو سو جوڑے ہر جوڑے میں دو کپڑے ہوں اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ہر مال والے پر دیت مقرر کی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ یہ اشیاء مجہول ہیں چناں چہ ان کو مقرر کرنا صحیح نہیں ہے اور ان کے بارے میں مشہور اثر وارد نہیں ہوا برخلاف اونٹ کے ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چاندی میں سے بارہ ہزار دراہم ہیں پھر دیت مغلظہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پچیس بنت مخاض ہیں اور بنت مخاض وہ ہے جس پر ایک سال پورا ہوا ہو اور پچیس بنت لبون ہیں اور بنت لبون وہ ہے جس پر دو سال پورے ہوئے ہوں اور پچیس حقہ ہیں اور حقہ وہ ہے جس پر تین سال پورے ہوئے ہوں اور پچیس جذعہ ہیں اور جذعہ وہ ہے جس پر چار سال پورے ہوئے ہوں اور امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیس حقہ ہیں اور تیس جذعہ ہیں اور چالیس ثنیہ ہیں جو ساری کی ساری خلفات ہوں جن کے پیٹ میں ان کی اولاد ہو۔ ثنیہ وہ ہے جس پر پانچ سال پورے ہوئے ہوں اور خلفہ وہ ہے جس کے پیٹ میں ایسا بچہ ہو جس پر چھ ماہ گزر چکے ہوں اور تغلیظ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف رہا ہے اور ہم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کو لیا اور قتل خطاء کی دیت بیس ابن مخاض ہیں اور ابن مخاض وہ مذکر جانور ہے جس پر ایک سال پورا ہوا ہو اور مذکورہ چار اقسام سے بیس بیس ہوں گے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابن مخاض کی جگہ بیس ابن لبون ہوں گے۔

تشریح:

الدية من الذهب......اس عبارت میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے قتلِ شبہ عمد اور قتل خطا کی دیت کی تفصیل بیان کی ہے۔

یہ بات جان لیں کہ قتل شبہ عمد میں دیت مختلف اموال سے دی جاتی ہے البتہ اگر اونٹوں سے دیت ادا کی جائے تو اس صورت

میں یہ دیت مغلظہ ہوگی۔

دیت مغلظہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ سواونٹ دیئے جائیں جو چار اقسام پر مشتمل ہوں۔ پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جذعہ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیت مغلظ یہ ہے کہ سواونٹ تین قسم پر مشتمل ہوں۔ تیس حقہ اور تیس جذعہ اور چالیس ثنیہ جو تمام چھ مال کے حمل سے ہوں دیت مظلظہ کے درمیان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف رہا ہے حضرت عمر اور حضرت زید اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا مذہب وہی ہے جو امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے مذہب کو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا۔ مزید تفصیل ھدایہ اور اس کی شروحات میں ہے اور اگر قتل خطاء کی دیت اونٹوں سے ادا کی جائے تو احناف کے نزدیک پانچ اقسام کے اونٹ ہوں گے۔ بیس ابن مخاض، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس جذعہ اور بیس حقہ ہوں گے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیس ابن مخاض کے بجائے بیس ابن لبون ہوں گے۔

مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے جب قتلِ شبہ عمد اور قتل خطاء کی دیت اونٹوں سے ادا کی جائے اور اگر اس کے علاوہ اموال سے ادا کی جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سونے سے ایک ہزار دینار اور چاندی سے دس ہزار ادا کرنے ہوں گے اور ان تین اموال (اونٹ، سونا، چاندی) کے علاوہ قتلِ شبہ عمد کی دیت ادا نہیں کی جاسکتی۔

جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذکورہ تین اموال کے علاوہ اس کی دیت گائیوں سے دوسو گائے جوثنی ہوں یا بکریوں سے ہزار بکریاں جوثنی ہوں یا یمنی کپڑوں سے دوسو جوڑے ہوں ہر جوڑا دو کپڑوں پر مشتمل ہو ان سب سے دیت ادا کی جاسکتی ہے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان اموال والوں پر ان کے مالوں سے اسی طرح دیت واجب کی تھی۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ تین اموال (گائے، بکری کپڑے) ایسے ہیں جن کی قیمت مجہول ہے۔ چناں چہ ان کے ساتھ دیت مقرر کرنا صحیح نہیں ہے اور گائے اور بکری کے بارے میں مشہور حدیث بھی وارد نہیں ہے جس طرح اونٹوں کے بارے میں احادیث ہیں چناں چہ ہم نے اونٹوں سے دیت لینا درست قرار دی ہے اگر چہ یہ بھی مجہول شئی ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کی دیت اگر چاندی سے دی جائے تو بارہ ہزار دراہم دیے جائیں گے۔

فائدہ:

قتل شبہ عمد کی دیت کے بارے میں کتب فقہ کی عبارات مختلف ہیں جس پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحث کی ہے۔

[من شاء فلیراجعہ:۶/۵۷۴]

عبارت:

و كفارتها عتق مومن فان عجز عنه صام شهرين ولاء ولا اطعام فيها لانه لم يرد به النص و صح رضيع احد ابويه مسلم لانه يكون مومنا بالتبعية لا الجنين و للمرأة نصف ما للرجل فى دية النفس و ما دونها هذا عندنا و عند الشافعي رحمه الله تعالىٰ ما دون الثلث لا ينص وللذمى ما للمسلم هذا عندنا و عند الشافعي رحمه الله تعالىٰ دية اليهودية و النصراني اربعة الأف درهم و دية المجوسي ثمان مائة درهم عند مالك رحمه الله تعالىٰ دية اليهودى و النصرانى نصف دية المسلم و دية المسلم عنده اثنا عشر الف درهم و فى النفس و الانف

والذكر الحشفة و العقل و الشم والذوق والسمع و البصر واللسان ان منع النطق او اداء اكثر الحروف ولحية حلقت فلم تنبت و شعر الراس الدية اى الدية الكاملة و عند مالك والشافعى رحمهما اللّٰه تعالىٰ يجب فى اللحية و شعر الراس حكومة العدل كما فى اثنين مما فى البدن اثنان و فى احدهما نصفها و كما فى اشفار العينين و فى احدها ربعها فى كل اصبع يد او رجل عشرها و فى كل مفصل من اصبع فيها مفاصل ثلث عشرها و مما فيه مفصلان نصف عشرها كما فى كل سن فان فيها نصف العشر لما كان عدد الاسنان اثنين و ثلاثين فينبغى ان يجب فى كل سن ربع ثمن الدية فما الحكمة فى وجوب نصف العشر فيخطر ببالى ان عدد الاسنان و ان كان اثنين و ثلاثين فالاربعة الاخيرة و هى اثنان الحلم قد لا تنبت لبعض الناس و قد تنبت لبعض الناس بعضها و للبعض كلها فالعدد المتوسط للانسان ثلاثون ثم للاسنان منفعتان الزينة و المضغ فاذا سقط سن يبطل منفعتها بالكلية و نصف منفعة السن التى تقابلها و هو منفعة المضغ و ان كان النصف الأخر الزينة باقية و اذا كان العدد المتوسط ثلثين فمنفعة السن الواحدة ثلث العشر و نصف المنفعة سدس العشر و مجموعهما نصف العشر واللّٰه اعلم بالحقيقة و كل عضو ذهب نفعه بضرب ففيه دية كيد شلت و عين عميت۔

ترجمہ:

اور دونوں کا کفارہ مومن غلام کو آزاد کرنا ہے چناں چہ اگر وہ اس سے عاجز ہو تو دو ماہ روزے پے در پے رکھے اور اس میں کھانا کھلانا نہیں ہے اس لیے کہ اس کے بارے میں نص وارد نہیں ہوا اور ایسا دودھ پیتا بچہ بھی صحیح ہے جس کے والدین میں سے ایک مسلمان ہو اس لیے کہ وہ تبعاً مومن ہے جنین کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے اور عورت کی نفس اور اس کے علاوہ میں دیت مرد کی دیت کا نصف ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو دیت ثلث سے کم ہو وہ نصف نہ کی جائے گی اور ذمی کے لیے وہ ہے جو مسلمان کے لیے ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار دراہم ہے اور مجوسی کی دیت آٹھ سو دراہم ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے اور مسلمان کی دیت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہزار دراہم ہے اور نفس اور ناک اور ذکر اور حشفہ اور عقل اور سونگھنے اور چکھنے اور سننے اور دیکھنے اور زبان اگر بولنے یا اکثر حروف ادا کرنے سے رُک جائے اور داڑھی جو مونڈھی گئی پھر نہ اُگی اور سر کے بالوں میں دیت ہے یعنی دیتِ کاملہ ہے اور امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک داڑھی اور سر کے بالوں میں حکومتِ عدل واجب ہوگی جیسا کہ ان دو میں جو بدن انسانی میں دو ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک میں دیت کا نصف ہوگا اور جیسے آنکھوں کی پلکوں میں (پوری دیت) ہے اور ان میں سے ایک میں دیت کا رُبع ہے اور ہر ہاتھ یا پاؤں کی انگلی میں دیت کا عشر ہے اور اس انگلی کے ہر جوڑ میں جس میں تین جوڑ ہوئے ہیں دیت کا عشر ہے اور جس انگلی میں دو جوڑ ہیں اس میں عشرِ دیت کا نصف ہے جیسا کہ ہر دانت میں ہے کیوں کہ اس میں نصف عشر ہے جب دانتوں کی تعداد بتیس ہے تو مناسب یہ ہے کہ ہر دانت میں دیت کے ثمن کا رُبع واجب ہو پس نصفِ عشر کے وجوب میں کیا حکمت ہے؟ چناں چہ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ دانتوں کی تعداد اگر چہ بتیس ہے پس آخری چار جو کہ عقل کے دانت ہیں کبھی وہ کچھ لوگوں کے نہیں اگتے اور کبھی بعض لوگوں کے بعض اگتے ہیں اور بعض کے تمام اگتے ہیں پس دانتوں کا درمیانی عدد تیس ہے پھر دانتوں کی دو منفعت ہیں زینت اور چبانا چناں چہ جب ایک دانت گر گیا تو اس کی منفعت بالکل اور اس کے مقابل والے دانت کی نصف منفعت باطل ہوگی اور وہ چبانے

کی منفعت ہے اگر چہ دوسری نصف جو کہ زینت ہے وہ باقی ہے اور جب متوسط عدد تیس ہے تو ایک دانت کی منفعت عشر کا ثلث ہے اور منفعت کا نصف عشر کا سدس ہے اور ان کا مجموعہ عشر کا نصف ہے واللہ اعلم بالحقیقہ اور ہر وہ عضوء جس کی منفعت مارنے سے چلی جائے اس میں دیت ہے جیسے ہاتھ جو شل ہو جائے یا آنکھ اندھی ہو جائے۔

تشریح:

و کفارتھا...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کے کفارے کا حکم بیان کر رہے ہیں ان کا کفارے میں مومن غلام کو آزاد کیا جائے خواہ وہ غلام دودھ پیتا بچہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تا کہ اس کے تابع ہو کر بچہ بھی مسلمان ہو البتہ جو بچہ پیٹ میں ہو اس کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس کی موت یا زندگی کا علم نہیں ہے اور اگر کوئی شخص غلام آزاد نہیں کر سکتا تو دو ماہ پے در پے روزے رکھے، پس کفارہ ان دو کاموں سے ادا ہوگا یہ کفارہ مسکینوں کو کھانے کھلانے سے ادا نہ ہوگا کیوں کہ اس بارے میں نص نہیں ہے۔

تصحیح عبارت:

بندہ کے سامنے شرح الوقایہ کا جو نسخہ ہے اس میں یہ عبارت ''**و کفارتھا**'' جو کہ درست نہیں ہے صحیح عبارت یہ ہے ''**و کفارتھما**'' یعنی ''ھما'' قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کی طرف راجع ہے۔ [درمختار:۶/۵۷۴]

و للمراۃ...... سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی چناں چہ اگر کسی نے عورت کو خطاءً قتل کر دیا تو پانچ ہزار دراہم دیت ہوگی اور اگر اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو ڈھائی ہزار دراہم ہوگی یہ ہمارا مذہب ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد کے جس عضوء کی دیت ثلث یا اس سے کم ہے اس میں عورت کی دیت کا نصف نہ ہوگا بلکہ مرد کے برابر دیت ہوگی۔

وللذمی ما للمسلم...... یعنی جتنی مقدار مسلمان کی دیت کی ہے وہی مقدار ذمی کی دیت کی ہے البتہ مستامن کی دیت میں مشائخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے صحیح قول یہ ہے کہ مستامن کی دیت مسلمان کے برابر ہے۔ [شامی:۶/۵۷۵]

و فی النفس...... والی عبارت آسان ہے شرح کی محتاج نہیں ہے البتہ ''**و فی احدھما ربعھا فی کل اصبع**'' والی عبارت میں درمیان سے حرف عطف نہیں ہے چناں چہ صحیح عبارت یوں ہے ''**و فی احدھا ربعھا و فی کل اصبع**''۔

کما فی کل سن...... یعنی انسانی دانت میں دیت کے عشر کا نصف واجب ہوگا جو کہ پانچ اونٹ ہیں۔

دیت کی حکمت:

لما کان عدد...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک دانت میں نصف عشر دیت کی کیا حکمت ہے کیوں کہ دانتوں کی تعداد بتیس ہے تو مناسب یہی تھا کہ ہر دانت میں دیت کے ثمن کا ربع ہوتا کہ پورے دانت توڑنے کی صورت میں تمام دانتوں کی دیت پوری دیت سے تجاوز نہ کرتی چناں چہ اس کی حکمت شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ انسانی دانت کی تعداد عام طور پر تیس ہوتی ہے کیوں کہ آخر میں چار دانت عقل داڑھ کہلاتے ہیں وہ سارے انسانوں کے نہیں اگتے بلکہ کسی کے بالکل نہیں اگتے تو اس کے دانت اٹھائیس ۲۸ ہوئے اور کچھ لوگوں کے دو اگتے ہیں تو اس کے دانت تیس ہوئے اور کچھ لوگوں کے سارے اگتے ہیں تو کل بتیس ہوئے چناں چہ دانتوں کی درمیان تعداد تیس ہوئی اب یہ بات بھی جان لیں کہ ہر دانت کے دو فائدے ہیں۔

ایک فائدہ غذا چبانا اور دوسرا فائدہ خوبصورتی ہے اور جب کسی کا ایک دانت گرتا ہے تو گرنے والے دانت کے دونوں فائدے ختم

ہوجاتے ہیں البتہ اس کے ساتھ والے دانت کا نصف فائدہ یعنی چبانے کا فائدہ ختم ہوجاتا ہے اگر چہ اس میں زینت کا فائدہ باقی رہتا ہے لہٰذا ایک دانت کے گرنے سے تین فائدے ضائع ہوتے ہیں۔ دو چبانے کے فائدے اور ایک زینت کا فائدہ تو جب دانتوں کی عمومی تعداد تیں ہے تو ہر ایک دانت کی دیت عشر کا ثلث ہے یعنی دو فائدے ضائع ہونے کی دیت ثلث عشر ہے تو ایک فائدے ضائع ہونے کی دیت عشر کا سدس ہوگی اور تینوں فائدوں کی دیت کا مجموعہ عشر کا نصف ہوگی۔ لہٰذا ایک دانت توڑنے کی دیت نصفِ عشر کی یہ حکمت ہے۔ و اللّٰہ اعلم بالحقیقہ۔

عبارت:

و لا قود فی الشجاج الا فی الموضحة عمدا لانه لا یمکن حفظ الماثلة فی غیر الموضحة و فیها یمکن و هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و قال محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ القصاص فیما قبل الموضحة بان یسبر غورها بمسبار ثم یتخذ حدیدة بقدر ذلک و یقطع بها مقدار ما قطع و هی ما یوضح العظم ای یظهر و فیها خطاء نصف عشر الدیة و فی الها شمة عشرها و هی التی تکسر العظم و فی المنقلة عشرها و نصف عشرها و هی التی تحول العظم بعد الکسر و فی الامة و الجائفة ثلثها الأمة التی تصل الی ام الدماغ و هی الجلدة التی فیها الدماغ و الجائفة الجراحة التی وصلت الی الجوف و فی جائفة نفذت ثلثاها لانها بمنزلة الجائفتین و الحارصة و الدامعة و الداسیة و الباضعة و المتلاحمة و السمحاق حکومة العدل ای ما یحرص الجلد ای یخدشه و یظهر الدم و لا یسیله کالدمع من العین و ما یسیل الدم و ما یبضع الجلد ای یقطعه و ما یاخذ فی اللحم و ما یصل الی السمحاق ای جلدة رقیقة بین اللحم و عظم الراس۔

ترجمہ:

اور سر کے زخموں میں قصاص نہیں ہے مگر موضحہ میں جو عمداً لگایا گیا ہو اس لیے کہ موضحہ کے علاوہ مماثلت ممکن نہیں ہے اور موضحہ میں ممکن ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قصاص اس میں جو موضحہ سے پہلے ہیں اس طور پر ہوگا کہ اس کی گہرائی کو مسبار سے ناپا جائے گا پھر اسی کے بقدر لوہا تیار کیا جائے اور اس کے ساتھ اتنی مقدار کاٹ دی جو اس نے کاٹی اور موضحہ وہ ہے جو ہڈی کو ظاہر کردے اور موضحہ میں خطاء کی صورت میں دیت کے عشر کا نصف ہے اور ہاشمہ میں دیت کا عشر ہے اور ہاشمہ وہ ہے جو ہڈی کو توڑ دے اور منقلہ میں دیت کا عشر اور نصف عشر ہے اور منقلہ وہ ہے جو ہڈی کو ٹوٹنے کے بعد پھیر دے اور آمہ اور جائفہ میں دیت کا ثلث ہے اور آمہ وہ ہے جو امّ دماغ تک پہنچ جائے اور امّ دماغ وہ کھال ہے جس میں دماغ ہوتا ہے اور جائفہ وہ زخم ہے جو پیٹ تک پہنچ جائے اور اس جائفہ میں جو چھید جائے دیت کے دو ثلث ہیں اس لیے کہ وہ دو جائفہ کے مرتبے اور حارصہ اور دامعہ اور دامیہ اور باضعہ اور متلاحمہ اور سمحاق میں حکومتِ عدل ہے یعنی جو کھال کو خراش دے اور جو خون کو ظاہر کردے اور خون کو نہ بہائے جیسے آنکھ کا آنسو اور جو خون کو بہادے اور جو کھال کو کاٹ دے اور جو گوشت کو لے لے اور جو سمحاق تک پہنچ جائے یعنی سمحاق گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان باریک جھلی ہے۔

تشریح:

و لا قود فی ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ سر کے زخموں کا حکم بیان کررہے ہیں جن کی تعداد دس ہے اور ان کے حکم کو جاننے

سے قبل ان کی تعریف جان لینی چاہیے۔

(۱) حارصہ: وہ زخم ہے جو کھال میں خراش لگائے اور خون نہ نکلے۔

(۲) دامعہ: وہ زخم ہے جو خون ظاہر کردے البتہ خون نہ بہے۔

(۳) دامعہ: وہ زخم ہے جو خون بہادے (ان دو زخموں دامعہ اور دامیہ کے بارے میں صاحب نتائج الافکار نے بحث کی ہے من شاء فلیراجعہ: ۹/ ۲۱۷]

(۴) باضعہ: وہ زخم ہے جو کھال کو پھاڑ دے۔

(۵) متلاحمہ: وہ زخم ہے جو گوشت تک پہنچ جائے۔

(۶) سمحاق: وہ زخم ہے جو سمحاق تک پہنچ جائے، سمحاق سر کی ہڈی اور گوشت کے درمیانی جھلی کو کہا جاتا ہے۔

(۷) موضحہ: وہ زخم ہے جو ہڈی کو ظاہر کردے۔

(۸) ھاشمہ: وہ زخم ہے جو ہڈی کو توڑ دے۔

(۹) منقلہ: وہ زخم ہے جو ہڈی کو ٹوٹنے کے بعد ہلادے۔

(۱۰) آمہ: وہ زخم ہے جو ام دماغ تک پہنچ جائے اور ام دماغ وہ جھلی ہے جس میں دماغ ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا دس زخم ہیں ان میں ''موضحہ'' ساتویں نمبر پر ہے اب موضحہ میں بالاتفاق قصاص ہے اور جو زخم موضحہ کے بعد ہیں یعنی ہاشمہ، منقلہ، آمہ ان میں بالاتفاق قصاص نہیں ہے البتہ :. زخم موضحہ سے ماقبل ہیں یعنی حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ اور سمحاق ان تمام میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں قصاص نہیں ہے کیوں کہ مماثلت ممکن نہیں ہے جب کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذکورہ چھ زخموں میں قصاص ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اس زخم کی گہرائی کو ناپا جائے اور ایک لوہا تیز بنایا جائے جس سے اسی قدر زخم لگایا جائے، لیکن علامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں تکلف ہے۔ لہٰذا ان چھ زخموں میں قصاص نہیں ہے۔ چناں چہ ان میں حکومت عدل واجب ہے جس کی تفسیر عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللّٰہ۔ [تقریرات الرافعی: ۶/ ۳۳۲]

اب بقیہ چار زخموں کا حکم باقی ہے۔

(۱) موضحہ (۲) ھاشمہ (۳) منقلہ۔ (۴) آمہ

موضحہ کا حکم یہ ہے کہ اگر موضحہ عمداً لگایا گیا ہو تو اس میں قصاص لیا جائے گا بشرطیکہ موضحہ کی وجہ سے دوسرا عضو متاثر نہ ہوا ہو چناں چہ اگر کسی شخص کے موضحہ زخم کی وجہ سے آنکھوں کی روشنی چلی گئی تو یہ قصاص نہیں لے سکتا اور اگر موضحہ کا زخم خطاءً لگا ہو تو اس میں دیت کے عشر کا نصف ہے۔

ھاشمہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں دیت کا عشر ہے خواہ عمداً ہو یا خطاءً ہو۔

منقلہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں دیت کا عشر اور نصف عشر ہے یعنی سو اونٹوں میں سے پندرہ اونٹ ہیں خواہ یہ زخم عمداً ہو خطاءً ہو۔

آمہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں دیت کا ثلث ہے خواہ عمداً ہو یا خطاء ہو۔

سر کے دس زخموں کا حکم پورا ہو گیا البتہ اب ایک زخم جائفہ کہلاتا ہے۔ جو پیٹ میں ہوتا ہے اس کو آمہ کے ساتھ ذکر اس لیے کیا کہ یہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔ چناں چہ جائفہ میں دیت کا ثلث ہے اور اگر جائفہ پیٹ کو چھید کیا تو اب دو ثلث دیت واجب ہوگی کیوں کہ یہ دو زخموں کے قائم مقام ہے۔ [شامی: ۶/ ۵۸۰]

عبارت:

ثم فسر حكومة العدل بقوله فيقوم عبد بلا هذا الاثر ثم معه فقدر التفاوت بين القيمتين من الدية هو هي هو يرجع الى قدر التفاوت و هي ترجع الى حكومة العدل فيفرض ان هذا الحر عبد و قيمته بلا هذا الاثر الف درهم و مع هذا الاثر تسع مائة درهم فالتفاوت بينهما مائة درهم و هو عشر الالف فيوخذ هذا التفاوت من الدية و هي عشرة الاف درهم فعشرها الف درهم فهو حكومة العدل و به يفتى احتراز عما قال الكرخي رحمه الله تعالىٰ انه ينظر مقدار هذه الشجة من الموضحة فيجب بقدر ذلك من نصف العشر الدية و فى كل اصابع بلا كف و معها نصف الدية سواء قطعها مع الكف او بدونها فان الكف تابع لها و مع نصف الساعد نصف الدية و حكومة عدل فان الزراع ليست تبعا و فى رواية عن ابى ويوسف رحمه الله تعالىٰ ان ما زاد على اصابع اليد و الرجل الى المنكب و الى الفخذ فهو تبع لان الشرع اوجب فى اليد الواحدة نصف الدية واليد اسم لهذه الجارحهة الى المنكب و فى كف فيها اصبع عشرها و ان كانت اصبعان فخمسها ولا شئى فى الكف هذا عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و قالا ينظر الى ارش الكف والاصبع فيكون عليه الاكثر و يدخل القليل فى الكثير و ان كانت ثلاثة اصابع يجب ارش الاصابع و لا شئى فى الكف بالاجماع لان للاكثر حكم الكل فاستتبعت الكف و فى اصبع زائدة و عين صبى و ذكره و لسانه لو لم يعلم الصحة بما دل على نظره و تحرك ذكره و كلامه حكومة عدل هذا عندنا و عند الشافعي رحمه الله تعالىٰ يجب دية كاملة لان الغالب الصحة اما ان علم صحة هذه الاعضاء فالواجب الدية الكاملة اتفاقا۔

ترجمہ:

پھر مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکومتِ عدل کی تفسیر اپنے اس قول سے کی پس غلام کی اس زخم کے بغیر قیمت لگائی جائے گی پھر زخم کے ساتھ لگائی جائے چناں چہ دونوں قیمتوں کے درمیان تفاوت کی مقدار دیت میں سے وہی حکومت عدل ہے"ھو" "قدر التفاوت" کی طرف راجع ہے اور"ھی" "حکومة العدل" کی طرف راجع ہے پس یہ فرض کیا جائے گا کہ یہ آزاد غلام ہے اور اس کی قیمت اس زخم کے بغیر ایک ہزار درہم ہے اور اس زخم کے ساتھ نوسو دراہم ہے تو ان کے مابین تفاوت سو درہم ہے اور وہ ہزار کا عشر ہے چناں چہ اس فرق کو دیت سے لیا جائے گا اور دیت دس ہزار دراہم ہے۔ پس اس کا عشر ہزار دراہم ہے پس یہ حکومت عدل ہے اور اسی پر ہی فتویٰ دیا گیا ہے اس سے احتراز کرتے ہوئے جو امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ موضحہ کے اس زخم کی مقدار کو دیکھا جائے گا چناں چہ دیت کے نصف عشر میں اسی کے بقدر واجب ہوگا اور ساری انگلیوں میں ہتھیلی کے بغیر اور ہتھیلی کے ساتھ دیت کا نصف ہے برابر ہے کہ ان کو ہتھیلی کے ساتھ کاٹا ہو یا ہتھیلی کے بغیر کاٹا ہو کیوں کہ ہتھیلی ان کے تابع ہے اور نصف بازو کے ساتھ نصف دیت ہے اور حکومتِ عدل ہے کیوں کہ ذراع تابع نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت میں ہے کہ جو ہاتھ یا پاؤں کی انگلیوں سے کندھے یا ران تک زائد ہو وہ تابع ہے اس لیے کہ شرع نے ایک ہاتھ میں نصف دیت واجب کی ہے اور ہاتھ کندھے تک اسی جارحہ کا نام ہے اور اس ہتھیلی میں جس میں ایک انگلی ہو دیت کا عشر ہے اور اگر دو انگلیاں ہوں تو دیت کا خمس ہے اور ہتھیلی میں کچھ نہیں ہے یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہتھیلی اور انگلی کی دیت کی طرف دیکھا جائے گا چناں چہ اس کے ذمے اکثر ہوگی اور قلیل

کثیر میں داخل ہوگی اور اگر تین انگلیاں ہوں تو انگلیوں کی دیت واجب ہوگی اور ہتھیلی میں بالا جماع کچھ نہیں ہے اس لیے کہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہے پس انہوں نے ہتھیلی کو تابع کرلیا اور زائد انگلی میں اور بچے کی آنکھ اور ذکر اور زبان میں اگر اس کی صحت ایسی شئی سے معلوم نہ ہو جو اس کی نظر اور اس کے ذکر کی حرکت اور اس کے بولنے پر دلالت کرے ان میں حکومتِ عدل ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامل دیت واجب ہے اس لیے کہ غالب صحت ہے بہر حال اگر ان اعضاء کا صحیح نہ ہونا معلوم ہو جائے تو اتفاقا کامل دیت واجب ہے۔

تشریح:

ثم فسر حکومة ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ حکومتِ عدل کی تشریح کر رہے ہیں اس کی تفسیر میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

فیفرض ان هذا ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر نقل کر رہے ہیں کہ فرض کرلیا جائے کہ یہ آزاد غلام ہے اور اس کی قیمت اس زخم کے بغیر ہزار دراہم ہے اور اس زخم کی وجہ سے اس کی قیمت نوسو دراہم ہوگئی چناں چہ اس زخم کی وجہ سے سو دراہم کا فرق پڑا اور یہ فرق (یعنی سو دراہم) پوری قیمت کا عشر ہے تو اب پوری دیت جو کہ دس ہزار دراہم ہے اس کا عشر ہزار دراہم ہے پس یہ حکومتِ عدل ہے۔

احتراز عما قال الكرخي ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر نقل کر رہے ہیں کہ اس زخم کی مقدار کو موضحہ کی بنسبت دیکھا جائے گا کیوں کہ ان چھ زخموں کے بعد موضحہ پہلا زخم ہے جس کی دیت نصف عشر مقرر ہے چناں چہ اگر اس زخم کی مقدار موضحہ کی مقدار کا ثلث ہو تو موضحہ کی دیت کا ثلث واجب ہوگا اور اگر اس کی مقدار موضحہ کی مقدار کا ربع ہے تو موضحہ کی دیت کا ربع واجب ہوگا۔ [البنایہ:۹/۲۲۰]

راجح قول:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو ترجیح دی ہے البتہ اکثر کتب میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتوی دیا گیا ہے۔ [درمختار:۶/۵۸۲،الکفایہ:۹/۳۳۰]

و فی کل اصابع ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک ہاتھ کی تمام انگلیوں میں خواہ ہتھیلی بھی ساتھ کاٹی ہو یا نہ کاٹی ہو نصفِ دیت ہے کیوں کہ پوری دیت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں ہے اور ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے چناں چہ اس کا مستقلاً اعتبار نہیں ہے۔

و مع نصف الساعد ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کا ہاتھ نصف بازو تک کاٹ دیا تو اب ہاتھ کی نصف دیت ہے اور جو ہاتھ سے زائد ہے اس میں حکومتِ عدل ہے کیوں کہ بازو کا حصہ ہاتھ کے تابع نہیں ہے البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت یہ ہے کہ شرع میں ہاتھ کا اطلاق کندھے تک اور پاؤں کا ران تک ہوتا ہے چناں چہ جو زائد کاٹا گیا ہے وہ بھی ہاتھ کے تابع ہے لہٰذا نصف دیت ہی واجب ہوگی۔

و فی کف فیھا ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص کی ہتھیلی میں صرف ایک انگلی تھی اور کسی نے ہتھیلی انگلی کے ساتھ کاٹ دی تو دیت کا عشر واجب ہوگا اور اگر ہتھیلی میں دو انگلیاں ہوں تو دیت کا خمس واجب ہوگا۔ یہ عشرِ دیت اور خمس

دیت انگلیوں کے بدلے ہے ہتھیلی کے بدلے کچھ لازم نہیں ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہتھیلی اور انگلی کی دیت کو دیکھا جائے گا چناں چہ ہتھیلی کی دیت حکومتِ عدل ہے اور انگلی کی دیت عشر دیت ہے پس دونوں میں جو زیادہ ہو وہ جانی پر واجب ہوگی اور قلیل کثیر میں داخل ہو جائے گی البتہ اگر ہتھیلی میں تین انگلیاں ہوں تو ایسی صورت میں صرف انگلیوں کی دیت واجب ہوگی اور ہتھیلی کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا اس لیے کہ تین انگلیاں اکثر ہیں اور اکثر کل کے حکم میں ہے چناں چہ ہتھیلی ان کے تابع ہے۔

عبارت:

و دخل ارش موضحة اذهبت عقله او شعر راسه فی الدية و ان ذهب سمعه او بصره او نطقه لا هذا عندنا و عند زفر رحمه اللّٰه تعالیٰ لا يدخل فی ذهاب العقل و الشعر ايضا لان كل واحد جناية علٰحدة قلنا الراس محل العقل و الشعر فالجنايات كلها على الراس فيدخل بعض الدية فی الكل و الراس ليس محل السمع و البصر فالجناية عليهما لا تستتبع الموضحة و لا قود ان ذهبت عيناه بل الدية فيهما ای فی الموضحة و العينين الدية و هذا عند ابی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و قالا فی الموضحة القصاص و فی العينين الدية و لا يقطع اصبع شل جاره هذا عند ابی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و عندهما و عند زفر يقتص من الاول و فی الثانی ارشها و فی اصبع قطع مفصله الاعلی فشل ما بقی بل دية المفصل و الحكومة فيما بقی و لا بكسر نصف سن اسود باقيها بل كل دية السن و يجب الارش علی من اقاد سنة ثم ينبت ای نبت سن من اقاد فعلم انه اقاد بغير حق و كان واجبا ان يستانی حولا ثم يقتص و لما كان بغير حق ينبغی ان يجب القصاص لكن اسقط للمشبهة فيجب الارش او قلعها فردت الی مكانها و نبت عليه اللحم ای يجب الارش علی من قلع سن غيره فرد صاحب السن سنه الی مكانها فنبت عليها اللحم و انما يجب الارش لان نبات اللحم لا اعتبار له لان العروق لاتعود لا ان قلعت فنبت اخری فانه لا يجب الارش علی القالع عند ابی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ لان الجناية انعدمت معنی كما اذا قلع سن صبی فنبت اخری لا يجب الارش علی القالع بالاجماع و عندهما يجب الارش لان الجناية قد تحققت و الحادث نعمة مبتدأة من اللّٰه تعالیٰ او التحمت شجة او جرح بضرب و لم يبق له اثر فانه يسقط الارش عند ابی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ لزوال الشين الموجب و عند ابی يوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ عليه الارش الا لم و هو حكومة العدل قيل ينظر ان الانسان بكم يخرج نفسه مثل هذه الجراحة فان بعض الناس يخرج نفسه و ياخذ علی ذلک شيئا و عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ تجب اجرة الطبيب و ثمن الدواء۔

ترجمہ:

اور اس موضحہ کا تاوان جو انسان کی عقل یا اس کے سر کے بال لے جائے دیت میں داخل ہوگا اور اگر اس کی سماعت یا اس کی نگاہ یا اس کا بولنا لے جائے تو داخل نہ ہوگا یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقل اور بالوں کے جانے کی صورت میں بھی داخل نہ ہوگا اس لیے کہ ہر ایک علیحدہ جنایت ہے ہم نے کہا سر عقل اور بالوں کا محل ہے چناں چہ ساری جنایات سر پر ہیں پس بعض دیت

کل میں داخل ہوگی اور سر سماعت اور نگاہ کا محل نہیں ہے چناں چہ ان پر جنایت موضحہ کو تابع نہیں کرتی اور قصاص نہیں ہے اگر اس کی دونوں آنکھیں چلی گئیں بلکہ ان میں دیت ہے یعنی موضحہ اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا موضحہ میں قصاص ہے اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے اور وہ انگلی جس کے پڑوس والی شل ہو جائے نہیں کاٹی جائے گی یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اول سے قصاص لیا جائے گا اور ثانی میں اس کا تاوان ہے اور اس انگلی میں جس کا اوپر والا جوڑ کاٹا پھر باقی انگلی شل ہوگئی تو قصاص نہیں ہے بلکہ جوڑ کی دیت اور مابقی میں حکومتِ عدل ہے اور نصف دانت توڑنے کی وجہ سے قصاص نہیں ہے جس کا باقی سیاہ ہوگیا بلکہ دانت کی دیت ہے اور اس شخص پر تاوان واجب ہے جس نے اپنے دانت کا قصاص لیا پھر وہ اُگ آیا یعنی اس شخص کا دانت اُگ آیا جس نے قصاص لیا چناں چہ معلوم ہوا کہ اس نے بلاحق قصاص لیا اور واجب ہے کہ وہ ایک سال مہلت دے پھر قصاص لے اور جب قصاص بلاحق ہے تو مناسب ہے کہ قصاص واجب ہو لیکن وہ شبہ کی وجہ سے ساقط کر دیا گیا چناں چہ تاوان واجب ہوگا یا ایک شخص نے دانت اکھاڑا پھر اس کو اپنی جگہ لوٹا دیا اور اس پر گوشت اُگ گیا یعنی دیت اس شخص پر واجب ہوگی جس نے کسی دوسرے کا دانت اکھاڑا پھر دانت والے نے اپنا دانت اس کی جگہ لوٹا دیا اور اس پر گوشت اُگ گیا اور سوائے اس کے نہیں کہ دیت واجب ہوگی اس لیے کہ گوشت اُگنے کا اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ رگیں نہیں لوٹتیں نہ کہ اگر دانت اکھاڑا گیا پھر دوسرا اُگ گیا اکھاڑنے والے پر دیت واجب نہ ہوگی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس لیے کہ جنایت معنیً معدوم ہے جیسا کہ جب اس نے کسی بچے کا دانت اکھاڑا پھر دوسرا اُگ آیا تو اکھاڑنے والے پر بالاجماع دیت واجب نہیں ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیت واجب ہوگی اس لیے کہ جنایت ثابت ہوگئی اور نئی پیدا ہونے والی شئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے یا سر کا زخم بھر گیا اور اس کا اثر باقی نہ رہا کیوں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیب موجب کے زائل ہونے کی وجہ سے دیت ساقط ہوگئی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر درد کا تاوان واجب ہے اور یہ حکومتِ عدل ہے کہا گیا ہے دیکھا جائے گا انسان اس زخم کی مثل سے اپنے آپ کو کتنے کے بدلے نکالتا ہے کیوں کہ بعض لوگ اپنے آپ کو نکالتے ہیں اور اس پر کچھ لیتے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طبیب کی اجرت اور دوائی کا ثمن واجب ہوگا۔

تشریح:

و دخل ارش...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ جزء کی دیت کُل میں داخل ہوگی مثلاً ایک شخص نے کسی کے سر میں موضحہ زخم لگا دیا جس کی وجہ سے مجروح کی عقل یا سر کے تمام بال ختم ہوگئے تو اب کامل دیت واجب ہوگی جس میں موضحہ کی دیت بھی داخل ہوگی یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دونوں علیحدہ علیحدہ جنایتیں ہیں چناں چہ ہر ایک کی دیت بھی الگ الگ ہوگی ہم نے اس کا جواب یہ دیا کہ انسانی سر عقل اور بالوں کا محل ہے تو جب عقل اور بال چلے گئے تو دونوں جنایات سر پر ہوئی جب دونوں جنایات سر پر ہوئیں البتہ اتنی بات ہے کہ ایک جنایت (موضحہ) کی دیت نصف عشر ہے اور دوسری (عقل یا بالوں کا جانا) جنایت میں کل دیت واجب ہے چناں چہ بعض دیت کُل دیت میں داخل ہوگی اور اگر موضحہ کی وجہ سے قوتِ سماعت یا نگاہ یا بولنا ختم ہوگیا تو اب یہ دونوں مستقل جنایات ہیں چناں چہ موضحہ اس کے تابع نہ ہوگا۔

ولا قود ان ...... یعنی اگر موضحہ کی وجہ سے مجروح کی دونوں آنکھیں ختم ہوگئیں تو اس صورت میں موضحہ کا قصاص لیا نہیں جائے گا البتہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک موضحہ اور آنکھوں کی دیت لی جائے گی یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ موضحہ میں قصاص لیا جائے گا اور آنکھوں کی دیت لی جائے گی۔

و لا یقطع اصبع......یعنی ایک شخص نے کسی کی انگلی کاٹ دی اور اس کے ساتھ والی انگلی شل ہوگئی تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاطع کی انگلی قصاصاً نہیں کاٹی جائے گی بلکہ ہر انگلی کی مکمل دیت واجب ہوگی جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انگلی کا قصاص لیا جائے گا البتہ دوسری انگلی کا تاوان واجب ہوگا۔

او التحمت شجة......یعنی ایک شخص نے کسی کے سر میں زخم لگایا یا جسم میں کسی جگہ مارا جس سے زخم ہوگیا پھر وہ زخم بھر گیا اور اس کا نشان بھی ختم ہوگیا تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا تاوان ساقط ہوگیا کیوں کہ تاوان کے وجوب کی وجہ سے وہ عیب تھا اور عیب باقی نہ رہا چناں چہ تاوان بھی نہ رہے گا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جانی پر درد کا تاوان ہے یعنی حکومتِ عدل ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا طبیب کی اجرت اور دوائی کا ثمن ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تفسیر ہے۔ **قیل ینظر** ......سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ضعیف قول بیان کیا ہے کہ دیکھا جائے گا انسان اگر کسی کو ایسا زخم لگا دے تو کتنے پیسے دے کر اس سے چھٹکارا پا سکتا ہے اتنے پیسے دے گا۔

عبارت:

ولا یقاد جرح الا بعد برء هذا عندنا و عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ یقتص فی الحال کما فی القصاص فی النفس و عمد الصبی والمجنون خطاء و علی عاقلته الدیة و لا کفارة فیه و لا حرمان ارث و من ضرب بطن امرأة فالقت جنینا غرة خمس مائة درهم علی عا قلته ان القت میتاً و دیة و ان حیا فمات ای تجب الدیة الکاملة ان القت حیا فمات لان موته بسبب الضرب و اعلم ان الغرة عندنا تجب فی سنة فانه علیه السلام جعل الغرة علی العاقلة فی سنة و ایضا هی بدل العضو من وجه و ما کان بدل العضو یجب فی سنة ان کان ثلث الدیة او اقل نصف العشر و عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ تجب الغرة فی ثلث سنین کالدیة و غرة و دیة ان کان میتا فماتت الام و دیة الام فقط ان ماتت فالقت میتا لانه یمکن ان یکون موته بسبب اختناقه بعد موتها و عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ یجب الغرة ایضا و دیتان ان ماتت فالقت حیا فمات و ما یجب فی الجنین لورثته سوی ضاربه ان کان الضارب و ارثا للجنین لا یکون له شئی مما وجب اذلا میراث للقاتل۔

ترجمہ:

اور زخم کا قصاص ٹھیک ہونے کے بعد لیا جائے گا یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فی الحال لیا جائے گا جس طرح نفس کے قصاص میں ہے اور بچے اور مجنون کا عمد خطاء ہے اور اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی اور اس میں کفارہ نہیں ہے اور نہ میراث سے محروم ہوتا ہے اور جس نے کسی عورت کے پیٹ کو مارا پھر اس نے جنین ڈال دیا تو اس کے عاقلہ پر پانچ سو دراہم کا غرہ واجب ہوگا اگر اس نے مردہ جنین ڈالا اور دیت ہوگی اگر وہ زندہ تھا پھر مر گیا یعنی دیتِ کاملہ واجب ہوگی اگر اس نے زندہ بچہ ڈالا پھر وہ مر گیا اس لیے کہ اس کی موت مارنے کے سبب سے ہوئی ہے اور تو جان لے کہ غرہ ہمارے نزدیک ایک سال میں واجب ہوتا ہے کیوں کہ آپ علیہ السلام نے عاقلہ پر ایک سال میں غرہ مقرر کیا تھا اور یہ بات بھی ہے کہ یہ من وجہ عضوء کا بدل ہے اور جو عضو کا بدل ہو وہ ایک سال میں واجب ہوتا ہے اگر دیت کا ثلث یا اقل نصف عشر ہو اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غرّہ تین سال میں واجب ہوگا جیسے دیت ہے

اور غرّہ اور دیت واجب ہوگی اگر جنین مردہ ہو پھر ماں مرگئی اور فقط ماں کی دیت واجب ہوگی اگر وہ مرگئی پھر اس نے مردہ جنین ڈالا اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس کی موت ماں کے مرنے کے بعد گلا گھٹنے سے ہوئی ہو اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غرّہ بھی واجب ہے اور دو دیتیں واجب ہوں گی اگر ماں مرگئی پھر اس نے زندہ بچہ ڈالا پھر وہ مرا اور جنین میں جو واجب ہوگا اس کے ورثہ کا ہے سوائے اس کے ضارب کے یعنی اگر ضارب جنین کا وارث ہو تو اس کے لیے واجب مال سے کچھ نہیں ہے اس لیے کہ قاتل کے لیے میراث نہیں ہے۔

تشریح:

و لا یقاد ...... یعنی زخم کا قصاص زخم کے صحیح ہونے کے بعد لیا جائے گا کیوں کہ ممکن ہے کہ یہ زخم سرایت کر جائے اور اس کی وجہ سے موت واقع ہو جائے چناں چہ زخم ٹھیک ہونے سے معلوم ہوگا کہ یہ زخم قاتل نہ تھا۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فوراً قصاص لیا جائے گا جس طرح نفس کا فوراً قصاص لیا جاتا ہے۔

و عمداً لصبی و المجنون ...... یعنی اگر بچے یا مجنون نے کسی کو جان بوجھ کر قتل کر دیا تو یہ قتل خطاء کے حکم میں ہے چناں چہ ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ مقتول کی دیت عاقلہ پر ہوگی بشرطیکہ یہ بچہ اور مجنون عرب ہوں اور اگر عجمی ہوں تو اس کی دیت ان کے مال سے دی جائے گی چوں کہ یہ دونوں اس قتل کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہیں چناں چہ کفارہ نہیں ہے اور مقتول کی میراث سے محروم نہ ہوں گے۔
[شامی:۶/۵۸۷]

و من ضرب ...... ماقبل میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ جنایت کے وہ احکامات بیان کر رہے تھے جو من کل وجہ آدمی سے متعلق تھے اب وہ احکام بیان کر رہے ہے جو من وجہ آدمی یعنی جنین سے متعلق ہیں۔ [نتائج الافکار:۹/۲۳۲]

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عبارت میں جنین سے متعلق پانچ صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت کے پیٹ پر مارا اور اس نے مردہ جنین ڈال دیا تو اب مارنے والے کی عاقلہ پر غرہ واجب ہے۔ غرہ مرد کی دیت کا نصف عشر ہے یعنی پانچ سو دراہم ہے اور یہ احناف کے نزدیک ایک سال میں ادا کیا جائے گا کیوں کہ آپ علیہ السلام نے جب غرہ کا فیصلہ فرمایا تھا تو ایک سال تک مقرر کیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ غرہ جنین کے بدلے واجب ہوا ہے اور جنین من وجہ عضوء ہے اور من وجہ آدمی ہے جب یہ عضوء ہے اور عضو کا بدل ایک سال میں واجب ہوتا ہے اگر ثلثِ دیت یا اس سے کم نصف عشر کے برابر ہو جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غرہ تین سال میں واجب ہوگا انہوں نے غرہ کو دیت پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح دیت تین سال میں واجب ہوتی ہے اسی طرح غرہ تین سال میں واجب ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ماں نے زندہ بچہ ڈالا پھر وہ مرگیا تو اب اس کی پوری دیت واجب ہوگی کیوں کہ بچے کی موت مارنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ چناں چہ مارنے والے کی عاقلہ پر دیت کاملہ واجب ہوگی اور مارنے والے پر کفارہ ہے کیوں کہ یہ شبہ عمد ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ماں نے مردہ جنین ڈالا اور پھر ماں بھی مرگئی تو اب غرہ اور دیت دونوں واجب ہوں گے کیوں کہ فعل اثر کے متعدد ہونے کی وجہ سے متعدد ہو جاتا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ ماں کا انتقال ہوگیا پھر اس نے مردہ جنین ڈالا تو اب صرف ماں کی دیت واجب ہوگی کیوں کہ ظاہر ہے ماں کے انتقال کی وجہ سے بچہ کا سانس بند ہوگیا اور اس کی زندگی ماں کی زندگی پر موقوف تھی چناں چہ بچے کا غرہ واجب نہ ہوگا۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ ماں کا انتقال ہوگیا پھر اس نے زندہ بچہ ڈالا پھر اس کا انتقال ہوگیا تو اب دو دیتیں واجب ہوں گی ایک دیت

ماں کی ہے اور ایک بچے کی ہے۔

و ما یجب فی الجنین...... یعنی اگر مارنے والا جنین کا وارث ہو تو اب غرہ میں سے اس کو حصہ نہیں ملے گا کیوں کہ وہ قاتل ہے۔

عبارت:

و فی جنین الامة نصف عشر قیمته فی الذکر و عشر قیمته فی الانثی اعلم ان الجنین اذا کان حرا یجب فیه خمس مائة درهم سواء کان ذکرا او انثی اذ لاتفاوت فی الجنین بین الذکر و الانثی و هی نصف عشر من دیة الذکر و عشر من دیة الانثی فاذا کان رقیقا یجب ان تکون نصف عشر قیمته علی تقدیر ذکورته و عشر قیمته علی تقدیر الوثته لان دیة الرقیق قیمته فما یقدر من دیة الحر یقدر من قیمته فان قلت یلزم ان یکون الواجب فی الانثی اکثر من الواجب فی الذکر قلت لا یلزم لان فی العادة قیمة الغلام زائد علی قیمة الجاریة بکثیر حتی ان قومت جاریة بالف درهم یقوم الغلام الذی مثلها فی الحسن بالفی درهم فنصف قیمة الجنین ان کان ذکر لایکون اقل من قیمته ان کان انثی و عند ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ یجب النقصان لو انتقصت الام بالقائها کما فی البهائم فان الضمان فی قتل الرقیق ضمان مال عنده و عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ یجب عشر قیمة الام فان ضربت فاعتق سیدها حملها فالقته فمات یجب قیمته حیا لا دیته لان قتله بالضرب السابق و قد کان فی حال الرق ولا کفارة فی الجنین هذا عندنا و عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ یجب و ما استبان بعض خلقه کالتام فیما ذکر و ضمن الغرة عاقلة امرأة اسقطت میتا عمدا او بدواء او فعل بلا اذن زوجها فان اذن لا اعلم انها تجب علی عاقلة المرأة فی سنة واحدة و ان لم تکن لها عاقلة تجب فی ما لها فی سنة ایضاً۔

ترجمہ:

اور باندی کے جنین میں مذکر ہونے کی صورت میں اس کی قیمت کا نصف عشر ہوگا اور مونث ہونے کی صورت میں اس کی قیمت کا عشر ہوگا تو جان لے کہ جنین جب آزاد ہو تو اس میں پانچ سو دراہم واجب ہیں برابر ہے کہ وہ مذکر ہو یا مونث ہو اس لیے کہ جنین میں مذکر اور مونث کے مابین فرق نہیں ہے اور وہ مذکر کی دیت کا نصف عشر ہے اور مونث کی دیت کا عشر ہے جب وہ غلام ہو تو واجب ہے کہ اس کے مذکر ہونے کی صورت میں اس کی قیمت کا نصف عشر ہو اور مونث ہونے کی صورت میں اس کی قیمت کا عشر ہو اس لیے کہ غلام کی دیت اس کی قیمت ہے۔ پس جو آزاد کی دیت سے مقرر کیا گیا ہے وہ غلام کی قیمت سے مقرر کیا جائے گا اگر تو کہے اس سے یہ لازم آیا کہ جو مونث میں واجب ہو وہ اس سے زائد ہے جو مذکر میں واجب ہوا میں نے کہا یہ لازم نہیں آئے گا اس لیے کہ عادۃً غلام کی قیمت باندی کی قیمت سے زائد ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر باندی کی قیمت ہزار دراہم لگائی گئی تو حسن میں اسی طرح کے غلام کی قیمت دو ہزار لگائی جائے گی۔ پس جنین کی قیمت کا نصف اگر وہ مذکر ہو اس کی قیمت سے اقل نہ ہوگا اگر وہ مونث ہو اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر ماں میں اس کو ڈالنے کی وجہ سے کمی آجائے تو نقصان واجب ہے جیسا کہ جانوروں میں ہے کیوں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غلام کے قتل میں ضمان مال کا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماں کی قیمت کا عشر ہے اگر باندی کو مارا گیا پھر اس کے سردار نے اس کے حمل کو آزاد کر دیا پھر اس نے بچے کو ڈالا پھر وہ مر گیا تو اس کی زندہ ہونے کے لحاظ سے قیمت واجب ہوگی اس کی دیت واجب نہ ہوگی اس لیے کہ اس کا قتل گزشتہ مار کی وجہ سے ہے۔ دراں حالکہ وہ غلامی کی حالت میں تھا اور جنین میں کفارہ نہیں ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام

شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفارہ واجب ہے اور جس بچے کی بعض خلقت ظاہر ہو جائے وہ مذکورہ حکم میں تام بچے کی طرح ہے اور اس عورت کی عاقلہ غرہ کی ضامن ہوگی جس نے مردہ بچے کا جان بوجھ کر یا دوائی سے یا کسی فعل سے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اسقاط کر دیا پس اگر شوہر نے اجازت دی ہو تو غرہ واجب نہ ہوگا تو جان لے کہ غرہ عورت کی عاقلہ پر ایک سال میں واجب ہوتا ہے اور اگر اس کی عاقلہ نہ ہو تو بھی اس کے مال میں ایک سال میں واجب ہوتا ہے۔

تشریح:

و فـي جـنـيـن الامة ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ باندی کے جنین کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی حاملہ باندی کے پیٹ پر مارا اور اس نے مردہ جنین ڈال دیا تو اب جنین کو دیکھا جائے گا اگر وہ مذکر ہو تو غلام کی قیمت کا عشر واجب ہوگا اور اگر جنین مونث ہو تو باندی کی قیمت کا عشر واجب ہوگا جنین کے مذکر اور مونث ہونے کا فرق آزاد میں نہ تھا غلام میں یہ فرق کیا گیا ہے پس غلام میں چوں کہ دیت واجب نہیں ہوتی لہٰذا آزاد کی دیت کے قائم مقام غلام کی قیمت ہے پس جس آزاد جنین کی دیت مرد کی دیت کا نصف عشر تھی اسی طرح غلام جنین کا تاوان بچے کے مذکر ہونے کی صورت میں غلام کی قیمت کا عشر اور مؤنث ہونے کی صورت میں باندی کی قیمت کا عشر ہوگا۔

اعتراض:

فـان قـلـت ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اعتراض ذکر کر رہے ہیں کہ مذکورہ مسئلے میں یہ کہا گیا کہ باندی کا بچہ اگر مذکر ہو تو غلام کی قیمت کا عشر اور اگر مؤنث ہو تو باندی کی قیمت کا عشر لازم ہوگا۔ تو اب اگر باندی کی قیمت دو ہزار دراہم ہو اور غلام کی قیمت ایک ہزار دراہم ہو تو مذکر بچے کے سو دراہم اور مونث بچے کے دو سو دراہم ہوں تو اس طرح مونث بچے کا تاوان مذکر بچے سے بڑھ گیا۔

جواب:

قـلـت لايلزم ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ اسی اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ عموماً اور غالباً باندی کی قیمت غلام کی قیمت سے کم ہوتی ہے چناں چہ اگر ایک باندی کی قیمت ہزار درراہم ہے تو اسی طرح کے حسین غلام کی قیمت دو ہزار دراہم ہوگی چناں چہ جنین اگر مذکر ہو تو بھی اس کی نصف قیمت مؤنث جنین سے کم نہ ہوگی بلکہ زائد ہوگی۔

و عـنـد ابـي ايـو سف ...... امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیکھا جائے گا اگر باندی میں بچہ ڈالنے سے نقص پڑ گیا ہو تو اب مارنے والے پر نقصان واجب ہے جس طرح جانوروں میں ہوتا ہے کیوں کہ یہ یہاں ضمان مال سے ادا کی جائے گی۔

و عـنـد الـشـافـعـي رحـمـه الله تعالىٰ ...... امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذکورہ صورت میں باندی (ماں) کی قیمت کا عشر واجب ہوگا خواہ جنین مذکر ہو یا مونث ہو۔

......☆☆☆☆......

باب ما یحدث فی الطریق

عبارت:

من احدث فی طریق العامة کنیفا او میزابا او جرصنا او دکانا و سعه ذلک ان لم یضر بالناس الکنیف المستراح والمیزاب مجرے الماء و الجرصن البرج و قیل مجری ماء یرکب فی الحائط و عن البزدوی رحمه اللّٰه تعالیٰ جذع یخرج من الحائط لیبنی علیه و لکل نقضه ای فی صورة لم یضر بالناس فالحاصل انه ان اضر بالناس لا یجوز له ان یفعل و ان لم یضربهم یجوز لکن مع ذلک یکون لکل واحد نقضه لانه تصرف فی الحق المشترک فلکل نقضه کما فی الملک المشترک مع انه لم یضر و فی غیرنا فذ لا یسعه بلا اذن الشرکاء و ان لم یضر بالناس و ضمن عاقلته دیته من مات بسقوطها کما لو وضع حجرا او حفر بئرا فی الطریق فتلف النفس فان تلف به بهیمة ضمن هو ان لم یاذن به الامام فان الضمان فی جمیع ما ذکر باحداث شئی فی طریق العامة انما یکون اذا لم یاذن به الامام فان اذن الامام او مات واقع فی بیر طریق جوعا او غمّا فلا هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و عند ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ ان مات غما یجب الضمان لان الغمّ بسبب الوقوع والمراد بالغم هٰهنا الاختناق من هواء البیر۔

ترجمہ:

جس نے عام لوگوں کی راہ میں بیت الخلاء یا پرنالہ یا جرصن یا دُکان بنالی تو اس کے لیے اس کی گنجائش ہے اگر وہ لوگوں کو تکلیف نہ دے۔ ''الکنیف'' راحت پانے کی جگہ ہے اور ''المینراب'' پانی چلنے کی جگہ ہے اور ''جرصن'' برج ہے اور کہا گیا ہے پانی چلنے کی جگہ ہے جو دیوار میں بنائی جاتی ہے اور امام بزوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے یہ ایک شہتیر ہے جو دیوار سے نکالا جاتا ہے تا کہ اس پر عمارت بنائی جائے اور ہر ایک کے لیے اس کو توڑنا جائز ہے یعنی اس صورت میں جو لوگوں کو تکلیف نہ دے۔ پس حاصل یہ ہے کہ اگر وہ لوگوں کو تکلیف دے تو اس کے لیے اس طرح کرنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ ان کو تکلیف نہ دے تو یہ جائز ہے لیکن اس کے ساتھ ہر ایک کے لیے اس کو توڑنا جائز ہے اس لیے کہ یہ حقِ مشترک میں تصرف کرنا ہے پس ہر ایک کے لیے توڑنا جائز ہے جس طرح ملکِ مشترک میں ہے باوجودیکہ وہ تکلیف نہ دے اور غیر نافذ (بند راستے) میں اس کے لیے شرکاء کی اجازت کے بغیر گنجائش نہیں ہے اگر چہ وہ لوگوں کو تکلیف نہ دے اور جو اس کے گرنے سے مرگیا اس کی دیت کی عاقلہ ضامن ہوگی جس طرح اگر ایک شخص راستے میں پتھر رکھ دے یا کنواں کھودے پھر ایک جان ضائع ہو جائے اور اگر اس کی وجہ سے جانور ضائع ہو تو وہ ضامن ہوگا اگر امام نے اس کو اجازت نہ دی ہو کیوں کہ مذکورہ تمام

میں عمومی راستے میں کوئی شئی بنانے کی وجہ سے ضمان اسی وقت ہے جب امام نے اس کی اجازت نہ دی ہو اگر امام نے اجازت دی ہو یا کنویں میں گرنے والا بھوک اور غم سے مرگیا تو ضمان نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر وہ غم سے مرا ہے تو ضمان واجب ہوگا کیوں کہ غم گرنے کی وجہ سے ہوا ہے اور غم سے یہاں مراد کنویں کی ہوا سے گلا گھٹ جانا ہے۔

تشریح:

ماقبل میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ اس قتل کے احکامات بیان فرمارہے تھے جس قتل کا انسان خود ارتکاب کرے اب یہاں قتل بالسبب کے احکام بیان کررہے ہیں۔

مذکورہ مسئلے کو جاننے سے قبل چند الفاظ کے معنی جان لیں۔

''الکنیف'' بیت الخلاء کو کہا جاتا ہے۔

''المیزاب'' پانی کے پرنالے کو کہا جاتا ہے۔

الجرصن: اس کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض نے کہا یہ ''برج'' کو کہا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک دیوار میں پانی کی نالی بنائی جاتی ہے اس کو کہا جاتا ہے علامہ بزدوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ شہتیر جس پر کوئی شئی بنائی جائے اس کو دیوار میں سے باہر نکالا جاتا ہے اس کو جرصن کہا جاتا ہے بعض نے کہا یہ بالائی راستے کو کہا جاتا ہے۔

طریق العامة: اس سے مراد وہ راستہ ہے جس میں سے بے شمار لوگ گزرتے ہوں یہ امام حلوانی کا مختار قول ہے جب کہ شیخ الاسلام کے نزدیک طریق العامة وہ راستہ ہے جس کو گھر بنانے والے چھوڑتے ہیں۔ [شامی:۶/۵۹۴]

من احدث...... اس عبارت میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین باتیں بیان کی ہیں۔

(۱) عام راستے کوئی شئی بنانے کا حکم

(۲) لوگوں کو اس پر جھگڑنے کا حکم

(۳) اگر اس شئی سے کوئی مرگیا تو اس کا حکم

پہلی بات کہ عام راستے میں بیت الخلاء یا پرنالہ یا جرصن وغیرہ بنانا اس وقت صحیح ہے جب لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور لوگ بتانے سے منع نہ کریں چناں چہ اگر لوگوں کو تکلیف ہو تو اس میں کوئی شئی بنانا جائز نہیں ہے کیوں کہ راستہ لوگوں کے چلنے کے لیے بنایا گیا ہے اور اگر وہ راستہ غیر نافذ ہو یعنی ایک طرف سے بند ہو تو لوگوں کی اجازت کے بغیر کوئی شئی بنانا جائز نہیں ہے جب تک شرکاء سے اجازت نہ لے اگرچہ لوگوں کو تکلیف نہ ہوتی ہو۔

دوسری بات کہ اگر راستہ عام ہو اور شئی بنانے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو تب بھی ہر ایک اس کو بنانے سے روک سکتا ہے خواہ وہ ذمی ہو یا مسلمان ہو اور اسی طرح بنی ہوئی شئی کو توڑ سکتا ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگ اس کو بنانے سے روک سکتے ہیں البتہ بنی ہوئی شئی کو نہیں توڑ سکتے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگ نہ بنانے سے روک سکتے ہیں اور نہ بنی ہوئی شئی کو توڑ سکتے ہیں کیوں کہ اس سے کسی کو تکلیف نہیں ہے۔

تیسری بات کہ اگر کسی کو اس شئی سے نقصان پہنچا تو اب اگر اس شخص نے یہ امامِ وقت کی اجازت کے بغیر بنائی ہو اور اس کی وجہ

سے کوئی انسان مرجائے یا زخمی ہوجائے اور اس زخم کی دیت موضحہ سے زیادہ ہوتو یہ دیت عاقلہ پر ہوگی اور اگر اس کی دیت موضحہ سے کم ہوتو یہ اس کے مال میں واجب ہوگی اور اسی طرح اگر کسی کا مال مثلاً جانور وغیرہ ہلاک ہوگیا تو بھی اس کی ضمان اس شخص کے مال میں سے واجب ہوگی۔ [الکفایہ:۲۳۹/۹]

فان اذن ......اگر امام نے اس کو مذکورہ اشیاء بنانے کی اجازت دی ہو اور پھر ان کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچے یا کوئی کنویں میں گر گیا اور بھوک یا غم سے مر گیا تو اب اس شخص پر ضمان نہیں ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر وہ غم یعنی دم گھٹنے سے مرا تو کنواں کھودنے والا ضامن ہوگا کیوں کہ اس کا دم کنویں کی وجہ سے گھٹا اور اس شخص نے کنواں کھودا تھا لہٰذا یہ اس کا سبب ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خواہ بھوک سے مرے یا دم گھٹنے سے مرے دونوں صورتوں میں کنواں کھودنے والا ضامن ہوگا۔ [شامی:۵۹۴/۶]

عبارت:

و من نحی حجر او ضعه اٰخر فعطب به رجل ضمن لان فعل الاول انفسخ بفعل الثانی فالضمان علی الثانی کمن حمل شیئا فی الطریق یسقط منه علی اٰخر او دخل بحصیر او قندیل او حصاة فی مسجد غیره او جلس فیه غیر مصل فعطب به احد نحو ان سقط الحصیر او القندیل علی احدا و سقط الطرف الذی فیه الحصاة علی احد ارکان جالساً غیر مصل فسقط علیه اعمی ضمن لا من سقط منه رداء لبسه او ادخل هذه الاشیاء فی مسجد حیه او جلس فیه مصلیا هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و عندهما لا یضمن بادخال هذه الاشیاء فی المسجد سواء کان مسجد حیه او غیره لان القربة لا یتقید بشرط السلامة له ان تدبیر المسجد لاهله دون غیرهم ففعل الغیر مباح فیکون مقیداً بشرط السلامة و عندهما الجالس فی المسجد لایضمن سواء جلس للصلوة او غیر الصلوة فالحاصل ان الجالس للصلوة فی المسجد لا یضمن عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ سواء فی مسجد حیه او غیره والجالس لغیر الصلوة یضمن سواء فی مسجد حیه او غیره و سقوط الرداء انما لا یضمن عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ اذا لبس ما یلبس عادة اما ان لبس ما لا یلبس عادة کجوالق القلندرین فیسقط علی انسان فهلک یضمن فهذا اللبس بمنزلة الحمل و فی الحمل یضمن۔

ترجمہ:

اور جس شخص نے وہ پتھر ہٹا دیا جس کو دوسرے نے رکھا تھا پھر اس کی وجہ سے ایک شخص ہلاک ہوگیا تو ہٹانے والا شخص ضامن ہوگا اس لیے کہ پہلے کا فعل دوسرے کے فعل سے منسوخ ہوگیا چناں چہ دوسرے پر ضمان ہے جس طرح وہ شخص جس نے راستے میں کوئی شئی اٹھائی جو اس سے دوسرے پر گر پڑی یا ایک شخص حصیر یا قندیل یا کنکریاں لے کر دوسرے کی مسجد میں داخل ہوا یا اس میں بیٹھا دراں حالکہ کے نماز پڑھنے والا نہ تھا پھر اس کی وجہ سے کوئی ہلاک ہوگیا جیسے اگر حصیر یا قندیل کسی پر گر گئی یا وہ طرف جس میں کنکریاں تھیں کسی پر گر گئی یا وہ غیر مصلی کی حالت میں بیٹھا تھا پھر اس پر اندھا گر گیا تو وہ ضامن ہوگا وہ شخص ضامن نہ ہوگا جس سے اس کے پہننے کی چادر گر جائے یا وہ ان اشیاء کو اپنے محلے کی مسجد میں داخل کرے یا اس میں نماز پڑھنے کے لیے بیٹھے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اشیاء کو مسجد میں داخل کرنے کی وجہ سے ضامن نہ ہوگا خواہ اس کے محلے کی مسجد ہو یا کسی دوسرے کی ہو اس لیے کہ

قربت سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ مسجد کو بنانا اس کے اہل والوں کے لیے ہے ان کے علاوہ کے لیے نہیں ہے چناں چہ غیر کا فعل مباح ہے پس سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں مسجد میں بیٹھنے والا ضامن نہیں ہے خواہ نماز کے لیے بیٹھے یا نماز کے علاوہ کے لیے بیٹھے۔ لہٰذا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں نماز کے لیے بیٹھنے والا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضامن نہیں ہے خواہ اپنے محلے کی مسجد میں ہو یا غیر محلے کی مسجد میں ہو اور نماز کے علاوہ بیٹھنے والا ضامن ہوگا خواہ اپنے محلے کی مسجد میں ہو یا غیر محلے کی مسجد میں ہو اور چادر گرنے کی صورت میں سوائے اس کے نہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی وقت ضامن نہ ہوگا جب وہ چادر عادت کے موافق پہنے بہرحال اگر وہ ایسی چادر پہنے جو عادۃً نہیں پہنی جاتی جیسے قلندوں کے جبّے پھر وہ کسی انسان پر گر جائے اور وہ ہلاک ہو جائے تو یہ ضامن ہوگا پس یہ پہننا اٹھانے کے مرتبے میں ہے اور اٹھانے کی صورت میں ضامن ہوگا۔

تشریح:

و من نحی ......اس عبارت میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ اور شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے کل سات صورتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے پانچ صورتوں میں اتفاق ہے اور دو صورتوں میں اختلاف ہے۔ چار میں ضمان ہے اور تین میں ضمان نہیں ہے اور بعض صورتوں میں اختلاف ہے۔

جن چار صورتوں میں ضمان ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی صورت "و من نحی" سے بیان کی ہے کہ ایک شخص نے کسی جگہ ایک پتھر رکھا تھا اس کو ایک شخص نے اس مقام سے ہٹا دیا اور پھر اس پتھر کی وجہ سے ایک شخص ہلاک ہو گیا تو اب پتھر ہٹانے والا ضامن ہوگا۔ پتھر رکھنے والا ضامن نہ ہوگا کیوں کہ اس کا فعل دوسرے کے فعل کی وجہ سے منسوخ ہو گیا۔ لہٰذا پہلے فعل کا اعتبار نہیں ہے۔

دوسری صورت کمن حمل شیئا ...... سے بیان کی ہے کہ ایک شخص نے راستے میں سے کوئی شئی اٹھالی اور اس سے وہ شئی کسی شخص پر گری جس سے وہ شخص ہلاک ہو گیا کیوں کہ راستے میں سے شئی اپنے سر پر اٹھانا مباح ہے لیکن اس بات کی شرط ہے کہ سلامتی کے ساتھ اٹھائے کسی کو نقصان نہ دے۔

تیسری صورت او دخل بحصیر ...... سے بیان کی ہے کہ ایک شخص اپنے محلے کی مسجد کے علاوہ کسی مسجد میں چٹائی یا قندیل یا کنکریوں کا برتن لے کر داخل ہوا پھر وہ چٹائی یا قندیل کسی پر گر گئی یا کنکریوں والا برتن کسی پر گر گیا اور وہ شخص مر گیا تو چٹائی یا قندیل یا کنکریاں لانے والا ضامن ہوگا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔

چوتھی صورت او حبس فیہ ...... سے بیان کی ہے کہ ایک شخص مسجد میں نماز کے علاوہ بیٹھا ہوا ہے مثلاً تلاوتِ قرآن یا کسی ذکر میں مشغول ہے پھر اس کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص ہلاک ہو گیا تو یہ ضامن ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ (ان صورتوں میں اختلاف کو آخر میں بیان کیا جائے گا)۔

پانچویں صورت: لا من سقط...... سے بیان کی ہے کہ ایک شخص نے جبہ پہنا ہوا تھا اور وہ جبہ اس سے گر گیا اور اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو اب جبہ پہننے والا ضامن نہ ہوگا البتہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ جبہ ایسا ہو جو عموماً پہنا جاتا ہو چناں چہ اگر جبہ ایسا ہو جو عموماً پہنا نہیں جاتا پھر اس کے گرنے سے کوئی انسان ہلاک ہوا تو پہننے والا ضامن ہوگا کیوں کہ یہ پہننے والا سامان اٹھانے

والے کی طرح ہے اور سامان اٹھانے کی صورت میں حامل سامان نقصان کا ضامن ہوتا ہے۔

چھٹی صورت او ادخل ...... سے بیان کی ہے کہ ایک شخص نے چٹائی یا قندیل یا کنکریوں کا برتن اپنے محلے کی مسجد میں لے کر داخل ہوا اور ان کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہوا تو اب یہ شخص ضامن نہ ہوگا۔

ساتویں صورت: او حبس فیہ مصلیا ...... سے بیان کی ہے کہ ایک شخص مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہوگیا تو اب یہ ضامن نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا صورتوں میں سے تیسری اور چوتھی صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیسری اور چوتھی صورت میں ضامن ہوگا جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضامن نہ ہوگا کیوں کہ یہ اشیاء (چٹائی، قندیل، کنکریاں) عموماً لوگ مسجد میں ثواب حاصل کرنے کے لیے رکھتے ہیں اور یہ اپنی مسجد یا کسی دوسرے مسجد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس حکم میں دونوں برابر ہیں جب یہ اشیاء ثواب حاصل کرنے کے لیے ہیں اور ثواب سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہوتا پس اگر ان کی وجہ سے کوئی ہلاک ہوگیا تو یہ ضامن نہ ہوگا جب کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسجد کو بنانا، سنوارنا مسجد والوں کے ذمے ہوتا ہے۔ دوسرے محلے والوں کے ذمے نہیں ہے۔ چناں چہ دوسرے محلے والوں کا اس مسجد میں کوئی کام کرنا مباح ہے لیکن سلامتی کی شرط کے مقید ہے کہ کسی دوسرے کو نقصان نہ ہو جب کہ مسجد والوں کا فعل مطلقاً مباح ہے۔

فالحاصل ......یعنی خلاصہ یہ ہوا کہ مسجد میں نماز کے لیے بیٹھنے والا ضامن نہیں ہے خواہ اپنے محلے کی مسجد ہو یا دوسرے محلے کی مسجد ہو اور نماز کے بغیر بیٹھنے والا ضامن ہوگا خواہ اس کے اپنے محلے کی مسجد ہو یا دوسرے محلے کی مسجد ہو۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

عبارت:

و رب حائط مال الی طریق العامة و طلب نقضه مسلم او ذمی ممن یملک نقضه کالراهن بفک رهنه فانه یملک نقضه بفک رهنه و اب الطفل والوصی و المکاتب و العبد التاجر فلم ینقض فی مدة تمکن نقضه ضمن ما لا تلف به و عاقلته النفس و صورة الطلب ان یقول ان حائطک هذا مائل فاهدمه و صورة الاشهاد ان یقول اشهدوا انی تقدمت الی هذا الرجل لهدم حائطه و اعلم انه ذکر فی الکتب الطلب والاشهاد لکن الاشهاد لیس بشرط و انما ذکر لیتمکن من اثباته عندالانکار فکان من باب الاحتیاط لا من اشهد علیه فباع و قبضه المشتری فسقط او طلب ممن لا یملک نقضه کالمرتهن والمستاجر والمودع و ساکن الدار فان مال الی دار رجل فله الطلب فیصح تاجیله و ابراؤه منها لا ان مال الی الطریق فاجله القاضی او من طلب لانه حق العامة فلا یکون لهما البطاله فان بنی مائلا ابتداء ضمن بلا طلب کما فی اشراع الجناح و نحوه اشراع الجناح اخراج الجذوع من الجدار الی الطریق و البناء علیها اما نحوه کالکنیف و المیزاب حائط بین خمسة طلب نقضه من احدهم وسقط علی رجل ضمن العاقلة خمس الدیة کما ضمنوا ثلثیها ان احفر احد ثلثه فی دارهم بیرا او بنی حائطا ای ضمن عاقلة من طلب منه النقض خمس الدیة لان الطلب صح فی الخمس و ضمن عاقلة حافرا لبیر و بانی الحائط ثلثی الدیة لان الحافر والبانی فی الثلثین متعد و هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و قالا ضمنوا

النصف فی الحائط والحضر و البناء واما فی الحائط فلان التلف بنصیب من طلب منه معتبر و فی نصیب غیرہ لا فکان قسمین کما فی عقرا لا سد و نهش الحیة و جرح الانسان و فی مسئلة الحفر و البناء فلان التلف بنصیب المالک لا یوجب الضمان و بنصیب الغاصب یوجب فیقسم قسمین واللّٰہ اعلم۔

ترجمہ:

اور اس دیوار والا ضامن ہوگا جو عمومی راستے کی طرف جھک جائے اور جو لوگ اس کو توڑنے کے مالک ہیں ان سے کسی مسلمان یا ذمی نے اس کو توڑنے کا مطالبہ کیا ہو جیسے راہن اپنے رہن کو چھڑوانے کے ساتھ کیوں کہ وہ اس کو توڑنے کا اپنے رہن کو چھڑوانے کی وجہ سے مالک ہے اور جیسے بچے کا باپ اور وصی اور مکاتب اور تاجر غلام ہے۔ چناں چہ مالک نے اس کو اتنی مدت میں نہ توڑا جس میں وہ توڑنے پر قادر تھا تو وہ اس مال کا ضامن ہوگا جو اس کی وجہ سے ضائع ہو جائے اور اس کی عاقلہ نفس کی ضامن ہوگی اور طلب کی صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے تیری یہ دیوار جھکی ہوئی ہے چناں چہ تو اس کو گرا دے اور اشہاد کی صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ تم گواہ بن جاؤ کہ میں اس آدمی کی طرف اس کی دیوار گرانے کے لیے آیا اور تو جان لے کہ کتب میں طلب اور اشہاد کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اشہاد شرط نہیں ہے اور سوائے اس کے نہیں کہ اس کو ذکر کیا گیا تا کہ انکار کے وقت اس کو ثابت کرنے پر قادر ہو چناں چہ یہ احتیاط کے باب سے ہے وہ شخص ضامن نہ ہوگا جس پر گواہ بنائے گئے پھر اس نے فروخت کر دی اور مشتری نے قبضہ کر لیا پھر وہ دیوار گر گئی یا اس نے ایسے شخص سے توڑنے کا مطالبہ کیا جو اس کو توڑنے کے مالک نہیں ہے جیسے مرتہن اور مستاجر اور مودع اور گھر میں رہنے والا اور اگر دیوار کسی آدمی کے گھر کی طرف جھک جائے تو اس کے لیے مطالبہ کرنا صحیح ہے اور اس کو مہلت دینا اور اس کو اس سے بری کرنا صحیح ہے نہ کہ اگر وہ راستے کی طرف جھک گئی پھر قاضی نے اس کو مہلت دی یا جس نے مطالبہ کیا اس لیے کہ عوام کا حق ہے چناں چہ ان دونوں کے لیے اس کو باطل کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر ایک شخص نے ابتداءً جھکی ہوئی دیوار بنائی تو بلا طلب وہ ضامن ہوگا جیسا کہ چھجے کو یا اس جیسی شئی کو بنانے میں " اشراع الجناح " شہتیروں کو دیوار سے راستے کی طرف نکالنا اور اس پر بناء کرنا یا اس جیسی شئی جیسے بیت الخلاء اور پرنالہ ایک ایسی دیوار جو پانچ شخصوں کے مابین مشترک ہے اس کے توڑنے کا ان میں سے کسی ایک سے مطالبہ کیا گیا اور وہ کسی پر گر گئی تو عاقلہ دیت کے خمس کی ضامن ہوگی جیسا کہ عاقلہ دیت کے دو ثلث کی ضامن ہوگی اگر تین شخصوں میں سے ایک نے مشترکہ گھر میں کنواں دیوار بنائی یعنی اس شخص کی عاقلہ جس سے دیوار توڑنے کا مطالبہ کیا گیا دیت کے خمس کی ضامن ہوگی اس لیے کہ طلب خمس میں صحیح ہے اور کنواں کھودنے والے اور دیوار بنانے والے کی عاقلہ دیت کے دو ثلث کی ضامن ہوگی اس لیے کہ کنواں کھودنے اور دیوار بنانے والا دو ثلث میں تعدی کرنے والا ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ دیوار اور کنواں کھودنے اور بناء میں نصف کے ضامن ہوں گے بہر حال دیوار میں اس وجہ سے کہ جس شخص سے دیوار توڑنے کا مطالبہ کیا گیا اس کے حصے میں ضائع ہونا معتبر ہے اور اس کے علاوہ کے حصے میں معتبر نہیں ہے چناں چہ دو قسمیں ہیں جیسا کہ شیر کے کاٹنے اور سانپ کے ڈسنے اور انسان کے زخمی کرنے کی صورت میں ہے اور حفر اور بناء کے مسئلے میں اس وجہ سے کہ مالک کے حصے کی وجہ سے ضائع ہونا ضمان کو ثابت نہیں کرتا اور غاصب کے حصے کی وجہ سے ضمان ثابت کرتا ہے پس یہ دو قسموں میں تقسیم ہو گیا۔ واللّٰہ اعلم۔

تشریح:

و رب حائط...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص کے گھر وغیرہ کی دیوار راستے کی طرف جھک گئی اور

کسی مسلمان یا ذمی نے اس کو توڑنے کا مطالبہ دیوار کے مالک سے کیا اور مطالبے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہے کہ آپ کی دیوار راستے کی جانب جھکی ہوئی ہے آپ اس کو گرادیں اور بہتر ہے کہ مطالبہ کرنے والا گواہ بنالے اور یوں کہے کہ تم لوگ گواہ بن جاؤ کہ میں دیوار کے مالک کے پاس دیوار گرانے کے مطالبے کے لیے آیا تھا لیکن یہ گواہ بنانا شرط نہیں ہے بلکہ بہتر ہے تاکہ مالک کے انکار کے وقت گواہی پیش کی جاسکے پھر مالک کو اتنی مدت ملی جس میں وہ دیوار توڑ سکتا تھا لیکن اس نے دیوار نہ توڑی اور اس دیوار کے گرنے سے کوئی شخص یا جانور یا مال ضائع ہوگیا تو اب مالک مال کا ضامن ہوگا اور انسان کے مرنے کی صورت میں مالک کی عاقلہ اس کی دیت ادا کرے گی۔

فوائد قیود:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ممن یملک نقضه''...... کی قید لگائی ہے کہ مسلمان یا ذمی دیوار کے مالک سے مطالبہ کرے جیسے ایک گھر زید کے پاس مرہون ہے اب زید مرتہن ہے اور عمرو راہن ہے تو دیوار توڑنے کا مطالبہ عمرو سے کیا جائے گا کیوں کہ وہ رہن چھڑوا کر اس دیوار کو توڑ سکتا ہے اور اسی طرح ایک گھر بچے کے پاس ہے تو دیوار توڑنے کا مطالبہ اس کے باپ یا وصی سے کیا جائے گا اور اسی طرح ایک گھر مکاتب کے پاس ہے تو دیوار توڑنے کا مطالبہ بھی اسی سے کیا جائے گا یا تاجر غلام کے پاس گھر ہے تو دیوار توڑنے کا مطالبہ بھی اسی سے کیا جائے گا ان کے آقا سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ چناں چہ اس قید سے وہ شخص خارج ہوگیا جو دیوار توڑنے کا مالک نہیں ہے جیسے مرتہن یا کرائے کے گھر میں رہنے والا یا مودَع یا عاریۃً کسی کے گھر میں رہنے والے سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

دوسری قید فی مدة تمکن...... سے بیان کی ہے کہ مالک کو مطالبے کے بعد اتنی مدت ملے جس میں دیوار توڑ سکتا ہو چناں چہ اگر مطالبے کے بعد اس کو اتنی مدت نہ ملی اور دیوار گر کے نقصان ہوگیا تو وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔

تیسری قید یہ ہے کہ مطالبے کے بعد دیوار اس کی ملک سے خارج نہ ہو چناں چہ اگر مطالبے کے بعد اس نے دیوار فروخت کردی اور مشتری نے اس پر قبضہ کرلیا تو اب بائع ضامن نہ ہوگا۔

فان بنی مائلا...... یعنی ایک شخص نے ابتداءً ہی سے دیوار جھکی ہوئی بنائی تو اب خواہ کوئی اس کے توڑنے کا مطالبہ کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں یہ شخص نقصان کا ضامن ہوگا جیسا کہ ''اشراع الجناح'' کی صورت میں ہے اشراع الجناح یہ ہے کہ دیوار سے راستے کی طرف شہتیر نکالے جائیں اور ان پر کوئی شئی بنائی جائے یا اسی طرح پرنالہ یا بیت الخلاء بنالیا جائے اور اس کی وجہ سے کوئی نقصان ہوجائے تو بنانے والا ضامن ہے۔

حائط بین ...... یعنی ایک دیوار میں پانچ شریک تھے پھر وہ دیوار جھک گئی اور کسی نے ان میں سے ایک شریک سے دیوار توڑنے کا مطالبہ کیا اور انہوں نے دیوار نہ توڑی کہ اس کے گرنے کی وجہ سے ایک شخص ہلاک ہوگیا تو جس شخص سے دیوار توڑنے کا مطالبہ کیا گیا تھا اس کی عاقلہ مقتول کی دیت کا خمس ادا کرے گی۔ جیسا کہ جب ایک گھر میں تین شخص شریک تھے پھر کسی ایک نے بقیہ دو کی اجازت کے بغیر گھر میں کنواں کھودلیا یا دیوار بنالی اور اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہوگیا تو اب کنواں کھودنے والے اور دیوار بنانے والے کی عاقلہ دیت کے دو ثلث ادا کرے گی ان دونوں مسئلوں کے یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں صورتوں (پانچ شخصوں کی مشترکہ دیوار یا تین شخصوں کا مشترکہ گھر ہو) میں عاقلہ نصف دیت کی ضامن ہوگی۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ ہلاکت کی اصل وجہ ثقل ہے اور ثقل کی چوں کہ حد مقرر نہیں ہے اس لیے اصل ثقل علت نہیں

ہوسکتا چناں چہ جس قدر تعلق ہے اس کو اس کے شرکاء پر تقسیم کیا جائے گا چناں چہ پہلی صورت میں شرکاء پانچ تھے چناں چہ ہر ایک پر خمس لازم ہوگا البتہ دوسری صورت میں چوں کہ کنواں کھودنے اور دیوار بنانے والے نے اپنے ثلث میں دیوار صحیح بنائی ہے البتہ دوسرے دو ساتھیوں کے بغیر اپنے حصے میں دیوار بنا کر تعدی کی ہے چناں چہ اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہوا تو دیت کے بھی دو ثلث دیوار بنانے والے کی عاقلہ پر ہوں گے۔

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلی صورت میں جس شخص سے مطالبہ کیا گیا تھا اس کے حصے سے کسی کا نقصان ہونا معتبر ہے اور بقیہ ساتھیوں کے حصوں سے نقصان کا اعتبار نہیں ہے پس نقصان ہونے کی دو قسمیں ہوگئی جس طرح ایک شخص پر شیر بھی حملہ کرے اور سانپ بھی ڈسے دے اور کوئی انسان بھی زخمی کر دے تو یہاں بھی دو قسمیں ہیں انسان کا فعل معتبر ہے اور جانوروں کا فعل غیر معتبر ہے اسی طرح اس مسئلے میں ہے چناں چہ جس سے مطالبہ کیا گیا اس کی عاقلہ نصف دیت کی ضامن ہوگی اور دوسری صورت میں بھی دیوار بنانے والا اپنے حصے میں دیوار بنانے کا مالک ہے اور دوسرے کے حصے میں دیوار بنانے سے غاصب ہے۔ لہٰذا مالک ہونے کے لحاظ سے اس کا فعل ضمان ثابت نہیں کرتا اور غاصب ہونے کے لحاظ سے اس کا فعل ضمان ثابت کرتا ہے چناں چہ اس کی عاقلہ پر نصف دیت لازم ہوگی۔

......☆☆☆☆☆......

باب جناية البهيمة و عليها

عبارت:

ضمن الراكب ما وطئت دابته او ما اصابت بيدها او رجلها او راسها او كدمت او حبطت او صدمت لا ما نفحت برجلها او ذنبها فان الاحتراز عن الوطى و ما يشابهه ممكن بخلاف النفحة بالرجل و الذنب هذا عندنا و عند الشافعي رحمه الله تعالىٰ يضمن بالنفحة ايضاً لان فعلها يضاف الى الراكب او عطب انسان بما راثت او بالت في الطريق سائرة او قفها لذلک فان او قفها لغيره ضمن فانها ان راثت او بالت في الطريق حالة السير لا يضمن اما اذا اوقفها لتروث او تبول لا يضمن ايضا لان بعض الدواب لا يفعل ذلک الا بعد الوقوف و ان او قفها لغير ذلک يضمن لانه متعد بالايقاف فان اصابت بيدها او رجلها حصاة او نواة او اثارت غبارا او حجرا صغيرا ففقأ علينا او افسد ثوبا لا يضمن و ضمن بالكبير لان الاحتراز عن الاول متعذر بخلاف الثاني و ضمن السائق و القائد ما ضمنه الراكب و عليه الكفارة لا عليهما اى ان كان مكان الراكب سائق او قائد يضمن كل منهما ما ضمنه الراكب و يجب على الراكب الكفارة لا على السائق و القائد و الراكب يحرم عن الميراث لا القائد و السائق۔

ترجمہ:

سوار اس شئی کا ضامن ہوگا جو اس کا جانور روندھ دے یا جس شئی کو اپنے ہاتھ (یعنی اگلی ٹانگوں) سے یا اپنے پاؤں سے یا اپنے سر سے نقصان دے یا جس شئی کو کاٹ لے یا اگلی ٹانگیں مارے یا دھکا دے نہ کہ اس شئی کا جس کو اپنے پچھلے پاؤں یا دم سے مارے کیوں کہ روندنے اور جو اس کے مشابہ ہیں ان سے احتراز ممکن ہے برخلاف پچھلے پیروں اور دم سے مارنے کے ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ''نفحہ'' سے بھی ضامن ہوگا اس لیے کہ اس کا فعل سوار کی طرف منسوب ہوتا ہے یا کوئی انسان راستے میں جانور کے گوبر یا پیشاب سے ہلاک ہوگیا خواہ جانور نے چلتے ہوئے کیا ہو یا راکب نے جانور کو اسی کے لیے کھڑا کیا ہو چناں چہ اگر راکب نے جانور کو کسی دوسرے کے لیے کھڑا کیا تو وہ ضامن ہوگا کیوں کہ اگر جانور راستے میں چلتے ہوئے گوبر یا پیشاب کردے تو راکب ضامن نہ ہوگا بہر حال جب راکب نے جانور کھڑا کیا تا کہ وہ گوبر یا پیشاب کرے تو بھی راکب ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ کچھ جانور یہ کام کھڑے ہونے کے بعد ہی کرتے ہیں اور اگر راکب نے اس کے علاوہ کام کے لیے کھڑا کیا تو وہ ضامن ہوگا اس لیے کہ راکب جانور کھڑا کرنے کی وجہ سے تعدی کرنے والا ہوا اور اگر جانور کے اگلے یا پچھلے پیروں کی وجہ سے کوئی پتھر یا کنکری نکلی یا جانور نے گرد و غبار یا چھوٹے پتھر

اڑائے پھر اس نے کسی کی آنکھ پھوڑ دی یا کپڑے خراب کر دیئے تو وہ ضامن نہ ہوگا اور بڑے پتھروں کی وجہ سے ضامن ہوگا اس لیے کہ پہلے سے احتراز کرنا مشکل ہے برخلاف دوسرے کے ہے اور سائق اور قائد بھی اس شئی کے ضامن ہوں گے جس کا راکب ضامن ہوا ہے اور راکب پر کفارہ ہے ان دونوں پر نہیں ہے یعنی اگر راکب کی جگہ سائق یا قائد ہو تو ان میں سے ہر ایک اس شئی کا ضامن ہوگا جس کا راکب ضامن ہوا اور راکب پر کفارہ واجب ہے نہ کہ سائق اور قائد پر اور راکب میراث سے محروم ہوگا نہ کہ قائد اور سائق۔

تشریح:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی جنایت کے احکام کے بعد جانور کی جنایت کے احکام کا ذکر کرنا شروع کیا ہے۔

اس باب کے مسائل سے قبل دو اصول جان لیں۔

پہلا اصول:

مسلمانوں کے عام راستے سے گزرنا مباح ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ ایسا نقصان کو نہ کرے جس سے بچنا ممکن ہو کیوں کہ راستے میں تمام مسلمانوں کا حق ہے چناں چہ گزرنا مباح ہے لیکن سلامتی شرط ہے تا کہ دوسروں کا حق ضائع نہ ہو۔

[درمختار: ۶/۶۰۲، بحرالرائق]

دوسرا اصول:

متسبب جب تعدی کرے اس وقت ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہ ہوگا اور مباشر ہر صورت میں ضامن ہوگا۔ [شامی: ۶/۶۰۲]

ضمان الراكب ...... یعنی اگر ایک شخص اپنے جانور پر عام راستے میں سواری کر رہا تھا پھر اس کے جانور نے کسی انسان کو یا کسی شئی کو روندہ دیا یا اس کو اپنی ٹانگوں یا سر سے نقصان یا کسی کو کاٹ لیا تو ان سب صورتوں میں دیکھا جائے گا اگر آزاد انسان مرا ہو تو اس کی دیت راکب پر اور اس کی عاقلہ پر ہوگی اور اگر غلام مرا ہو تو اس کی قیمت بھی عاقلہ پر ہوگی اور اگر جانور نے کوئی مالی نقصان کیا ہو تو اس کا تاوان راکب ادا کرے گا اور اگر جانور نے کسی انسان کا عضو ضائع کیا تو دیکھیں گے اگر اس کی دیت نصفِ عشر سے کم ہے تو راکب ادا کرے گا اور اگر نصف عشر یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی دیت عاقلہ ادا کرے گی۔ اب راکب ضامن اس وجہ سے ہے کہ ان امور سے احتراز کرنا راکب کے لیے ممکن تھا لیکن جب اس نے نقصان سے احتراز نہ کیا تو سلامتی کی شرط نہ پائی گئی چناں چہ یہ ضامن ہوگا۔ **لا ما نفحت برجلها** ...... البتہ اگر جانور کسی کو اپنے پچھلے پاؤں یا دم سے مارے تو ایسی صورت میں راکب ضامن نہ ہوگا بشرطیکہ جانور چل رہا ہو کیوں کہ اس سے احتراز کرنا راکب کے لیے ممکن نہیں ہے اور اگر جانور کھڑا ہوا اور وہ کسی کو اپنی ٹانگوں یا دُم سے مارے تو اب راکب ضامن ہوگا کیوں کہ اس سے احتراز کرنا ممکن ہے۔ [شامی: ۶/۶۰۳]

جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں بھی ضامن ہوگا کیوں کہ جانور کا فعل راکب کی طرف منسوب ہوتا ہے جب فعل راکب کی طرف منسوب ہے تو راکب ضامن ہوگا۔

مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے جب راکب جانور پر عام راستے میں سواری کر رہا ہو چناں چہ اگر اپنی زمین میں یا کسی دوسرے کی زمین میں سفر کر رہا ہو اور پھر جانور نقصان کر دے تو اس کے احکام جدا ہیں جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں۔ [شامی: ۶/۶۰۳، الکفایہ: ۶/۲۵۷]

او عطب انسان ...... یعنی اگر جانور نے راہ چلتے ہو پیشاب یا گوبر کر دیا جس کی وجہ سے کوئی انسان ہلاک ہو گیا تو اب راکب ضامن نہ ہوگا اور اسی طرح اگر جانور ایسا ہے جو چلتے ہوئے یہ کام نہیں کرتا اور راکب نے اس کو کھڑا کیا تا کہ وہ یہ کام کرے اور اس کی وجہ سے کوئی

شخص ہلاک ہوگیا تو راکب ضامن نہ ہوگا کیوں کہ اس سے احتراز ناممکن ہے البتہ اگر راکب نے جانور کو کسی دوسرے کام کے لیے روکا اور اس نے پیشاب یا گوبر کیا جس سے کوئی شخص ہلاک ہوا تو اب راکب ضامن ہوگا۔

ضمن السائق......یعنی جن حالتوں میں راکب ضامن ہوتا ہے انہی حالتوں میں سائق (جانور کو آگے سے کھینچنے والا) اور قائد (جانور کو پیچھے سے ہانکنے والا) بھی ضامن ہوگا البتہ دو جگہ فرق ہے پہلا یہ کہ راکب پر کفارہ ہے اور ان دونوں پر کفارہ نہیں ہے اور اسی طرح راکب اگر مقتول کے ورثہ میں سے ہو تو وہ میراث سے محروم رہے گا اور سائق اور قائد محروم نہ ہوں گے۔

عبارت:

و ضمن عاقلة كل فارس دية الاخر ان اصطدما و ماتاهذا عندنا و عند الشافعي رحمه الله تعالىٰ يضمن كل نصف دية الاخر لان هلاكه بفعلين فعل نفسه و فعل صاحبه فيهدر نصفه و يعتبر نصف صاحبه قلنا فعل كل منهما مباح و المباح فى حق نفسه لا يضاف اليه الهلاك و فى حق غيره يضاف و سائق دابة وقع اداتها على رجل فمات و قائد قطار و طى بعير منه رجلا ضمن الدية و ان كان معه سائق ضمنا فان قتل بعير ربط على قطار بلا علم قائد رجلا ضمن عاقلة القائد الدية و رجعوا بها على قاعلة الرابط لان الرابط او قعهم فى هذه العهدة اقول ينبغي ان تكون فى مال الرابط لان الرابط اوقعهم فى خسر ان المال و هذا مما لا يتحمله العاقلة قالوا هذا اذا ربط والقطار فى السير لانه امر بالقود دلالة اما اذا ربط فى غير حالة السير فالضمان على عاقلة القائد لانه قاد بعير غيره بغير امره لا صريحا و لا دلالة فلا يرجع بما لحقه من الضمان۔

ترجمہ:

اور ہر گھڑ سوار کی عاقلہ دوسرے کی دیت کی ضامن ہوگی اگر وہ دونوں ٹکرا گئے اور دونوں مر گئے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر ایک دوسرے کے نصفِ دیت کی ضامن ہوگی اس لیے کہ ہر ایک کی ہلاکت دو فعلوں سے ہوئی ہے ایک اپنے ذاتی فعل سے اور اپنے ساتھی کے فعل سے چناں چہ اس کی نصف دیت ضائع ہوگی اور اس کے ساتھی کی نصف دیت کا اعتبار کیا جائے گا ہم نے کہا ان میں سے ہر ایک کا فعل مباح ہے اور اپنی ذات کے حق میں مباح فعل کی ہلاکت کی طرف نسبت نہیں کی جاتی اور اپنے علاوہ کے حق میں نسبت کی جاتی ہے اور اس جانور کو کھینچنے والا ضامن ہوگا جس کا ادات (آلات وغیرہ) کسی آدمی پر گر جائے اور وہ مر جائے اور اونٹوں کی اس قطار کو ہانکنے والا ضامن ہوگا جس میں سے ایک اونٹ نے کسی آدمی کو روندہ دیا تو یہ دیت کا ضامن ہوگا اور اگر اس کے ساتھ سائق ہو تو دونوں ضامن ہوں گے اور اگر ایک اونٹ نے جو قطار میں اس کے قائد کے علم کے بغیر باندھا گیا کسی شخص کو قتل کر دیا تو قائد کیع اقلہ دیت کی ضامن ہوگی اور وہ اونٹ باندھنے والے کی عاقلہ سے دیت کا رجوع کریں گے اس لیے کہ باندھنے والے نے ان کو اس ذمے داری میں ڈالا ہے میں کہتا ہوں مناسب ہے کہ دیت رابط کے مال سے واجب ہو اس لیے کہ رابط نے ان کو مال کے خسارے میں ڈالا ہے اور یہ ان میں سے ہے جس کو عاقلہ برداشت نہیں کرتی، فقہاء نے فرمایا یہ اس وقت ہے جب کسی نے اونٹ باندھا دراں حالکہ قطار چلنے میں مصروف تھی اس لیے کہ اس نے قائد کو دلالۃً ہانکنے کا حکم دیا بہر حال جب کسی نے اونٹ قطار کے نہ چلنے کی حالت میں باندھا تو قائد کی عاقلہ پر ضمان ہے اس لیے کہ اس نے اس شخص کے صریحاً یا دلالۃً حکم کے بغیر اونٹ ہانکا ہے چناں چہ وہ اس ضمان کا رجوع نہ کرے گا جو اس کو لاحق ہوئی۔

تشریح:

و ضمن عاقلة...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کررہے ہیں کہ دو گھڑسوار آمنے سامنے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے جس کے سبب سے دونوں ہلاک ہوگئے تو ہرایک کی دیت دوسرے کی عاقلہ پر لازم ہے۔ بشرطیکہ دونوں آزاد ہو۔ عجمی نہ ہو، جان بوجھ کر نہ ٹکرائیں اور گدی کے بل گرے ہوں یہ ہمارا مذہب ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہرایک کی عاقلہ دوسرے کی نصف دیت کی ضامن ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

ان کی دلیل یہ ہے کہ ہرایک کی ہلاکت میں دو فعل کارفرما ہوئے ہیں ایک اس کا ذاتی فعل کہ اس نے ٹکرایا اور دوسرا اس کے ساتھی کا فعل چناں چہ دیت بھی دو حصوں میں تقسیم ہوگی پس نصف دیت جو اس کے فعل کے بدلے ہے وہ ساقط ہوجائے گی اور اس کے ساتھی کے فعل کے بدلے نصف دیت باقی رہے گی جو اس کی عاقلہ ادا کرے گی، یہی مذہب امام زفر اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

[البنایہ:۱۶/۱۱۷]

احناف کی دلیل:

قلنا فعل...... سے احناف کی دلیل نقل کررہے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہرایک کا فعل (راستے میں چلنا) مباح ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ انسان کا مباح فعل اس کی اپنی ذات کے حق ضمان کی صلاحیت نہیں رکھتا اور دوسرے کا فعل بھی اگرچہ مباح ہے لیکن مباح فعل دوسرے کی ذات کے بارے میں ضمان کی صلاحیت رکھتا ہے چناں چہ ہرایک کی عاقلہ دوسرے کی ذات میں فعل کرنے کی وجہ سے ضامن ہوگی۔

فوائد قیود:

اس مسئلے میں چند قیودات بیان کی گئی ہیں کہ وہ دونوں آزاد ہوں، عجمی نہ ہوں، جان بوجھ کر ٹکرائے ہوں، گدی کے بل گرے ہوں چناں چہ اگر وہ دونوں غلام ہوں یا منہ کے بل گرے ہوں تو ان دونوں کا خون ضائع ہوگا اور کسی پر ضمان نہ ہوگی اور اگر عجمی ہوں تو ان کے مال میں سے دیت واجب ہوگی اور اگر دونوں جان بوجھ کر ٹکرائے ہوں تو ہرایک کی عاقلہ پر نصف دیت ہوگی۔ [درمختار:۶/۶۰۵]

و سائق دابة وقع...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ تین صورتیں بیان کررہے ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی جانور کو ہانک کر لے جارہا تھا کہ اس کے آلات مثلاً زین وغیرہ کسی شخص پر گرگئی اور وہ آدمی مرگیا تو جانور کھینچنے والے پر دیت واجب ہوگی کیوں کہ اس نے جانور کے آلات کو مضبوط نہیں پکڑا جس کی وجہ سے وہ گر پڑے چناں چہ یہ ضامن ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اونٹوں کی قطار چلی جاری ہے اور اس کو ایک شخص کھینچ کر لے جارہا تھا اور اس قطار میں سے ایک اونٹ نے کسی شخص کو روندہ دیا تو اب قائد اس کا ضامن ہوگا اور اگر اس کے ساتھ سائق بھی ہو تو دونوں ضامن ہوں گے اور ان دونوں کی عاقلہ دیت ادا کرے گی اور یہ اس وقت ہے جب سائق نے کسی اونٹ کی لگام نہ پکڑی ہو اور ان کے ساتھ چل رہا ہو چناں چہ اگر اس نے کسی اونٹ کی لگام پکڑی ہو تو اس سے پیچھے جتنے اونٹ ہیں اگر ان کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہوگیا تو صرف سائق ضامن ہوگا قائد ضامن نہ ہوگا۔

[شامی:۶/۶۰۷]

تیسری صورت "فان قتل ...... سے بیان کی ہے کہ ایک شخص اونٹوں کی قطار کھینچ کر لے جارہا تھا کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ بھی قائد کو بتائے بغیر اس قطار کے ساتھ باندھ دیا اور اس اونٹ نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اب قائد کی عاقلہ دیت کی ضامن ہوگی اور وہ اس دیت کا اس شخص کی عاقلہ سے رجوع کریں گے جس نے اونٹ باندھا تھا اس لیے کہ اونٹ باندھنے والے شخص نے قائد کی عاقلہ کو دیت کی ضمان ادا کرنے میں ڈالا ہے چناں چہ وہ اس کی عاقلہ سے رجوع کریں گے۔

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے:

اقول ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں اپنی رائے پیش کر رہے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ قائد کی عاقلہ اونٹ باندھنے والے کے مال سے اپنی ضمان لیں کیوں کہ اس شخص نے قائد کی عاقلہ کو مالی کے خسارے میں ڈالا ہے اور مالی خسارے کی عاقلہ ضامن نہیں ہوتی چناں چہ جب اس نے ان کو خسارے میں ڈالا ہے تو یہی ضامن ہوگا۔

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کو جواب:

صاحب درمختار رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ یہ صدر الشریعہ کو وہم ہوا ہے کہ یہ مالی خسارہ ہے حالاں کہ یہ دیت ہے پس جب یہ دیت ہے تو عاقلہ اونٹ باندھنے والے کی عاقلہ سے رجوع کرے گی۔ [درمختار: ۶/ ۶۰۷]

قالوا هذا ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ مسئلے میں ایک قید بیان کر رہے ہیں کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ مذکورہ بالا حکم (قائد کی عاقلہ دیت کا رابط کی عاقلہ سے رجوع کرے گی) اس وقت ہے جب رابط نے اپنا اونٹ قطار چلتے ہوئے باندھا ہو کیوں کہ قطار چلتے وقت اونٹ باندھنا اس بات کی دلالۃً اجازت دینا ہے کہ تم میرا اونٹ بھی کھینچ کر لے جاؤ۔ چناں چہ رابط کی عاقلہ سے رجوع کیا جائے گا۔ بہر حال جب رابط نے قطار کھڑے ہونے کی حالت میں اونٹ باندھا اور پھر قائد اونٹوں کی قطار لے کر چلا تو اب صرف قائد کی عاقلہ ضامن ہوگی کیوں کہ قائد نے دوسرے کا اونٹ اس کی اجازت کے بغیر کھینچا ہے اجازت نہ صراحۃً ہے اور نہ دلالۃً ہے چناں چہ اب قائد کے ذمے جو ضمان لازم ہوئی ہے وہ اس کا کسی سے رجوع نہیں کرے گا۔

عبارت:

و من ارسل كلبا او طير او ساقه فاصاب في فوره ضمن في الكلب و لا في كلب لم يسقه الحاصل انه لا يضمن في الطير ساق او لم يسق و يضمن في الكلب ان ساق و ان لم يسق لا ففي الكلب ينتقل الفعل اليه بسبب السوق و ان لم يسق لا ينتقل اليه لانه فاعل مختار و لا يضمن في الطير اذا لم يسق و كذا ان ساق لان بدنه لا يطيق السوق فوجوده كعدمه اقول نعم لا يطيق الضرر اما سوقه فبا لزجر و الصياح بخلاف الصيد فانه يحل الصيد بمجرد الارسال للضرورة و عن ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ انه اوجب الضمان في هذا كله احتياطا و المشايخ اخذ و ابقوله و لا في دابة منفلتة اصابت نفسا اوما لا ليلا اونهارا و من ضرب دابة عليها راكب او نخسها فنفخت او ضربت بيدها اٰخر او نفرت فصدمته و قتلته ضمن هو لا الراكب هذا عندنا و عند ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ ان الضمان على الراكب و الناخس نصفين و هذا اذا نخسها بلا اذن الراكب اما اذا نخسها باذنه فلا يضمن لانه امره بما يملكه اذا لنخس في معنى السوق فانتقل الى الراكب فلا يضمن بالنفحة كما اذا نخس الراكب الدابة فنفحت و في فقاء عين شاة القصاب ما نقصها و في عين بقرة الجزار و جزوره و

الحمار و البغل و الفرس ربع القيمة لانه انما يمكن اقامة العمل بها باربع اعين عينها و عيني المستعمل و عند الشافعي رحمه الله تعالىٰ يجب النقصان كما في شاة القصاب قلنا في شاة القصاب المقصود اللحم۔

ترجمہ:

اور جس نے کتا یا پرندہ بھیجا اور اس کو ہانکا پس اس نے فوراً کسی کو کاٹ لیا تو کتے کی صورت میں ضامن ہوگا نہ پرندے کی صورت میں اور نہ اس کتے کی صورت میں جس کو اس نے نہیں ہانکا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ پرندے کی صورت میں ضامن نہ ہوگا خواہ وہ ہانکے یا نہ ہانکے اور کتے کی صورت میں ضامن ہوگا اگر اس نے ہانکا اور اگر نہیں ہانکا تو ضامن نہ ہوگا چناں چہ کتے کی صورت میں فعل ہانکنے کے سبب سے اس کی طرف منتقل ہوگا اور اگر اس نے نہیں ہانکا تو اس کی طرف فعل منتقل نہ ہوگا اس لیے کہ وہ فاعل مختار ہے اور پرندے کی صورت میں ضامن نہ ہوگا جب کہ وہ نہ ہانکے اور اسی طرح اگر اس نے ہانکا اس لیے کہ اس کا بدن ہانکنے کی طاقت نہیں رکھتا چناں چہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں جی ہاں وہ مار کھانے کی طاقت نہیں رکھتا بہر حال اس کو ڈانٹنے اور چیخنے کے ساتھ ہانکنا پایا جاتا ہے۔ برخلاف شکار کے ہے کیوں کہ شکار ضرورت کی وجہ سے صرف ارسال کے ساتھ حلال ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس میں احتیاطاً ضمان واجب کی ہے اور مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کا قول لیا ہے اور چھٹے ہوئے جانور کی صورت میں ضامن نہ ہوگا جس نے کسی کی جان یا مال کو رات یا دن میں نقصان پہنچایا اور جس نے کسی جانور کو جس پر ایک سوار تھا مارا یا اس کو تیز بھگانے کے لیے آنکڑا مارا چناں چہ جانور نے اپنے اگلے پاؤں سے دوسرے کو مارا یا جانور بدکا اور اس نے دوسرے کو کاٹ لیا اور اس کو قتل کر دیا تو یہ شخص ضامن ہوگا سوار ضامن نہ ہوگا یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک راکب اور ناخس پر نصف نصف ضمان ہے اور یہ اس وقت ہے جب اس نے راکب کی بلا اجازت آنکڑا مارا ہو بہر حال اگر اس کی اجازت کے ساتھ مارا ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ راکب نے اس کو اس شئی کا حکم دیا جس کا وہ مالک ہے اس لیے کہ ''نخس، سوق'' کے معنی میں ہے پس یہ راکب کی طرف منتقل ہو گیا لہٰذا وہ ''نفحة'' کی وجہ سے ضامن نہ ہوگا جیسا کہ جب راکب جانور کو آنکڑا مارے پھر وہ جانور کسی کو مارے اور قصاب کی بکری کی آنکھ پھوڑنے کی صورت میں اس کا ضامن ہوگا جو اس میں نقص ڈال دیا ہے اور ذبح کی گائے اور ذبح کے اونٹ اور گدھے اور خچر اور گھوڑے کی آنکھ میں چوتھائی قیمت ہے اس لیے کہ ان جانوروں سے کام لینا چار آنکھوں کے ساتھ ہوتا ہے اس جانور کی آنکھیں اور مستعمل کی آنکھیں اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نقصان واجب ہے جیسا کہ قصاب کی بکری میں ہے ہم نے کہا قصاب کی بکری میں گوشت مقصود ہے۔

تشریح:

و من ارسل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے کتا چھوڑا اور اس کے پیچھے چل پڑا (ساق سے مراد پیچھے چلنا ہے) اور کتے نے کسی کو کاٹ لیا تو مرسل ضامن ہوگا اور اگر اس نے کتا چھوڑا اور اس کے پیچھے نہ چلا اور اس نے کسی کو کاٹ لیا تو اب مرسل ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ کتا فاعلِ مختار ہے چناں چہ اس کا فعل مرسل کی طرف اس وقت منسوب ہوگا جب مرسل اس کے پیچھے چلے چناں چہ اگر اس کے پیچھے نہ چلے تو اس کا فعل مرسل کی طرف منسوب نہ ہوگا اور اگر کسی نے پرندہ مثلاً باز وغیرہ چھوڑا اب خواہ اس کو ہانکے یا نہ ہانکے دونوں صورتوں میں پرندے کے کسی کو نقصان پہنچانے کی صورت میں یہ ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ پرندے کا بدن ایسا ہے جو ''سوق'' کی صلاحیت نہیں رکھتا چناں چہ اس کو ہانکنا اور نہ ہانکنا دونوں برابر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کتے کو بھیجنے والا صرف اس صورت

میں ضامن ہوگا جب وہ اس کو ہانکے بہرحال جب اس کو نہ ہانکے تو ضامن نہ ہوگا اور پرندے کو بھیجنے والا ہر صورت میں ضامن ہوگا۔
اقول...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ پرندے کا بدن مار کی صلاحیت نہیں رکھتا البتہ اس کو ڈانٹ اور چیخ کر ہانکا جاسکتا ہے۔
و عن ابی ابو یوسف ...... ماقبل میں جو کتے کو ہانکنے اور نہ ہانکنے کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے یہ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتے کو بھیجنے والا ضامن ہوگا خواہ اس کے پیچھے چلے یا نہ چلے۔

راجح قول:

مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ [شامی: ۶/۶۰۷، تقریرات الرافعی: ۶/۳۳۵]
ولا فی دابة...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ دو صورتیں بیان کررہے ہیں۔
پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا جانور بدک گیا اور اس نے کسی شخص کو جان سے مار ڈالا یا کسی کا مالی نقصان کردیا خواہ رات کے وقت کیا ہو یا دن کے وقت کیا ہو، ہر صورت میں جانور کا مالک یا سوار ضامن نہ ہوگا۔
دوسری صورت **و من ضرب** ...... سے بیان کی ہے کہ ایک شخص اپنے جانور پر سوار چلا جارہا تھا اور کسی شخص نے اس کو لکڑی سے مارا چناں چہ اس جانور نے کسی شخص کو مارا یا کسی کو کاٹا اور وہ مرگیا تو اب جانور کو مارنے والا دیت کا ضامن ہوگا اس کا سوار ضامن نہ ہوگا یہ ہمارے نزدیک ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک راکب اور ناخس دونوں نصف نصف دیت کے ضامن ہوں گے۔

فوائد قیود:

ناخس پر ضمان اس وقت ہے جب اس نے جانور کو راکب کی اجازت کے بغیر مارا ہو بہرحال اگر ناخس نے راکب کی اجازت کے ساتھ جانور کو مارا تو اب ناخس ضامن نہ ہوگا کیوں کہ اس نے راکب کی اجازت کے ساتھ مارا اور راکب نے ایسی شئی کی اجازت دی ہے جس کا وہ مالک ہے پس یہ مارنا "سوق" کے معنی میں ہے۔ لہٰذا یہ راکب کی طرف منتقل ہوگا اور ناخس ضامن نہ ہوگا جس طرح راکب جب خود جانور کو مارے اور وہ کسی کو نقصان پہنچائے تو صرف راکب ضامن ہوتا ہے یہ بات (کہ ناخس ضامن نہ ہوگا) شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہے البتہ دوسری کتب میں ذکر کیا گیا ہے کہ دونوں (راکب، ناخس) پر نصف نصف دیت لازم ہوگی۔
(ان شئت زیادۃ التفصیل فارجع الی ھذہ الکتب، شامی: ۶/۶۰۷، ھدایہ)
دوسری قید یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت (کہ جب ناخس نے راکب کی اجازت کے بغیر مارا ہو) میں ناخس اس وقت ضامن ہوگا جب ناخس کے مارتے ہی جانور نے کسی کو نقصان پہنچایا ہو چناں چہ اگر کچھ دیر کے بعد نقصان پہنچایا تو راکب پر ضمان ہوگی۔ [درمختار: ۶/۶۰۹]
و فی فقاء...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قصائی کی بکری کی آنکھ پھوڑ دی تو یہ نقصان کا ضامن ہوگا یعنی اس جانور کی صحیح آنکھ کے ساتھ قیمت لگائی جائے پھر پھوڑی ہوئی آنکھ کے ساتھ قیمت لگائی جائے دونوں کے مابین فرق کا یہ شخص ضامن ہوگا اور اگر ذبح کی جانے والی بکری یا ذبح کے اونٹ یا گدھے یا خچر یا گھوڑے کی آنکھ پھوڑ دی تو جانور کی رُبع قیمت ادا کرے گا کیوں کہ ان جانوروں سے کام لینا چار آنکھوں پر موقوف ہے دو جانور کی آنکھیں اور دو جانور کے مستعمل کی آنکھیں جب یہ چار آنکھوں سے کام کرتے ہیں تو ان کی ایک آنکھ میں قیمت کا رُبع لازم ہوگا۔ یہ ہمارا مذہب ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح قصائی کی بکری میں نقصان واجب ہوتا ہے اسی طرح اس جانور میں بھی نقصان واجب ہوگا ہم نے اس کا جواب یہ دیا کہ قصائی کی بکری سے مقصود گوشت حاصل کرنا ہے جب کہ ان جانوروں سے کام لینا مقصود ہے۔

باب القسامة

جس مقتول کے قاتل کا علم نہ ہو اس میں قسامت کی ضرورت ہوتی ہے چناں چہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے باب قائم کیا ہے۔
اس باب سے قبل چند باتیں بطور تمہید جان لیں۔

لغوی معنی:

''القسامة'' اقسم سے مصدر ہے جس کا معنی ''قسم اٹھانا'' ہے۔

شرعی معنی:

''القسامة'' کا شرعی معنی یہ ہے ''الیمین باللّٰہ بسبب مخصوص و عدد مخصوص علی شخص مخصوص علی وجه مخصوص'' اس کی وضاحت کتاب میں آئے گی، ان شاء اللّٰہ۔

رکن:

اس کا رکن یہ کلمات ہیں ''واللّٰہ ما قتلته و لا علمت له قاتلا'' ان کو زبان سے ادا کیا جائے۔

شرائط:

اس کی چند شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) پچاس آدمی قسم اٹھائیں۔
(۲) قاتل معلوم نہ ہو۔
(۳) مقتول انسان ہو۔
(۴) مقتول کے اولیاء دعویٰ کریں۔
(۵) مدعیٰ علیہ انکار کرے۔
(۶) اولیاء قسامت کا مطالبہ کریں۔
(۷) جس جگہ مقتول پایا گیا ہے وہ کسی کی ملک ہو یا کسی کے قبضے میں ہو۔

دلیل:

قسامت کی دلیل احادیث مشہورہ اور اجماعِ امت ہے۔

سبب:

مقتول کا محلے وغیرہ میں پایا جانا قسامت کا سبب ہے۔ [بحر الرائق:۹/۱۸۸]

عبارت:

میت بـه جرح او اثر ضرب او خنق او خروج دم من اذنه او عینه وجد فی محلة او بدنه بلا راسه او اکثره او نصفه مع راسه لا یعلم قاتله و ادعی و فی القتیل علی اهلها او بعضهم حلف خمسون رجلا منهم یختار هم الولی باللّٰه ما قتلناه و لا علمنا له قاتلا لا الولی ثم قضی علی اهلها بالدیة ای بدیته فالالف واللام یقوم مقام ضمیر یعود الی المبتداء و هو میت هذا عندنا و قال الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ ان کان هناک لوث ای علامة القتل علی واحدٍ بعینه او ظاهر یشهد للمدعی من عداوة ظاهرة او شهادة واحد عدل او جماعة غیر عدول ان اهل المحلة قتلوه استحلف الاولیاء خمسین یمینا ان اهل المحلة قتلوه ثم یقضی بالدیة علی المدعی علیه سواء کان الدعوی بالعمد او بالخطاء و قال مالک رحمه اللّٰه تعالیٰ یقضی بالقود ان کان الدعوی بالعمد و هو احد قولی الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ و ان لم یکن به لوث مذهبه مثل مذهبنا الا انه لا یکرر الیمین بل یردها علی الولی و ان حلفو الادیة علیهم لنا ان البینة علی المدعی والیمین علی من انکر فالیمین عندنا لیظهر القتل تجوزهم عن الیمین الکاذبة فیقروا فیجب القصاص فاذا حلفوا حصلت البراء ة عن القصاص و انما تجب الدیة لوجود القتل بین اظهر هم و انه علیه السلام جمع بین الدیة و القسامة فی حدیث رواه سهل و حدیث رواه ابن زیاد بن مریم و کذا جمع عمر رضی اللّٰه عنهم۔

ترجمہ:

ایک میت جس پر زخم ہیں یا مار یا گلا گھونٹنے یا اس کے کان یا اس کی آنکھ سے خون نکلنے کا اثر ہے جو کسی محلّہ میں پائی گئی یا اس کا بدن بغیر سر کے ہے یا اس کا اکثر یا نصف حصہ سر کے ساتھ ہے اس کا قاتل معلوم نہیں ہے اور مقتول کے ولی نے اہل محلّہ یا ان میں سے بعض پر دعویٰ کیا تو ان میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی جس کو ولی اختیار کرے گا۔ (اس طرح قسم لی جائے) ''باللّٰه ما قتلناه و لا علمناله قاتلا'' ولی حلف نہیں اٹھائے گا پھر قاضی محلّہ والوں پر دیت کا فیصلہ کردے گا یعنی مقتول کی دیت کا فیصلہ کرے گا پس الف ولام ضمیر کے قائم مقام ہے جو مبتدا کی طرف راجع ہے اور مبتدا ''میت'' ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہاں شائبہ ہو یعنی ظاہری دشمنی ہو یا کسی ایک عادل شخص یا غیر عادل جماعت کی گواہی ہو کہ اہل محلّہ نے اس کو قتل کیا تو اولیاء سے پچاس قسمیں لی جائیں کہ اہل محلّہ نے اس کو قتل کیا ہے پھر دیت کا مدعی علیہ پر فیصلہ کیا جائے خواہ دعویٰ عمد کا ہو یا خطاء کا ہو اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا اگر دعوی عمد کا ہو اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور اگر وہاں شائبہ نہ ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہمارے مذہب کی طرح ہے البتہ یہ بات ہے کہ قسم کا تکرار نہیں کیا جائے گا بلکہ قسم ولی پر رد کردی جائے گی اور اگر انہوں نے حلف اٹھالیا تو ان پر دیت نہیں ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہی مدعی پر ہے اور یمین منکر پر ہے پس یمین ہمارے نزدیک قتل ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ وہ جھوٹی یمین سے رکیں اور اقرار کرلیں چناں چہ قصاص واجب ہوگا چناں چہ جب انہوں نے حلف لے لیا تو قصاص سے برأت حاصل ہوئی اور سوائے اس کے نہیں کہ دیت ان کے درمیان مقتول پائے جانے کی وجہ سے واجب

ہوتی ہے اور یہ کہ آپ علیہ السلام نے ایک حدیث میں دیت اور قسامت کو جمع فرمایا ہے جس کو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور ایک حدیث وہ ہے جس کو زیاد بن مریم نے روایت کیا ہے اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے۔

تشریح:

میت بہ ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص کسی محلے میں مردہ پایا گیا اور اس کے جسم پر زخموں کے یا گلا گھونٹنے کے نشانات تھے یا اس کے کان اور آنکھوں سے خون نکلا ہوا تھا یا اس کا بدن سر کے بغیر تھا یا بدن کا اکثر یا نصف حصہ سر کے ساتھ تھا اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو اور مقتول کے اولیاء تمام محلے والوں پر یا بعض پر قتل کرنے کا دعویٰ کریں تو اب احناف کے نزدیک اولیاء محلے والوں میں سے پچاس آدمیوں کو چن لیں اور ان سے حلف لیا جائے گا اور وہ اس طرح حلف اٹھائیں "**بالله ما قتلناه و لا علمنا له قاتلا**" یعنی ان میں سے ہر ایک الگ الگ یوں حلف اٹھائے: **بالله ما قتلته و لا علمت له قاتلا** "اور قاضی اولیاء سے حلف نہیں لے گا چناں چہ جب یہ پچاس شخص حلف اٹھالیں تو قاضی محلے والوں پر دیت کا فیصلہ کردے گا بشرطیکہ اولیاء نے محلے والوں پر قتل عمد کا دعویٰ کیا ہو اور اگر انہوں نے قتل خطاء کا دعویٰ کیا ہو تو محلے والوں کے عواقل پر دیت لازم ہوگی۔

و قال الشافعی ...... امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں مذہب یہ ہے کہ اس جگہ کو دیکھا جائے گا کہ قتل کا شائبہ ہے یا نہیں اگر قتل کا شائبہ ہو یعنی کسی معین شخص پر قتل کرنے کی علامت ہو یا ظاہر حال مدعی (اولیاء) کے حق میں گواہی دے یعنی اولیا اور محلے والوں کی ظاہری دشمنی ہو یا کوئی ایک عادل شخص یا غیر عادل جماعت محلے والوں کے خلاف قتل کی گواہی دے کہ محلے والوں نے اس کو قتل کیا ہے تو اب قاضی اولیاء سے پچاس حلف لے گا کہ محلے والوں نے اس کو قتل کیا ہے پھر قاضی ان پر دیت کا فیصلہ کرے گا خواہ اولیاء نے قتل عمد کا دعویٰ کیا ہو یا قتل خطاء کا دعویٰ کیا ہو اور اگر وہاں قتل کا شائبہ نہ ہو یعنی کوئی علامت نہ ہو تو پھر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی ہمارے مذہب کی طرح ہے یعنی محلے والوں سے پچاس لوگوں سے حلف لیا جائے گا البتہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر محلے والوں میں سے پچاس قسمیں پوری نہ ہوں تو ان سے دوبارہ حلف نہیں لیا جائے گا بلکہ بقیہ حلف اولیاء مقتول سے لیے جائیں گے پس امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا حاصل یہ ہوا کہ اگر کوئی ظاہری علامت موجود ہو تو اولیاء سے حلف لیا جائے گا اگر انہوں نے حلف اٹھالیا تو اہل محلّہ پر دیت ہوگی اور اگر انہوں نے حلف اٹھانے سے انکار کیا تو پھر محلے والوں سے حلف لیا جائے گا اگر انہوں نے حلف اٹھالیا تو وہ بری ہوں گے اور ان پر کچھ لازم نہیں ہے اور اگر انہوں نے حلف اٹھانے سے انکار کیا تو ایک قول کے مطابق ان پر قصاص ہے اور ایک قول کے مطابق دیت ہے اور اگر کوئی ظاہری علامت موجود نہ ہو تو ان کا مذہب ہمارے مذہب کی طرح ہے۔ [الکفایہ:۹/۳۰۵]

قال مالک ...... امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہاں قتل کا شائبہ ہو تو اولیاء سے حلف لیا جائے گا اگر انہوں نے حلف اٹھالیا تو وہ محلے والوں سے قصاص لینے کے مستحق ہیں اور اگر وہاں قتل کا شائبہ نہ ہو تو یہ دعویٰ عام دعوے کی طرح ہے یعنی اولیاء مقتول سے گواہی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ **و فیه تفصیل مذکور فی البنایة:۱۶/۱۹۰**]

اب یہ بات جان لیں کہ ہمارا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف دو باتوں میں ہے پہلی بات یہ ہے کہ حلف اولیاء مقتول سے لیا جائے یا محلے والوں سے لیا جائے دوسری بات یہ ہے کہ جب محلے والوں نے حلف اٹھالیا تو ان کے ذمے دیت واجب ہوگی یا نہیں ہوگی۔

پہلی بات میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ حلف محلے والوں سے لیا جائے گا جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاء سے حلف لیا جائے گا چناں چہ "**لنا ان البینة** ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ احناف کے مذہب کی دلیل پیش کررہے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا فرمان

ہے ''البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر '' چناں چہ جب اولیاء جو کہ مدعی ہیں ان کے پاس گواہی نہیں ہے اور محلے والے منکر ہیں تو ان سے حلف لیا جائے گا اب لازمی بات ہے کہ اولیاء محلے والوں میں سے ایسے پچاس شخص تلاش کریں گے جن پر قتل کرنے کا شبہ ہو تو اب اگر ان کو قاتل کا علم ہوگا تو وہ جھوٹی قسم سے احتراز کریں گے چناں چہ وہ قاتل کا اقرار کریں گے اور قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا لیکن جب انہوں نے حلف اٹھالیا تو قصاص ان سے ساقط ہو جائے گا۔

دوسری بات میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر محلے والوں نے حلف اٹھالیا تو ان پر دیت واجب ہوگی اس کو شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''و انما تجب الدیة..... سے بیان کررہے ہیں کہ مقتول ان کے محلے میں پایا گیا ہے اس وجہ سے ان پر دیت واجب ہوگی کیوں کہ آپ علیہ السلام نے بھی '' جب انصار کا مقتول یہودیوں کے محلے میں پایا گیا '' یہودیوں سے حلف لینے کی ابتداء کی اور ان پر دیت واجب کی اور اسی طرح حضرت زیاد بن مریم نے بھی روایت کی ہے اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دیت اور قسامت کو جمع کیا ہے۔

[البنایہ: ۱۶/۱۹۶]

عبارت:

فان ادعی علی واحد من غیرهم سقط القسامة عنهم فان لم یکن فیها ای الخمسون فی محلة کرر الحلف علیهم الی ان یتم و من نکل منهم حبس حتی یحلف و لا قسامة علی صبی و مجنون و امرأة و عبد و لا قسامة و لا دیة فی میت لا اثر به او خرج دم من فمه او دبره او ذکره فان الدم یخرج من هذه الاعضاء بلا فعل من احد بخلاف الاذن والعین و ما تم خلقه کالکبیر ای وجد سقط تام الخلق به اثر الضرب فهو کالکبیر و فی قتیل وجد علی دابة یسوقها رجل ضمن عاقلته دیته لا اهل المحلة و کذا لو قادها او رکبها فان اجتمعوا ضمنوا ای السائق و القائد و الراکب و فی دابة بین قریتین علیها قتیل علی اقربها فان وجد فی دار رجل فعلیه القسامة و تدی عاقلته ان ثبت انها له بالحجة و عاقلته ورثته ان وجد فی دار نفسه هذا عند ابی حنیفه رحمه اللّٰه تعالیٰ فان الدار حال ظهور القتیل للورثة فالدیة علی عا قلتهم و عندهما و عند زفر رحمه اللّٰه تعالیٰ لا شئی فیه والحق هذا لان الدار فی یده حال ظهور القتل فیجعل کانه قتل نفسه فکان هدراً و ان کانت الدار للورثة فالعاقلة انما یتحملون ما یجب علیهم تحفیفا لهم و لا یمکن الایجاب علی الورثة للورثة۔

ترجمہ:

اور اگر ولی مقتول نے محلے والوں کے علاوہ کسی پر دعویٰ کیا تو ان سے قسامت ساقط ہو جائے گی اور اگر محلے میں پچاس شخص نہ ہوں تو حلف کا ان پر تکرار کیا جائے گا تا کہ وہ مکمل ہو جائے اور جس نے حلف اٹھانے سے انکار کردیا تو اس کو قید کرلے یہاں تک کہ وہ حلف اٹھالے اور بچے اور مجنون اور عورت اور غلام پر قسامت نہیں ہے اور اس میت میں دیت اور قسامت نہیں ہے جس پر زخم کا نشان نہ ہو یا اس کے منہ یا سرین یا آلہ تناسل سے خون نکلا ہو کیوں کہ ان اعضاء سے خون کسی کے فعل کے بغیر نکلتا ہے برخلاف کان اور آنکھ کے ہے اور جس بچے کے اعضاء مکمل ہو گئے ہوں وہ بڑے کی طرح ہے، یعنی ایک ''سقط'' تام الخلقت پایا گیا جس پر مار کے نشانات تھے تو وہ بڑے کی طرح ہے اور اس مقتول میں جو کسی جانور پر پایا گیا جس کو کوئی شخص ہانک کرلے جارہا تھا تو اس کی عاقلہ مقتول کی دیت کی ضامن ہوگی محلے والے نہیں ہوں گے اور اسی طرح اگر وہ جانور کو کھینچ کر لے جارہا ہو یا وہ سوار ہو اور اگر یہ سب جمع ہو جائیں یعنی سائق اور قائد اور

راکب تو یہ ضامن ہوں گے اور اس جانور میں جو دو بستیوں کے درمیان ہو اس پر مقتول ہو تو قسامت اقرب بستی والوں پر ہوگی اور اگر کسی کے گھر میں پایا گیا تو اس پر قسامت ہے اور اس گھر والے کی عاقلہ دیت دے گی اگر یہ بات گواہی سے ثابت ہوگئی کہ گھر اس کا ہے اور اس کی عاقلہ اس کے ورثہ ہیں اگر مقتول اپنے ذاتی گھر میں پایا گیا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے کیوں کہ گھر مقتول کے ظہور کے وقت ورثہ کا تھا تو دیت ان کے عاقلہ پر ہوگی اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کچھ نہیں ہے اور یہی حق ہے اس لیے کہ مقتول کے ظہور کے وقت گھر اس کے قبضے میں تھا پس یوں بنایا جائے گا کہ اس نے بذات خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے چناں چہ یہ قتل ضائع ہے اور اگر گھر ورثہ کا ہے تو عاقلہ صرف اسی کا تحمل کرتی ہے جو ان پر واجب ہو ان کی تخفیف کے لیے اور ورثہ پر ورثہ کے لیے کچھ واجب کرنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح:

و لا قسامة ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ جب اہل محلّہ والوں پر قسامت واجب ہوگی تو اس میں بچہ اور مجنون داخل نہ ہوں گے کیوں کہ ان کا قول صحیح نہیں ہوتا اور یمین قولِ صحیح کو کہا جاتا ہے اور اسی طرح عورت اور غلام بھی داخل نہ ہوں گے کیوں کہ قسامت اہل نصرت پر واجب ہوتی ہے اور یہ دونوں اہل نصرت میں سے نہیں ہیں اور اسی طرح اگر کسی مقتول کے جسم پر کوئی زخم نہیں ہے یعنی اس کے منہ یا ناک یا سرین یا آلہ تناسل سے خون نکلا ہے تو بھی اہل محلّہ پر قسامت نہیں ہے کیوں کہ ان اعضاء سے کسی کے فعل کے بغیر بھی خون نکلتا ہے چناں چہ منہ اور ناک سے نکسیر کی وجہ سے اور سرین سے معدے کی خرابی کی وجہ سے اور آلہ تناسل سے کسی اندرونی رگ کے پھٹنے کی وجہ سے نکلتا ہے۔ [شامی ۶/۶۲۵، الکفایہ: ۹/۳۱۱]

و فی قتیل ...... یعنی ایک جانور پر مقتول لاش بندھی ہوئی ہے اور اس کو ایک شخص ہانک کر لے جا رہا ہے تو ہانکنے والے کی عاقلہ اس کی دیت کی ضامن ہوگی یہ اس وقت ہے جب سائق اس جانور کے پیچھے چھپ چھپ کر جا رہا ہو چناں چہ اگر چھپ کر نہ چل رہا ہو تو اس پر دیت واجب نہ ہوگی۔ [و فیه تفصیل مذکور فی الکفایة: ۹/۳۱۴]

و فـــی دابة ...... یعنی ایک جانور پر لاش بندھی ہوئی ہے اور وہ دو بستیوں کے درمیان پایا گیا تو اب جو بستی قریب ہوگی اس پر قسامت ہوگی بشرطیکہ مقتول ایسی جگہ پر ہو کہ اس کی آواز بستی والوں کو پہنچ سکتی ہو اور یہ بھی اس وقت ہے کہ جب وہ زمین جس جگہ مقتول کی لاش پائی گئی ہے کسی معین شخص کی ملک یا قبضے میں نہ ہو چناں چہ اگر کسی کی ملک یا قبضے میں ہو تو اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

[و فیه تفصیل جید مذکور فی الشامی من شاء فلیراجعه: ۶/۶۳۱]

فـــان وجد فی ...... سے مصنف رحمہ اللہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر کسی شخص کے گھر میں مقتول پایا گیا تو اس کے عاقلہ پر قسامت اور دیت اس وقت واجب ہوگی جب اس بات پر گواہی قائم کی جائے کہ یہ گھر اسی کی ملک ہے صرف اس کے قبضے میں ہونا کافی نہیں ہے۔

[الکفایة: ۹/۳۱۵]

و عـــاقلته ...... یعنی اگر ایک شخص کی لاش اس کے اپنے گھر میں پائی گئی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتول کی دیت مقتول کے عاقلہ پر ورثہ کے لیے واجب ہوگی یہ اس وقت ہے جب مقتول اور اس کے ورثہ کے عاقلہ ایک ہی ہوں اور اگر دونوں کے عاقلہ مختلف ہوں تو دیت ورثہ کے عاقلہ پر ورثہ کے لیے واجب ہوگی پس دونوں صورتوں (خواہ مقتول اور ورثہ کے عاقلہ ایک ہوں یا مختلف ہوں) میں دیت ورثہ کے عاقلہ پر ہوگی اگر چہ پہلی صورت میں چوں کہ مقتول کے عاقلہ بھی وہی ہیں اس لیے ''مقتول کے عاقلہ'' کا لفظ ذکر کیا

ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ورثہ کے عاقلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

فان الدار...... سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کرر ہے ہیں کہ جب مقتول کا علم ہوا تو اس وقت گھر مقتول کے ورثہ کی ملک میں تھا جب گھر مقتول کے ورثہ کا تھا تو دیت بھی ان کے عاقلہ پر واجب ہوگی۔

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لان الـــدار...... سے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کرر ہے ہیں کہ قتل کے وقت گھر اس شخص کے پاس تھا تو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے کو بذات خود قتل کیا ہے اور جو خودکشی کرے اس کا خون ضائع ہو جاتا ہے جس کا تاوان نہیں ہوتا۔

راجح قول:

مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ جن میں شارح رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں انہوں نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

[شامی:۶/۶۳۸، درمختار:۶/۶۳۸]

اب آپ یہ بات جان لیں کہ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس پر دو دلیلیں دی ہیں ایک دلیل ''لان الـــدار......'' سے وہی بیان کی ہے جو صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب کی دلیل ہے اور شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوسری دلیل وان کـــانـت...... سے بیان کی ہے یہ دراصل امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل کو کمزور قرار دینا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھر ورثہ کی ملک ہے تو اس پہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب گھر ورثہ کی ملک ہے تو مقتول کی دیت بھی ورثہ پر واجب ہونی چاہیے البتہ ورثہ کے عاقلہ ان پر آسانی کے لیے دیت ادا کر رہے ہیں اور یہ دیت مقتول کے ورثہ کو ادا کریں گے اب اشکال یہ ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شئی ورثہ پر ورثہ کے لیے واجب ہو یعنی یہ ممکن نہیں کہ ورثہ پر ان ہی کے لیے دیت واجب کی جائے پس جب امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل میں یہ اشکال ہے تو راجح قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے۔

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کو جواب:

صاحب درمختار رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ امام صاحب کی دلیل پر یہ اعتراض کرنا بالکل صحیح نہیں ہے کیوں کہ ورثہ پر دیت ورثہ کے لیے واجب نہیں کی گئی کہ یہ اشکال کیا جائے بلکہ ورثہ پر دیت مقتول کے لیے واجب کی گئی ہے اور اس دیت سے مقتول کے دیون اور وصایا ادا کیے جائیں گے اور جو باقی بچے گا وہ ورثہ کو بطور وراثت ملے گا۔ [الکفایۃ ۹/۳۲۴، درمختار:۶/۶۳۸]

عبارت:

و القسامة علی اهل الخطة دون السکان و المشترین فان باع کلهم فعلی المشترین هذا عند ابی حنیفة و محمد رحمهما اللّٰه تعالیٰ فان نصرة البقعة علی اهل الخطة و عند ابی یوسف هی علیهم جمیعا لان ولایة التدبیر کما یکون بالملک یکون بالسکنیٰ والمشتری و اهل الخطة سواء فی التدبیر و قیل ابوحنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ بنی هذا علی ما شاهد بالکوفة فان وجد فی دار بین قوم لبعض اکثر فهی علی الرؤس لان صاحب القلیل والکثیر سواء فی الحفظ و التقصیر فان بیعت و لم تقبض فعلی عاقلة البائع و فی البیع بخیار علی عاقلة

ذی الید هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و قالا ان لم یکن فیه خیار فعلی عاقلة المشتری و ان کان فعلی عاقلة من تصیر له سواء کان الخیار للبائع او المشتری و فی الفلک علی من فیه و فی مسجد محلة علی اهلها و بین القریتین علی اقربهما و فی سوق مملوک علی المالک هذا عند ابی حنیفة و محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ و عند ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ علی السکان و فی غیر مملوک و الشارح والسجن والجامع لا قسامة و الدیة علی بیت المال اما عند ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ فالقسامة علی اهل السجن لانهم سکان و فی قوم التقوا بالسیوف واجلوا عن قتیل ای انکشفوا عنه علی اهل المحلة الا ان یدعی الولی علی القوم او علی معین منهم فان وجد فی بریة لا عمارة بقربها او ماء یمر به فهدر و مستحلف قال قتله زید حلف باللّٰه ما قتلت و لا عرفت له قاتلا غیر زید و بطل شهادة بعض اهل المحلة بقتل غیر هم او واحد مهنم و من جرح فی حی فنقل فبقی ذا فراش حتی مات فالقسامة والدیة علی الحی و فی رجلین فی بیت بلا ثالث وجد احدهما قتیلا ضمن الاٰخر دیته عند ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ خلافا لمحمد رحمه اللّٰه تعالیٰ فانه لا یضمن عنده لاحتمال انه قتل نفسه و لابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ ان الظاهر ان الانسان لا یقتل نفسه و فی قتیل قریة امرأة کرر الحلف علیها و تدی عاقلتها عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ و عند ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ القسامة علی العاقلة ایضا لان القسامة علی اهل النصرة والمرأة لیست من اهلها واللّٰه اعلم۔

ترجمہ:

اور قسامت اہل خطہ پر ہے رہنے والوں اور خریدنے والوں پر نہیں ہے پس اگر تمام نے فروخت کر دیا تو خریدنے والوں پر ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے کیوں کہ بقعہ کی نصرت اہل خطہ پر ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قسامت ان تمام پر ہے اس لیے کہ تدبیر کی ولایت جس طرح ملک کے ساتھ ہوتی ہے وہ سکنی کے ساتھ ہوتی ہے اور مشتری اور اہل خطہ تدبیر میں برابر ہیں اور کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بنیاد رکھی جو انہوں نے کوفہ میں دیکھا اور اگر کسی قوم کے درمیان مشترکہ گھر میں قتیل پایا گیا بعض قوم کا اکثر حصہ ہے تو قسامت رؤس کے مطابق ہوگی اس لیے کہ صاحب قلیل اور کثیر حفاظت اور کمی کرنے میں برابر ہیں اور اگر گھر فروخت کیا گیا اور اس پر قبضہ نہیں کیا گیا تو بائع کی عاقلہ پر قسامت ہے اور خیار کے ساتھ بیع کی صورت میں ذی الید کے عاقلہ پر قسامت ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر اس میں خیار نہ ہو تو مشتری کی عاقلہ پر ہوگی اور اگر اس میں خیار ہو تو اس شخص کی عاقلہ پر ہوگی جس کا گھر ہو برابر ہے خیار بائع کا ہو یا مشتری کا ہو اور کشتی کی صورت میں اس شخص پر جو اس میں ہو اور محلے کی مسجد میں محلے والوں پر ہے اور دو بستیوں کے درمیان ان میں سے اقرب پر ہے اور مملوکہ بازار میں مالک پر ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رہنے والوں پر ہے اور غیر مملوک بازار میں اور شارع اور جیل اور جامع میں قسامت جیل والوں پر ہے اس لیے کہ وہ رہنے والے ہیں اور اس قوم کے درمیان جو تلواروں کے ساتھ لڑی اور ایک قتیل سے ظاہر ہوئی محلے والوں پر قسامت ہے مگر یہ کہ ولی قوم پر دعویٰ کرے یا ان میں سے کسی معین شخص پر دعویٰ کرے اور اگر کسی جنگل جس میں عمارت نہ ہو لاش ملی تو اس کے قریب والوں پر قسامت ہے اور ایسے پانی میں جو اس پر گزر رہا ہے تو یہ ضائع ہے اور ایک مستحلف (جس سے حلف لیا گیا) نے کہا اس کو زید نے قتل کیا تو اس سے حلف یوں

لیا جائے گا ''بالله ما قتلت ولا عرفت له قاتلا غير زيد ''اور بعض اہل محلہ کی گواہی اپنے علاوہ پر یا ان میں سے کسی ایک پر باطل ہوگی اور جس کو کسی محلے میں زخمی کر دیا گیا اور اس کو منتقل کر دیا گیا پھر وہ صاحب فراش بن گیا یہاں تک کہ مر گیا تو قسامت اور دیت محلے والوں پر ہے اور ایک گھر میں تیسرے کے علاوہ دو میں سے ایک قتیل پایا گیا تو دوسرا اس کی دیت کا امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضامن ہوگا برخلاف امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے کیوں کہ ان کے نزدیک ضامن نہ ہوگا اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ اس نے بذات خود اپنے آپ کو قتل کیا ہو اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ انسان اپنے آپ کو قتل نہیں کرتا اور کسی عورت کی بستی میں قتیل پائے جانے کی صورت میں عورت پر حلف کا تکرار کیا جائے گا اور عورت کی عاقلہ دیت دے گی یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قسامت بھی عاقلہ پر ہے اس لیے کہ قسامت اہل نصرت پر ہوتی ہے اور عورت اس کی اہل نہیں ہے **واللہ اعلم**۔

تشریح:

والقسامة ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ قسامت اہل خطہ پر ہوگی اور اہل خطہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو ملک فتح ہونے کے وقت امام نے زمین بانٹ کر دی تھی اور ان گھروں میں رہنے والوں اور ان کو خریدنے والوں پر نہیں ہے یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محلے کے سارے لوگوں پر قسامت ہوگی کیوں کہ تدبیر کی ولایت جس طرح ملک کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح سکنی کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور مشتری اور اہل خطہ تدبیر میں برابر ہیں لہٰذا جب یہ تدبیر میں برابر ہیں تو قسامت سب پر ہوگی جب کہ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ زمین کی حفاظت مالک کرتا ہے اور مالک اہل خطہ ہیں لہٰذا قسامت بھی ان پر ہوگی بعض نے کہا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ قول کوفہ میں مشاہدے کی بناء پر اختیار کیا ہے۔

فان وجد ...... یہ مسائل شرح کے محتاج نہیں ہیں البتہ ان میں سے ہر ایک میں چند ضروری قیودات ہیں جو کہ شامی اور دیگر کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ [من شاء فليراجعه: شامی ۶/۶۳۴]

و مستحلف ...... مسئلہ یہ ہے کہ جب اہل محلہ سے حلف لیا جائے گا تو ایک شخص نے حلف اٹھانے کی بجائے یوں کہا ''قتله زيد ''تو اس کا یہ قول قبول نہ ہوگا ہو سکتا ہے کہ یہ زید کے ساتھ قتل کرنے میں شریک ہو چناں چہ اس سے حلف یوں لیا جائے گا **بالله ما قتلت و لا عرفت له قاتلا غير زيد**''۔

و في رجلين ...... یعنی ایک گھر میں دو شخص رہتے تھے ان میں سے ایک مقتول پایا گیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرا شخص اس کی دیت کا ضامن ہوگا کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ انسان خودکشی نہیں کرتا اور دوسرے کے علاوہ کوئی شخص نہیں ہے پس یہی شخص ضامن ہوگا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ممکن ہے کہ اس نے خودکشی کی ہو لہٰذا دوسرا شخص ضامن نہ ہوگا۔

و في قتيل ...... ایک عورت کی بستی ہے جس میں کوئی شخص مقتول پایا گیا تو اب عورت پر حلف کا تکرار کیا جائے گا اور عورت کی عاقلہ دیت ادا کرے گی یہ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورت کی عاقلہ پر قسامت بھی ہے کیوں کہ قسامت اہل نصرت پر ہوتی ہے اور عورت اس کی اہل نہیں ہے۔

......☆☆☆☆......

کتاب المعاقل

چوں کہ قتل خطاء وغیرہ میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے چناں چہ اب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ عاقلہ کے معنی اور اس کے احکام بیان کررہے ہیں۔ [بحرالرائق:۹/۲۰۳]

لغوی معنی:

''العاقلة، العقل'' سے مشتق ہے جس کے معنی ''روکنا'' ہے۔ چوں کہ انسان کی عاقلہ اس کو مضر اشیاء سے روکتی ہے اس لیے اس کو عاقلہ کہتے ہیں۔

شرعی معنی:

اس کے شرعی معنی کی وضاحت کتاب میں آئے گی، ان شاء اللّٰہ۔

عبارت:

العاقلة اهل الديوان لمن هو منهم اى الجيش الذى كتب اساميهم فى الديوان و هذا عندنا وعند الشافعى رحمه الله تعالىٰ هم اهل العشيرة لانه كان كذلك على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و لا نسخ بعده و لنا ان عمر رضى الله عنه لما دون الدواوين جعل العقل على اهل الديوان بمحضر من الصحابة رضى الله عنهم فهذا لايكون نسخا بل يكون تقرير المعنى ان العقل على اهل النصرة و قد كانت بالانواع بالقرابة و نحوها فصارت فى عهد عمر رضى الله عنه بالديوان و كذا لو كانت بالحرف فالعاقلة على اهل الحرفة۔

ترجمہ:

عاقلہ اس شخص کے اہل دیوان ہیں جن میں سے وہ ہے یعنی وہ لشکر جس کے نام دیوان میں لکھے گئے ہوتے ہیں اور یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اہل عشیرۃ ہیں اس لیے کہ آپ علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں اسی طرح تھا اور اس کے بعد نسخ نہیں ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دواوین مرتب کیے تو دیت صحابہ کی موجودگی میں اہل دیوان پر مقرر فرمائی پس یہ نسخ نہیں ہے بلکہ اس معنی کو پختہ کرنا ہے کہ دیت اہل نصرت پر ہوتی ہے اور نصرت قرابت اور اس جیسی انواع کے ساتھ ہوتی ہے چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نصرت دیوان کے ساتھ تھی اور اسی طرح نصرت پیشے کے ساتھ ہوتی ہے پس عاقلہ اہل حرفت والے ہوں گے۔

تشریح:

العاقلة...... یہاں سے عاقلہ کا شرعی معنی بیان کر رہے ہیں چناں چہ احناف کے نزدیک انسان کے عاقلہ وہ اہل دیوان ہیں جن میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص فوجی ہے تو اس کا نام فوج کے رجسٹروں میں داخل ہے چناں چہ فوج اس کی عاقلہ ہے اسی طرح ایک شخص کاتب ہے تو اس کی عاقلہ کاتب لوگ ہیں جن کے نام رجسٹروں میں محفوظ ہیں جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی عاقلہ اس کا خاندان ہوتا ہے کیوں کہ آپ علیہ السلام کے زمانے میں اسی طرح تھا اور آپ کے بعد نسخ نہیں ہے چناں چہ اب بھی انسان کی عاقلہ اس کا خاندان ہے۔

احناف کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل ہے کہ انہوں نے مختلف شعبوں والوں کے دواوین مدون کیے اور دیت اھل دیوان پر واجب کی اور یہ کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کے فعل کو نسخ نہیں کیا بلکہ اسی معنی کو پختہ کیا ہے وہ اس طرح کہ انسان کا خاندان اس کی مدد کرتا ہے چناں چہ خاندان پر دیت واجب فرمائی اور یہی بات (مدد کرنا) مختلف انواع سے ہوتا ہے پس جس طرح آپ علیہ السلام کے زمانے میں مدد کرنا خاندان سے تھا اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اہل دیوان سے تھا اور اسی طرح مدد کرنا پیشے والوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔ پس جو مدد کرنے والے ہیں وہی اس کے عاقلہ ہیں انہی پر دیت ہوگی۔

عبارت:

و توخذ من عطایاهم فِی ثلث سنین و کذا مایجب فی مال القاتل فان قتل الاب ابنه توخذ فی ثلث سنین عندنا و عند الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ تجب حالا فان خرجت لاکثر منها او اقل اخذ منه ای ان اعطیت عطایاهم ثلث سنینَ بعد القضاء بالدیة فی سنة واحدة مثلا او فی اربع سنین یوخذ فی سنة واحدة او اربع سنین و حیّه لمن لیس منهم ای من اهل الدیوان توخذ من کل فی ثلث سنین ثلثة دراهم او اربعة فقط فی کل سنة درهم او مع ثلث هو الاصح انما قال هو الاصح لان روایة القدوری انه لا یزاد الواحد علی اربعة دراهم فی کل سنة لکن الاصح انه لا یزادِ علی اربعة دراهم فی ثلث سنین هکذا نص محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ و عند الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ یجب علی کل واحد نصف دینار وان لم یتسع الحی ضم الیه اقرب الاحیاء نسبا الاقرب فالاقرب کما فی العصبات و القاتل کاحد هم هذا عندنا و عند الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ لا یجب علی القاتل شئی و للمعتق حی سیده و لمولی المولاة مولاه و حیه و یتحمل العاقلة ما یجب بنفس القتل وقدر ارش الموضحة فصاعدا لا ما یجب بصلح او اقرار لم تصدقه العاقلة او عمد سقط قوده بشبهة او قتله ابنه عمد او بجنایة عبد او عمد و مادون ارش موضحة بل الجانی۔

ترجمہ:

اور دیت ان کے عطایا سے تین سال میں لی جائے گی اور اسی طرح جو قاتل کے مال میں واجب ہو چناں چہ اگر باپ نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تو ہمارے نزدیک تین سال میں لی جائے گی اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فوراً واجب ہوگی اور اگر عطایا تین سال سے زائد یا کم میں نکل آئے تو اس سے لی جائے گی یعنی اگر ان کو تین سال کے عطایا ایک سال میں دیت کا فیصلہ ہونے کے بعد دیئے گئے یا

چار سال میں دیئے گیے تو ایک سال یا چار سال میں لی جائے گی اور محلے والے اس شخص کی دیت دیں گے جو شخص اہل دیوان میں سے نہ ہو یعنی اہل دیوان میں سے نہ ہو تو ہر ایک سے تین سال میں تین دراہم یا فقط چار دراہم ہر سال ایک درہم یا ثلث کے ساتھ لیا جائے گا یہی اصح ہے سوائے اس کے نہیں کہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ھو الاصح" فرمایا اس لیے کہ قدوری کی روایت یہ ہے کہ ایک شخص پر ایک سال میں چار دراہم سے زیادہ نہیں کی جائے گی لیکن اصح یہ ہے کہ تین سال میں چار دراہم پر زیادتی کی جائے گی اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر ایک پر نصف دینار واجب ہوگا اور اگر محلّہ والے کافی نہ ہوں تو اس کی طرف نسب کے لحاظ سے اقرب کو ملایا جائے گا الاقرب فالاقرب کے تحت جس طرح عصبات میں ہوتا ہے اور قاتل ان میں سے ایک کی طرح ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاتل پر کچھ واجب نہیں ہے اور معتق کے لیے اس کے آقا کا محلّہ ہوگا اور مولی موالات کے لیے اس کا مولیٰ اور اس کا محلّہ ہوگا اور عاقلہ اس دیت کو برداشت کرے گی جو قتلِ نفس یا موضحہ کی دیت کے بقدر یا اس سے زائد واجب ہو نہ کہ اس رقم کی جو صلح یا ایسے اقرار سے واجب ہو جس کی عاقلہ نے تصدیق نہیں کی یا قتل عمد جس کا قصاص کسی شبہے کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہو یا آدمی کے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کرنے کی وجہ سے واجب ہوا اور نہ غلام کی جنایت اور عمد کی جنایت اور جو موضحہ کی دیت سے کم ہو اس کی ضامن ہوگی بلکہ جانی ضامن ہوگا۔

تشریح:

و توخذ من عطایا ھم...... یعنی عاقلہ پر جو دیت واجب ہوئی ہے وہ ان کی تنخواہوں سے تین سال میں لی جائے گی اور تین سال کی ابتداء قاضی کے فیصلے والے دن سے شمار ہوگی اور اسی طرح اگر باپ نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تو بھی دیت اس مال سے تین سال میں لی جائے گی یہ احناف کے نزدیک ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دیت نقداً واجب ہوگی اور اگر ایسی صورت بن جائے کہ ان کی تین سال کی تنخواہیں ایک سال میں یا چار سال میں ملیں تو ان سے دیت بھی ایک سال یا چار سال میں لی جائے گی۔

[و فیہ تفصیل مذکور فی الشامی من شاء فلیراجعہ:۶/۶۴۱]

و حیہ لمن...... یعنی جو شخص اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کی عاقلہ اس کے محلے اور قبیلے کے لوگ ہوں اور اسی طرح ہر وہ شخص جو اس کی مدد کرے وہ اس کی عاقلہ میں داخل ہے۔

و توخذ من...... یعنی عاقلہ کے ہر ایک فرد سے ہر سال ایک درہم یا ایک درہم اور ثلث درہم لیا جائے گا تا کہ تین سال کی مدت میں ہر ایک پر تین درہم یا چار درہم لازم ہوں یہی قول اصح ہے کیوں کہ امام قدوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ ایک سال میں ایک شخص پر چار دراہم سے زیادہ لازم نہیں کیے جائیں گے جس سے معلوم ہوا کہ تین سال میں ہر ایک پر بارہ دراہم لازم ہوں یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے کیوں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات صراحۃً بیان کی ہے کہ تین۔ سال کی مدت میں ہر شخص پر تین یا چار دراہم سے زیادہ لازم نہ ہوں گے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر شخص پر نصف دینار واجب ہے۔ [الکفایۃ:۹/۳۲۹]

و ان لم یتسع...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر عاقلہ کے افراد کم ہوں یعنی ایک فرد پر تین یا چار دراہم سے زیادہ حصہ آ رہا ہو تو ایسی صورت میں نسب کے لحاظ سے جو قبیلہ قریب ہو وہ بھی دیت ادا کرے گا یہ قربت عصبات کی ترتیب سے ہوگی یعنی پہلے بھائی پھر ان کے پھر چچا پھر ان کے بیٹے مثال کے طور پر جانی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے اور یہ قبیلہ کافی نہیں ہے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قبیلہ شامل کیا جائے گا اگر یہ بھی کافی نہ ہو تو ان کے بیٹوں کو بھی شامل کیا جائے گا اگر یہ بھی کافی نہ ہو تو حضرت

عقیل رضی اللہ عنہ کا قبیلہ شامل کیا جائے گا۔ [شامی:۶/۶۴۲]

و یتحمل ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرر ہے ہیں کہ عاقلہ کس جنایت کا تاوان ادا کرے گی اور کس کا ادانہیں کرے گی؟ چناں چہ فرمایا کہ عاقلہ صرف خطاءً قتل نفس کی دیت ادا کرے گی اور جس زخم کی دیت موضحہ کی دیت کے برابر یا اس سے زیادہ ہو اس کو بھی ادا کرے گی اس کے علاوہ جو مال قاتل پر قتل عمد کے بدلے صلح کرنے کی وجہ سے واجب ہوا ہو یا قاتل نے قتلِ خطاء کا اقرار کیا اور عاقلہ نے اس کی تصدیق نہیں کی تو اس کی دیت اور اسی طرح قتل عمد جس میں قصاص شبہ کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہو اس کی دیت اور اسی طرح ایک شخص نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا اس کی دیت اور اسی طرح غلام کی جنایت یا جس زخم کی دیت موضحہ کی دیت سے کم ہو یہ تمام دیات عاقلہ پر لازم نہ ہوں گی بلکہ جانی بذات خود ادا کرے گا۔

......☆☆☆☆......

کتاب الوصایا

کتاب الوصایا کو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کے آخر میں بیان کیا ہے چوں کہ انسان کی دنیا میں آخری حالت موت ہے اور موت کے وقت وصیت کی جاتی ہے چناں چہ اس مناسبت سے اس کو کتاب کے آخر میں بیان کیا ہے کتاب آخر سے آخر اضافی مراد ہے آخر حقیقی مراد نہیں ہے کیوں کہ آخر حقیقی کتاب الخنثیٰ ہے۔ [شامی: ۶/۶۴۷]

اس کتاب سے قبل چند باتیں بطور تمہید جان لیں۔

لغوی معنیٰ:

''الوصیة'' مصدر ہے جس کے معنیٰ ''وصیت کرنا'' ہیں۔

شرعی معنیٰ:

اس کا شرعی معنیٰ ''هي ايجاب بعدا لموت'' ہے جس کی وضاحت آئے گی ان شاء اللہ۔

سببِ مشروعیت:

اس کی مشروعیت کا سبب دنیا میں اپنے اچھے ذکر کو باقی رکھنا ہے اور آخرت میں بلند درجات حاصل کرنا ہے۔

شرائط:

چوں کہ وصیت میں تین اشیاء ہیں۔

(۱) موصی۔ (۲) موصیٰ لہ۔ (۳) موصیٰ بہ۔

چناں چہ ہر ایک کی جداگانہ شرائط ہیں۔

موصی کی شرائط یہ ہیں (۱) احسان کرنے کا اہل ہو (۲) مدیون نہ ہو، موصی لہ کی شرائط یہ ہیں۔ (۱) موصیٰ لہ وصیت کے وقت زندہ ہو (۲) اجنبی ہو (۳) موصی کا قاتل نہ ہو۔

موصی بہ کی شرائط یہ ہیں (۱) ایسی شئی ہو جو تملیک کو قبول کرے (۲) موصی بہ ثلث کے بقدر ہو۔

رکن:

وصیت کا رکن ''اوصيت بكذا'' ہے۔

صفت:

وصیت کی صفت یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔

حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ موصی لہ شئی پر قبضے کے بعد مالک بن جائے گا۔

عبارت:

ھی ایجاب بعد الموت و ندبت باقل من الثلث عند غنی ورثته او استغنانهم بحصتهم کترکها بلا احدهما ای ان لم تکن الورثة اغنیاء و لا یصیرون الاغنیاء بحصتهم من الترکة فترک الوصیة افضل للحمل و به ان ولدت لاقل من مدته من وقتها ای انما تصح الوصیة ان ولدت لاقل من ستة اشهر من وقت الوصیة و الفرق بین اقل مدة الحمل و بین اقل من مدة من الحمل دقیق الاول ستة اشهر من وقت الوصیة و الثانی اقل من ستة اشهر و هی و الاستثناء ای انما تصح الوصیة و الاستثناء فی وصیة بامة الاحملها فان کل ما یصح افراده بالعقد یصح استثناء ه من العقد فاذا صح الوصیة بالحمل صح استثناء الحمل من الوصیة و من المسلم للذمی و عکسه قید بالذمی لان الوصیة للحربی لا تجوز و بالثلث للاجنبی لا فی اکثر منه و لا لوارثه و قاتله مباشرة الاباجازة ورثته قوله مباشرة احترازعن القتل تسبیبا کحفر البیر و عند الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ تجوز الوصیة للقاتل و علی هذا الخلاف اذا اوصی لرجل ثم انه قتل الموصی و لا من صبی هذا عندنا و عند الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ تجوز و مکاتب و ان ترک وفاءً و قدم الدین علیها و تقبل بعد موته و بطل قبولها او ردها فی حیاته و به ای بالقبول یملک الا اذا مات موصیه ثم هو ای الموصی له بلا قبول فهو لورثته ای لورثة الموصی له و له ان یرجع عنها بقول صریح او فعل یقطع حق المالک عما غصب کما مرقد مر فی کتاب الغصب قوله فان غصب و غیرّ فزال اسمه و اعظم منافعه ضمنه و ملکه فهذا التغیر رجوع عن الوصیة او یزید فی الموصی به ما یمنع تسلیمه الا به کلت السویق یسمن و البناء فی دار وصی بها و تصرف یزیل ملکه کالبیع و الهبة لا بغسل الثوب اوصی به و لا بجحودها خلافا لابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ فان الجحود رجوع عنده۔

ترجمہ:

وصیت موت کے بعد واجب کرنا ہے اور وصیت موصی کے ورثہ کے غنی ہونے یا ان کے اپنے حصے سے مستغنی ہونے کے وقت مستحب ہے جیسے ان دونوں میں سے ایک کے بغیر وصیت چھوڑ دینا یعنی اگر ورثہ غنی نہ ہوں اور ترکے میں سے اپنے حصوں سے غنی نہ ہوں تو وصیت چھوڑ دینا افضل ہے اور حمل کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے اور حمل کی وصیت صحیح ہے اگر ماں بچے کو وصیت کے وقت سے حمل کی اقل مدت میں جنم دے دے یعنی وصیت اسی وقت صحیح ہے اگر ماں نے وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے اقل مدت میں بچہ جنا اور حمل کی اقل مدت اور حمل کی مدت سے اقل کے درمیان باریک فرق ہے۔ پہلا وصیت کے وقت سے چھ ماہ ہے اور دوسرا چھ ماہ سے کم ہے اور وصیت اور استثناء یعنی وصیت اور استثناء باندی کی وصیت میں صحیح ہے مگر اس کے حمل میں کیوں کہ ہر وہ جس کو عقد کے ساتھ الگ کرنا صحیح ہے اس کا عقد سے استثناء بھی صحیح ہے پس جب حمل کی وصیت صحیح ہے تو وصیت سے حمل کو استثناء کرنا صحیح ہے اور مسلمان کا ذمی کے لیے اور اس کے برعکس وصیت کرنا صحیح ہے۔ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذمی سے مقید کیا اس لیے کہ حربی کے لیے وصیت ناجائز ہے اور اجنبی کے لیے ثلث کی

وصیت صحیح ہے اس سے زیادہ کی صحیح نہیں ہے اور نہ اپنے وارث کے لیے اور مباشرۃً قتل کرنے والے کے لیے وصیت صحیح نہیں ہے مگر اپنے ورثہ کی اجازت کے ساتھ صحیح ہے۔ ماتن کا قول ''مباشرۃ'' ''تسبیبا'' والے قتل سے احتراز کرنا ہے جیسے کنواں کھودنا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قاتل کے لیے وصیت جائز ہے اور اسی اختلاف پر وہ صورت ہے جب ایک شخص کسی آدمی کے لیے وصیت کرے پھر وہ آدمی موصی کو قتل کر دے اور بچے کی طرف سے وصیت صحیح نہیں ہے یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اور مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے اگر وہ وفاء چھوڑے اور دین کو وصیت پر مقدم رکھا جائے گا اور وصیت موصی کی موت کے بعد قبول کی جائے گی اور اس کی قبولیت یا اس کا رَد موصی کی زندگی میں باطل ہے اور اسی کے ساتھ یعنی قبولیت کے ساتھ موصی لہ مالک بنے گا مگر جب اس کا موصی مر جائے پھر وہ یعنی موصی لہ قبول کیے بغیر مر جائے تو وہ اس کے ورثہ کی ہوگی یعنی موصی لہ کے ورثہ کی ہوگی اور موصی کے لیے وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے صریح قول یا ایسے فعل کے ساتھ جو مغصوبہ شئی سے مالک کا حق ختم کر دے جیسا کہ گزر چکا۔ تحقیق کتاب الغصب میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول گزر چکا ہے ''فان غصب و زال اسمه و اعظم منافعه ضمنه و ملكه'' چناں چہ یہ بدلنا وصیت سے رجوع کرنا ہے یا موصی بہ میں ایسی زیادتی کر دے جو اس کو حوالے کرنے سے مانع ہو مگر اس زیادتی کے ساتھ جیسے ستو کو گھی کے ساتھ ملانا اور ایسے گھر میں عمارت بنانا جس کی وصیت کی گئی ہے اور ایسا تصرف کرے جو اس کی ملک زائل کر دے جیسے بیع اور ھبہ نہ کہ ایسے کپڑوں کو دھونے سے جن کی وصیت کی گئی ہے اور نہ وصیت کے انکار سے وصیت باطل ہوگی برخلاف امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہے کیوں کہ جحود ان کے نزدیک رجوع ہے۔

تشریح:

هي ايجاب ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ وصیت کے شرعی معنی بیان کر رہے ہیں کہ وصیت کسی کو مالک بنانا ہے البتہ یہ مالک بنانا انسان کی موت کے بعد ہوگا۔

و ندبت ...... یعنی انسان کے لیے اپنے ثلث مال سے کم وصیت کرنا مستحب ہے خواہ اس کے ورثہ غنی ہوں یا فقیر ہوں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر ورثہ فقیر ہوں تو ثلث مال سے کم کی وصیت نہ کرنا اولیٰ ہے اور اگر ورثہ غنی ہوں یا اپنے حصوں سے مستغنی ہوں تو وصیت کرنا اولیٰ ہے پس یہ بات معلوم ہوگئی کہ ثلث مال سے کم کی وصیت کرنا ہر حالت میں مستحب ہے خواہ ورثہ غنی ہوں یا فقیر ہوں البتہ اولیت میں تفصیل ہے اگر ورثہ فقیر ہوں تو وصیت نہ کرنا اولیٰ ہے اور اگر غنی ہوں تو وصیت کرنا اولیٰ ہے۔ لہٰذا مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ''عند غني ورثته ...... سے قبل ''لو'' وصلیہ محذوف مان لیں تو مطلب واضح ہو جائے گا۔ یعنی و لو عند غني ...... تاکہ وصیت ہر حال میں مستحب رہے۔ [شامی: ۶/۶۵۱]

و صحت للحمل ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کسی شئی کی حمل کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے یعنی ماں کے پیٹ میں موجود بچے کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے اور اسی طرح حمل کی وصیت کرنا بھی صحیح ہے یعنی اپنی باندی کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس بچے کی کسی کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے اب حمل کے لیے یا حمل کی وصیت اس وقت صحیح ہوگی جب باندی بچے کو وصیت کے وقت سے چھ ماہ کی مدت سے قبل جنم دے دے یعنی حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے تو اب اگر باندی چھ ماہ سے قبل بچہ جن دے تو یہ وصیت صحیح ہوگی اب اس مدت کی ابتداء کب سے ہوگی اس میں اختلاف ہے کیوں کہ بعض نے کہا ہے ''من وقتها'' کی ضمیر وصیت کی طرف راجع ہے اور بعض نے کہا ہے موصی کی موت کی طرف راجع ہے صحیح بات یہ ہے کہ اگر حمل کے لیے وصیت کی گئی ہو تو وصیت کے وقت سے مدت کی ابتدا ہوگی

اور اگر حمل کی وصیت ہو تو موصی کی موت سے ابتداء ہوگی۔ [شامی: ۶/۶۵۴]

پس معلوم ہوا کہ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطلقا ''من وقتها'' ضمیر کا مرجع ''من وقت الوصية'' نکالنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے۔ واللہ اعلم۔

والفرق ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ اقل مدتِ حمل اور مدتِ حمل سے اقل کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں کہ اقل مدت حمل وصیت کے وقت سے چھ ماہ بنتی ہے اور مدت حمل سے اقل وصیت کے وقت چھ ماہ سے کم بنے گی۔

تصحیح عبارت:

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ''والفرق بين اقل مدة الحمل و بين اقل من مدة من الحمل'' میں کاتب سے ''من الحمل'' میں ''من'' زیادہ ہو گیا ہے چناں چہ صحیح عبارت یوں ہے ''وبين اقل من مدة الحمل''۔

وله ان يرجع ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ موصی کے لیے اپنی وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے جس کی چار صورتیں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ موصی صراحۃً کہہ دے میں نے اپنی وصیت سے رجوع کیا دوسری صورت یہ ہے کہ موصی بہ میں ایسا فعل کر دے جس سے اس شئی کے اعظم منافع اور نام زائل ہو جائے مثلاً بکری تھی اس کو ذبح کر کے پکالیا تو یہ بھی وصیت سے رجوع ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ موصی بہ میں کسی شئی کی زیادتی کر دے کہ موصی بہ کو اس زیادتی کے بغیر حوالے کرنا ممکن نہ ہو مثلاً موصی بہ ستو تھے ان کے ساتھ گھی ملا دیا یا موصی بہ گھر تھا جس میں عمارت بنادی تو یہ بھی وصیت سے رجوع ہوگا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ موصی ایسا تصرف کر دے جس کی وجہ سے موصی بہ سے ملک زائل ہو جائے جیسے اس شئی کو فروخت کر دے یا ہبہ کر دے مذکورہ بالا چار صورتوں کے ساتھ رجوع ہوتا ہے چناں چہ اگر کسی نے موصی بہ جو کپڑے تھے ان کو دھویا تو دھونے سے رجوع نہ ہوگا یا کسی نے وصیت سے انکار کر دیا کہ میں نے وصیت نہیں کی تو یہ انکار کرنا رجوع نہ ہوگا یہ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انکار کرنا رجوع ہے۔

عبارت:

و تبطل هبة المريض و وصيته لمن نكحها بعدها اى وهب المريض لامرأة شيئًا او وصى لها بشئى ثم تزوجها ثم مات تبطل الهبة والوصية لان الوصية ايجاب بعد الموت و عند الموت هى وارثة له و اما الهبة فهى و ان كانت منجزة فهى كالمضافة الى الموت لان حكمها يتقرر عند الموت الا ترى انها تبطل بالدين المستغرق و عند عدم الدين يعتبر من الثلث بخلاف الاقرار فانه ان اقربها ثم تزوجها حيث يصح لانها عند الاقرار اجنبية كاقراره و وصيته و هبته لابنه كافرا او عبدا ان اسلم او اعتق بعد ذلك اى ان اقر المريض او وصى او وهب لابنه الكافر ثم اسلم الابن قبل موت الاب بطل ذلك اما الاقرار فلان البنّوة قائمة وقت الاقرار فاعتبر فى الارث الايثار و اما الهبة و الوصية فلما مر فكذا ان كان الابن عبدا او مكاتبا فعتق لما بينا و صح هبة مقعد و مفلوج و اشل و مسلول من كل مال ان طال مدته و لم يخف موته و الافمن ثلثه و ان اجتمع الوصايا قدم الفرض و ان اخر و ان تساوت قوة قدم ما قدم اى ان اجتمع الوصايا فضاق عنها ثلث المال فان كان بعضها

فرضا و بعضها نفلا قدم الفرض و ان کان کلها نوافل قدم ما قدم الموصی فان اوصی بحج احج عنه راکبا من بلده ان بلغ نفقته ذلک والافمن حیث تبلغ فان مات حاج فی طریقه و اوصی بالحج عنه یحج من بلده ای الحج بلده عند ابی حنیفة رحمه اللّٰہ تعالیٰ ان بلغ نفقته ذلک والا فمن حیث تبلغ و عندهما یحج من حیث مات و ان لم تبلغ النفقة ذلک فمن حیث تبلغ۔

ترجمہ:

اور مریض کا ایسی عورت کو ہبہ کرنا یا وصیت کرنا باطل ہے جس سے وصیت یا ہبہ کے بعد نکاح کرے یعنی مریض نے کسی عورت کو کوئی شئی ہبہ کی یا اس کے لیے کسی شئی کی وصیت کی پھر اس سے شادی کر لی پھر وہ مرگیا تو ہبہ اور وصیت باطل ہے اس لیے کہ وصیت موت کے بعد واجب ہوتی ہے اور موت کے وقت بیوی شوہر کی وارث ہے اور بہر حال ہبہ اگر چہ نافذ ہو جاتا ہے پس موت کی طرف مضاف ہونے کی طرح ہے اس لیے کہ اس کا حکم موت کے وقت پختہ ہوگا کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہبہ دین مستغرق کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے اور دین نہ ہونے کے وقت ثلث سے معتبر ہوتا ہے۔ برخلاف اقرار کے ہے کیوں کہ اگر مرد نے عورت کے لیے اقرار کیا پھر اس سے شادی کر لی تو یہ صحیح ہے اس لیے کہ عورت اقرار کے وقت اجنبیہ تھی جیسے مریض کا اپنے کافر بیٹے یا غلام کے لیے اقرار کرنا یا وصیت کرنا یا ہبہ کرنا باطل ہے اگر کافر اس کے بعد مسلمان ہو گیا یا غلام آزاد کر دیا گیا یعنی اگر مریض نے اپنے کافر بیٹے کے لیے اقرار کیا یا وصیت کی یا ہبہ کیا پھر بیٹا باپ کی موت سے قبل مسلمان ہو گیا تو یہ تصرفات باطل ہوں گے بہر حال اقرار تو اس وجہ سے کہ بیٹا ہونا اقرار کے وقت قائم تھا چناں چہ ارث میں ایثار کی تہمت کا اعتبار کیا گیا ہے اور بہر حال ہبہ اور وصیت تو اس وجہ سے جو گزر چکی پس اسی طرح اگر بیٹا غلام یا مکاتب ہو پھر اس کو آزاد کر دیا گیا اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی اور مقعد اور مفلوج اور اشل اور مسلول کا سارے مال سے ہبہ کرنا صحیح ہے اگر اس کی موت لمبی ہو جائے اور اس کو اپنی موت کا خوف نہ ہو ورنہ ثلث مال سے معتبر ہوگی اور اگر کئی وصایا جمع ہو جائیں تو فرض وصیت کو مقدم کیا جائے گا اگر چہ موصی نے اس کو ذکراً موخر کیا ہو اور وہ قوت میں برابر ہوں تو جس کو موصی نے مقدم کیا ہے اسی کو مقدم کیا جائے گا یعنی اگر کئی وصایا جمع ہو گئیں اور ثلث مال ان سے تنگ ہو پس اگر ان میں سے بعض فرض ہوں اور ان میں سے بعض نفل ہوں تو فرض وصایا کو مقدم کیا جائے گا اور اگر ساری فرائض ہوں یا ساری نوافل ہوں تو جس کو موصی نے مقدم کیا ہے اسی کو مقدم کیا جائے گا اور اگر ایک شخص نے حج کی وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کے شہر سے سوار ہو کر حج کیا جائے گا اگر اس کا نفقہ اس کو پہنچ جائے ورنہ اس جگہ سے کرایا جائے گا جہاں سے نفقہ پہنچے اور اگر حاجی مکہ کے راستے میں مرگیا اور اس نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کی تو اس کے شہر سے حج کیا جائے گا یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے شہر سے حج کروایا جائے گا اگر اس کا نفقہ اس کو پہنچ جائے ورنہ اس جگہ سے جہاں سے نفقہ پہنچے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس جگہ اس کا انتقال ہوا ہے اسی جگہ سے حج کروایا جائے گا اور اگر نفقہ اس کو نہ پہنچے تو اس جگہ سے جہاں سے نفقہ پہنچے۔

تشریح:

و تبطل هبة...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ مریض کے وارث کو کوئی شئی ہبہ یا وصیت کرنے کا حکم بیان کر رہے ہیں چناں چہ فرمایا کہ مریض نے اگر کسی عورت کے لیے کسی شئی کی وصیت کی یا اس کو ہبہ کر دی پھر اس سے شادی کر لی اور پھر اس کا انتقال ہو گیا تو اب عورت کے لیے کی گئی وصیت اور ہبہ باطل ہو جائے گا۔ بہر حال وصیت کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وصیت موصی کی موت کے بعد

نافذ کی جاتی ہے اور یہ اصول ہے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا باطل ہے اور یہ عورت موصی کے مرنے کے وقت اس کی وارث ہے چناں چہ یہ وصیت وارث کے لیے ہوگی جو کہ باطل ہے اور مریض جو مرض الموت میں مبتلا ہے اس کے ہبہ کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہبہ اگر چہ نافذ ہو جاتا ہے لیکن چوں کہ یہ موت کی طرف منسوب ہے یعنی مریض کے مرنے کے بعد شئی موہوب موہوب لہ کو ملے گی اس وجہ سے اس کا حکم بھی وصیت کی طرح ہے چناں چہ جس طرح موت کے وقت وارث کے لیے وصیت باطل ہے اسی طرح موت کے وقت وارث کے لیے ہبہ بھی باطل ہے اب رہی یہ بات کہ ہبہ کا حکم وصیت کی طرح کیوں ہے اس کی وجہ **الا تـری**...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کر رہے ہیں کہ موت کے وقت ثلث مال سے زیادہ وصیت کرنا باطل ہے اسی طرح موت کے وقت غیر وارث کے لیے ہبہ کرنا ثلث مال معتبر ہوگا یہ بھی اس وقت ہے جب مریض پر دیون نہ ہوں چناں چہ اگر مریض پر دیون ہوں تو ہبہ دین کی وجہ سے باطل ہو جائے گا۔ **بـخـلاف الاقـرار**...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اقرار کا حکم ان دونوں (وصیت اور ہبہ) کے برخلاف ہے چناں چہ اگر ایک شخص نے کسی عورت کے لیے کسی شئی کا اقرار کیا اور پھر اس سے شادی کر لی اور پھر اس کا انتقال ہو گیا تو یہ اقرار باقی رہے گا کیوں کہ اقرار کرنے کے وقت یہ عورت اجنبیہ تھی اگر چہ بعد میں وارث بن گئی ہے۔

کـاقـراره و وصیتـه...... ماقبل والے مسئلے کو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلے کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں یعنی ایک مریض نے اپنے کافر بیٹے یا اپنے مدیون غلام کے لیے کسی شئی کا اقرار کیا یا ان کے لیے کسی شئی کی وصیت یا ہبہ کیا پھر کافر بیٹا مسلمان ہو گیا یا غلام آزاد کر دیا گیا پھر مریض کا انتقال ہو گیا تو یہ اقرار اور وصیت اور ہبہ باطل ہو جائے گا۔ بہر حال ہبہ اور وصیت کے بطلان کی وجہ گزر چکی ہے کہ یہ دونوں موت کے بعد نافذ کیے جائیں گے اور موت کے وقت یہ دونوں (بیٹا اور آزاد کردہ غلام) وارث تھے اور وارث کے لیے یہ دونوں (وصیت اور ہبہ) باطل ہے اور اقرار کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ اقرار کے وقت مقرلہ وارث نہ ہو جب کہ مذکورہ صورت میں اقرار کے وقت بنوت (بیٹا ہونا) موجود ہے چناں چہ اس پر تہمت کا خدشہ ہے کہ اس کو ترجیح دی گئی ہے لہٰذا یہ اقرار بھی باطل ہوگا۔

و صـح هبـه...... یعنی مقعد (جو شخص کھڑا نہ ہو سکتا ہو) اور مفلوج (جس کا نچلا حصہ کام نہ کرتا ہو) اور اشل (جس کا ہاتھ شل ہو گیا) اور مسلول (جس کو سل کی بیماری ہو) اگر یہ لوگ اپنا سارا مال کسی کو ہبہ کر دیں تو یہ ہبہ دو شرطوں کے ساتھ صحیح ہے اگر یہ امراض لمبی مدت (یعنی ایک سال) تک باقی رہیں اور مریض ان امراض کی وجہ سے موت کا خوف نہ رکھے یعنی ان امراض میں روزانہ اضافہ نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں پورے مال کو ہبہ کرنا صحیح ہے کیوں کہ یہ مرضِ موت نہیں ہے اور اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے ہو یعنی مرض کی مدت طویل نہ ہو یا مرض کی مدت طویل ہو لیکن موت کا خوف ہو کہ مرض روزانہ بڑھ رہا ہو تو یہ مرضِ موت ہے چناں چہ اس کا ہبہ ثلث مال سے معتبر ہوگا۔ [شامی: ۶/۶۶۰]

و ان اجتـمـع...... یہ بات جان لیں کہ تمام وصایا یا تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں گی یا صرف بندوں کے لیے ہوں گی یا دونوں کے لیے مشترکہ ہوں گی پس اگر ایک شخص نے بہت ساری وصیتیں کیں جو تمام حقوق اللہ سے متعلق تھیں تو اس میں جو فرائض سے متعلق ہوں ان کو مقدم کیا جائے پھر واجبات کو پھر نوافل کو ادا کیا جائے اور اگر ساری وصایا بندوں کے لیے ہوں تو اس میں جس سے ابتداء کر دی جائے صحیح ہے البتہ اگر مریض نے کسی کو پہلے دینے کے لیے کہا ہو تو اس کو دی جائے اور اگر وصایا حقوق اللہ اور حقوق العباد کے مابین مشترک ہوں تو اب حقوق اللہ سے متعلق وصایا کو مقدم کیا جائے گا پھر حقوق العباد سے متعلق وصایا کو ادا کیا جائے۔ [شامی: ۶/۶۶۱]

فـان اوصـی...... یعنی ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ اس کے مال سے کسی کو حج کروایا جائے تو اب موصی کی طرف سے ایک شخص کو حج کروایا جائے گا جو موصی کے شہر سے سوار ہو کر حج کو جائے گا یہ اس وقت ہے جب حج کا خرچہ اس قدر ہو کہ اس کے شہر سے سوار ہو

کر جاسکے چناں چہ اگر اتنا خرچہ نہ ہو تو جس جگہ سے پہنچ سکتا ہو وہیں سے حج کروایا جائے گا۔

فان مات ......اور اگر ایک شخص گھر سے حج کرنے نکلا راستے میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس نے اپنی طرف سے حج کروانے کی وصیت کردی تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر حج کا خرچہ اس قدر موجود ہو کہ اس کے شہر سے حج کروایا جاسکے تو وہیں سے حج کروایا جائے گا اور اگر اس قدر خرچہ نہ ہو تو جس جگہ سے خرچہ کافی ہو سکے وہاں سے حج کروایا جائے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس جگہ موصی کا انتقال ہوا ہے اس جگہ سے حج کروایا جائے گا بشرطیکہ اتنا خرچہ ہو اور اگر اس قدر خرچہ نہ ہو تو جس جگہ سے خرچہ کافی ہو جائے وہیں سے حج کروایا جائے۔

راجح قول:

مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

[درمختار:۶/۶۶۳، شامی:۶/۶۶۳]

......☆☆☆☆☆......

باب الوصية بالثلث

عبارت:

و وصيته بثلث ماله لزيد و مثله لأخر و لم يجيزوا ينصف ثلث بينهما و بثلث له و سدس لأخر بثلث و بثلثه لبكر و كله لأخر ينصف و قالا يربع قال ابوحنيفة رحمه الله تعالىٰ الوصية باكثر من الثلث اذا لم يجز الورثة فقد وقع باطلا فكانه اوصى بالثلث لكل واحد فينصف الثلث بينهما و قالاً انما يبطل الزايد على الثلث بمعنى ان الموصى له لا يستحقه حقا للورثه لكن يعتبر فى ان الموصى له ياخذ من الثلث بحصة ذلك الزائد اذلا موجب لا بطال هذا المعنى فمخرج الثلث ثلثة فالثلث واحد والكل ثلاثة صارت اربعة فيقسم الثلث بهذا السهام فهذا مبنى على اصل مختلف بينهم و هو قوله و لا يضرب الموصى له باكثر من الثلث عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ المراد بالضرب الضرب المصطلح بين الحساب فانه اذا اوصى بالثلث والكل فعند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ سهام الوصية اثنان لكل واحد نصف يضرب النصف فى ثلث المال فالنصف فى الثلث يكون نصف الثلث و هو سدس فللكل سدس المال و عندهما سهام الوصية اربعة لصاحب الثلث واحد والواحد من الاربعة ربع فيضرب الربع فى ثلث المال فالرابع فى الثلث يكون ربع الثلث ثم لصاحب الكل ثلثة من الاربعة و هى ثلثة ارباع فيضرب ثلثة الارباع فى الثلث يعنى ثلاثة ارباع الثلث و لصاحب الثلث واحد من الاربعة فيضرب الواحدة فى الثلث و هو ربع يعنى ربع الثلث هذا معنى الضرب و قد تحير فيه كثير من العلماء۔

ترجمہ:

انسان کے اپنے ثلث مال کی زید کے لیے اور اسی کی مثل دوسرے کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں ثلث کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا اور ثلث زید کے لیے اور سدس دوسرے کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں ثلث کے تین ثلث کیے جائیں گے اور ثلث مال کی بکر کے لیے اور سارے مال کی دوسرے کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں مال کو نصف نصف کیا جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا مال کو چار حصوں میں کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثلث سے زائد کی وصیت جب کہ ورثہ اجازت نہ دیں باطل ہوتی ہے پس گویا اس نے ہر ایک کے لیے ثلث کی وصیت کی ہے چناں چہ ثلث کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثلث پر زائد وصیت باطل ہے اس معنی میں کہ موصی لہ زیادتی کا بطور حق ورثہ پر مستحق نہیں ہے لیکن زائد اس میں معتبر ہے کہ موصی لہ ثلث سے اس زائد کے حصے کے ساتھ لے اس لیے کہ اس معنی کو باطل کرنے کا موجب

نہیں ہے پس ثلث کا مخرج تین ہے چناں چہ ثلث ایک ہے اور تین ہیں تو یہ چار ہو گئے لہٰذا ثلث کو ان حصوں کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا یہ اس اصل پر مبنی ہے جو ان کے مابین مختلف ہے اور وہ ماتن کا یہ قول ہے اور جس شخص کے لیے ثلث سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضرب نہیں دے گا۔ ''ضرب'' سے مراد حساب کی اصطلاحی ضرب ہے کیوں کہ جب ایک شخص نے ثلث اور کل مال کی وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وصیت کے حصے دو ہوں گے ہر ایک کے لیے نصف ہوگا وہ ثلث مال میں سے نصف لے گا پس ثلث میں نصف ثلث کا نصف ہوتا ہے اور وہ سدس ہے چناں چہ ہر ایک کے لیے مال کا سدس ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وصیت کے حصے چار ہوں گے صاحبِ ثلث کے لیے ایک ہوگا اور چار میں سے ایک ربع ہے چناں چہ وہ ثلث مال سے ربع لے گا پس ثلثِ مال میں ربع ثلث کا ربع ہے پھر صاحبِ کل کے لیے چار میں سے تین حصے ہوں گے اور وہ چار میں سے تین ہیں پس وہ ثلث کے چار میں سے تین لے گا یعنی ثلث کے چار حصوں میں سے تین اور صاحب ثلث کے لیے چار میں ایک ہوگا پس وہ ثلث میں سے ایک لے گا اور وہ ربع ہے یعنی ثلث کا ربع ہے یہ ضرب کا معنی ہے اور اس میں بہت سارے علماء حیران ہوئے ہیں۔

تشریح:

فی وصیتہ......اس عبارت میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین صورتیں بیان فرمائیں ہیں جن میں سے دو اتفاقی اور ایک اختلافی ہے۔

پہلی اتفاقی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے زید کے لیے اپنے سارے مال کے ثلث کی اور اسی طرح عمرو کے لیے بھی اپنے ثلث مال کی وصیت کی یعنی دو ثلث کی دونوں کے لیے وصیت کر دی لیکن ورثہ نے اجازت نہیں دی تو اب ایک ثلث کو دونوں سے درمیان برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

دوسری اتفاقی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے زید کے لیے اپنے سارے مال کے ثلث کی اور عمرو کے لیے سدس مال کی وصیت کی چوں کہ یہ وصیت بھی ثلث مال سے زائد ہے لہٰذا ورثہ کا اجازت دینا ضروری ہے اور ورثہ نے اجازت نہیں دی تو اب ثلث کے تین حصے کیے جائیں گے زید جس کے لیے ثلث کی وصیت تھی اس کو دو حصے ملیں گے اور عمرو جس کے لیے سدس کی وصیت تھی اس کو ایک حصہ ملے گا کیوں کہ ہر ایک ثلث میں سے اپنے حق کے بقدر لے گا۔

تیسری صورت جو اختلافی ہے اس کو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے **و بثلثہ بکر** ...... سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے بکر کے لیے ثلث مال کی اور عمرو کے لیے پورے مال کی وصیت کر دی اور ورثہ نے اجازت نہ دی تو اب ثلث ان کے درمیان کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ اس میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثلث کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا ایک حصہ بکر لے گا اور ایک حصہ عمرو لے گا جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثلث کے چار حصے کیے جائیں گے ایک حصہ بکر لے گا اور بقیہ تین حصے عمرو لے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

ان کی دلیل یہ ہے کہ ثلث سے زائد وصیت ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے اگر وہ اجازت دیں تو نافذ ہوتی ہے اور اگر اجازت نہ دیں تو ثلث سے زائد وصیت باطل ہو جاتی ہے اور مذکورہ صورت میں موصی نے وصیت میں دو باتوں کا ارادہ کیا تھا ایک بات یہ کہ ورثہ پر ثلث مال سے زیادہ استحقاق کا ارادہ کیا اور دوسری بات یہ کہ عمرو کو بکر پر زیادہ حصے دینے میں فضیلت دی۔ چناں چہ جب ورثہ نے اجازت نہ دی تو ثلث سے زائد وصیت باطل ہوگئی جب ثلث سے زائد وصیت باطل ہوگئی تو استحاق والا معنی بھی باطل ہو گیا اور ایک کو دوسرے پر

فضیلت دینا اس کے ضمن میں تھا وہ بھی باطل ہو گیا لہٰذا اب ثلث کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کے درمیان چوں کہ فضیلت نہ رہی ۔ لہٰذا برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ [البنایہ:۱۶/۲۹۱]

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ موصی نے دو باتوں کا ارادہ کیا تھا ایک ورثہ پر موصی لہ کا ثلث سے زائد کا استحقاق دوسرا ایک موصی لہ کو دوسرے پر فضیلت دی تھی تو اب چوں کہ ثلث سے زائد وصیت باطل ہے کیوں کہ اس کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہے لہٰذا ورثہ کے حق متعلق ہونے کی وجہ سے موصی لہ ثلث سے زائد مال کا مستحق نہیں رہا چناں چہ ایک بات ممنوع ہوگئی البتہ موصی کی دوسری بات کا ارادہ کہ ایک موصی لہ کو دوسرے پر فضیلت دی تھی یہ ممنوع نہیں ہے کیوں کہ ثلث مال میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی جاسکتی ہے چناں چہ ثلث مال کے کل چار حصے کیے جائیں گے جن میں تین حصے وہ موصی لہ لے لے جس کے لیے کل مال کی وصیت تھی اور ایک حصہ دوسرا موصی لہ لے لے اس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت صرف ثلث مال میں نافذ ہوگی اور ثلث ایسا عدد ہے کہ اس کا مخرج ''ثلاثة'' ہے یعنی اگر تین ثلث اکٹھے ہوں گے تو اس وقت ایک شئی مکمل ہوگی پس معلوم ہوا کہ مکمل شئی میں تین ثلث ہوتے ہیں تو اب موصی کی مراد یہ تھی کہ عمرو کو تین ثلث ملیں اور بکر کو ایک ثلث ملے چناں چہ ہم نے ثلث مال جس میں وصیت نافذ ہوگی اس کے چار حصے کر لیے تاکہ عمرو کو تین اور بکر کو ایک حصہ مل جائے ۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ اختلاف ایک اصول پر مبنی ہے جو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''**ولا یضرب الموصی لہ**......'' سے بیان کیا ہے۔

و لا یضرب الموصی ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق اصول بیان کررہے ہیں اس کو سمجھنے سے قبل یہ بات جان لیں کہ یہاں ''لا یضرب'' ''لایاخذ'' کے معنی میں ہے البتہ یہ مطلق ''لینے'' کے معنی میں نہیں ہے بلکہ وصیت کے بقدر ثلث سے ''لینا'' ضرب کہلاتا ہے اب اصول سمجھئے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موصی لہ ثلث مال میں سے اس لحاظ سے نہیں لے گا کہ اس کے لیے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہے بلکہ موصی لہ ثلث مال میں سے اس لحاظ سے لے گا کہ اس کے لیے ثلث کی وصیت کی گئی ہے جب موصی لہ اس لحاظ سے لے گا تو ثلث مال کے دو حصے بنائے جائیں گے ہر ایک کے لیے نصف نصف ہوگا چناں چہ وہ ثلث مال میں سے نصف لے لے گا پس معلوم ہوا کہ ثلث میں سے نصف کا مطلب ثلث کا نصف ہے اور ثلث کا نصف سدس ہوتا ہے چناں چہ ہر ایک کو سدس مال ملے گا مثلاً مال بارہ روپے تھا تو اس کا ثلث چار روپے ہے جس میں وصیت جاری ہوگی اور چار روپے جو ثلث ہے اس کا نصف دو روپے ہے اور یہ دو روپے بارہ کا سدس ہے ۔ لہٰذا کل مال بارہ روپے میں سے ہر ایک کو سدس یعنی دو روپے ملیں گے۔

و عندھما سھام ......صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب مذکورہ بالا اصول کے خلاف ہے چناں چہ ان کے نزدیک اصول یہ ہے کہ موصی لہ ثلث مال میں سے اس لحاظ سے لے گا کہ اس کے لیے ثلث سے زائد کی وصیت کی گئی ۔ جب موصی لہ اس لحاظ سے لے گا تو ثلث مال کے چار حصے بنائے جائیں گے تاکہ صاحبِ ثلث (جس کے لیے ثلث کی وصیت کی گئی تھی) وہ ایک حصہ لے اور چار حصوں میں سے ایک حصہ چار کا ربع ہے چناں چہ یہ ثلث مال میں سے ربع لے گا اور ثلث میں سے ربع کا مطلب ثلث کا ربع ہے اور ثلث کا ربع کل مال کا واحد ہے اور صاحبِ کل (جس کے لیے سارے مال کی وصیت کی گئی) وہ چار حصوں میں سے تین حصے لے گا مثلاً کل مال بارہ روپے ہے اس کا ثلث چار روپے ہے اب صاحب ثلث چار روپے میں سے ایک روپیہ لے گا اور صاحبِ کل تین روپے لے گا (مذکورہ بالا ساری تشریح

''ضرب'' کے اس معنی کے مطابق بیان کی ہے جو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیے ہیں۔ [من شاء فليراجعه، شامی:۶/۶۶۸]

عبارت:

الا في المحاباة و السعاية و الدراهم المرسلة صورة المحاباة ان يكون للرجل عبدا ان قيمة احدهما ثلثون و الأخر ستون فاوصى بان يباع الاول من زيد بعشرة الأخر و من عمرو بعشرين و لا مال له سواهما فالوصية في حق زيد بعشرين و في حق عمرو باربعين يقسم الثلث بينهما اثلاثا فيباع الاول من زيد بعشرين و العشرة وصية له و يباع الثاني من عمرو و باربعين و العشرون وصية له فاخذ عمرو من الثلث بقدر وصية و ان كانت زائدة على الثلث و صورة السعاية اعتق عبدين قيمتهما ما ذكر و لامال له سواهما فالوصية للاول بثلث المال و للثاني بثلثي المال فسهام الوصية بينهما اثلاث واحد للاول و اثنان للثاني فيقسم الثلث بينهما كذلک فيعتق من الاول ثلثه و هو عشرة ويسعى في عشرين و يعتق من الثاني ثلثه و هو عشرون و يسعى في اربعين فيضرب كل بقدر وصيته و ان كان زائدة على الثلث و صورة الدراهم المرسلة اوصى لزيد بثلثين درهما و للأخر بستين درهما و ماله تسعون درهما يضرب كل بقدر وصيته فيضرب الاول الثلث في ثلث المال و الثاني الثلثين في ثلث المال و المراد بالمرسلة مطلقة اى غير مقيدة بانها ثلث او نصف اونحوهما و انما فرق ابوحنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ بين هذه الصور الثلث و بين غيرهما لان الوصية اذا كانت مقدرة بما زاد على الثلث صريحا كالنصف و الثلثين و غيرهما و الشرع ابطل الوصية في زائد يكون ذكره لغو افلا يعتبر في حق الضرب بخلاف ما اذا لم يكن مقدررة بانه اى شئى من المال كما في الصور الثلث فانه ليس في العبارة ما يكون مبطلا للوصية كما اذا اوصى بخمسين درهما واتفق ماله مائة درهم فان الوصية غير باطلة بالكلية لا مكان ان يظهر له مال فوق المائة و اذا لم تكن باطلة بالكلية يكون معتبرة في حق الضرب و هذا فرق دقيق شريف۔

ترجمہ:

مگر محابات اور سعایہ اور دراہم مرسلہ میں، محابات کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کے دو غلام ہوں ان دونوں میں سے ایک کی قیمت تیس دراہم ہے اور دوسرے کی ساٹھ دراہم ہے پھر مولیٰ نے اس بات کی وصیت کی کہ پہلا غلام زید کو دس دراہم کے بدلے فروخت کر دیا جائے اور دوسرا عمرو کو بیس دراہم کا فروخت کیا جائے اور مولیٰ کا ان دونوں کے علاوہ کوئی مال نہیں ہے چناں چہ زید کے حق میں وصیت بیس دراہم ہے اور عمرو کے حق میں چالیس دراہم کی وصیت ہے تو ثلث ان دونوں کے درمیان اثلاثا تقسیم کیا جائے گا۔ چناں چہ پہلا غلام زید کو بیس دراہم کے بدلے فروخت کیا جائے گا اور دس دراہم اس کے لیے وصیت ہوں گے اور دوسرا غلام عمرو کو چالیس دراہم کے بدلے فروخت کیا جائے گا اور بیس دراہم اس کے لیے وصیت ہوں گے پس عمرو نے ثلث مال میں سے اپنی وصیت کے بقدر لیا ہے اگر چہ وہ ثلث سے زائد تھی اور سعایہ کی صورت یہ ہے کہ مولیٰ نے ایسے دو غلاموں کو جن کی مذکورہ قیمت ہے آزاد کر دیا اور اس کا ان دونوں کے علاوہ مال نہیں ہے تو پہلے کے لیے ثلث مال کی وصیت ہے اور دوسرے کے لیے مال کے دو ثلث کی وصیت ہے چناں چہ ان دونوں کے درمیان وصیت کے حصے اثلاثا ہوں گے ایک حصہ پہلے کا ہوگا اور دو حصے دوسرے کے ہوں گے۔ لہٰذا ثلث ان دونوں کے درمیان اسی طرح تقسیم کیا جائے گا پس پہلے سے اس کا ثلث آزاد ہوگا اور وہ دس دراہم ہے اور بیس دراہم کے لیے وہ مزدوری کرے گا اور دوسرے سے اس کا ثلث حصہ آزاد

ہوگا اور وہ بیس دراہم ہے اور وہ چالیس دراہم کے بارے میں مزدوری کرے گا۔ لہٰذا ہر ایک اپنی وصیت کے بقدر لے گا اگر چہ وہ ثلث سے زائد تھی اور دراہم مرسلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے زید کے لیے تیس دراہم کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے ساٹھ دراہم کی وصیت کی اور اس کا مال نوّے دراہم تھا تو ہر ایک اپنی وصیت کے بقدر لے گا چناں چہ پہلا ثلثِ مال میں سے ثلث لے گا اور دوسرا ثلثِ مال میں سے دوثلث لے گا اور مرسلہ سے مراد مطلقہ ہیں یعنی اس بات سے مقید نہیں ہیں کہ وہ ثلث یا نصف یا ان دونوں جیسے ہوں سوائے اس کے نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صورتوں اور ان کے علاوہ فرق کیا ہے اس لیے کہ وصیت اگر چہ ثلث سے زائد کے ساتھ صراحۃً مقرر ہے جیسے نصف اور ثلثین اور ان دونوں کے علاوہ کے ساتھ اور شریعت نے زائد میں وصیت کو باطل قرار دیا ہے تو اس کا ذکر کرنا لغو ہے چناں چہ ضرب کے حق میں معتبر نہیں ہے بَرخلاف اس صورت کے جب وصیت اس بات کے ہے ساتھ مقرر نہ ہو کہ وہ کس مال میں سے ہوگی جیسا کہ تینوں صورتوں میں ہے کیوں کہ عبارت میں وہ شئی نہیں ہے جو وصیت کو باطل کرنے والی ہو جیسا کہ جب ایک شخص نے پچاس دراہم کی وصیت کی اور اس کا مال سو دراہم جمع ہوا تو وصیت بالکلیہ باطل نہ ہوگی اس بات کے ممکن ہونے کی وجہ سے کہ اس کا مال سو سے اوپر ہو اور جب وصیت بالکلیہ باطل نہیں ہوئی تو ضرب کے حق میں معتبر ہوگی یہ باریک ونفیس فرق ہے۔

تشریح:

ماقبل میں جو اصول بیان کیا گیا ہے کہ موصی لہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثلث مال سے وصیت کے لحاظ سے نہیں لے گا اس اصول میں سے تین صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے **الا فی المحاباة** ...... سے بیان کیا ہے وہ تین صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) محابات۔ (۲) سعایہ۔ (۳) دراہم مرسلہ۔

محابات:

محابات کے معنیٰ ''دینا'' ہیں امام قہستانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے محابات کی یہ تعریف کی ہے کہ ''کسی شئی کو اس کی قیمت مثلی سے کم فروخت کرنے کی وصیت کرنا یا کسی شئی کو اس کی قیمت سے زائد کے ساتھ خریدنے کی وصیت کرنا''۔

اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے دو غلام تھے، ان میں سے ایک کی قیمت تیس دراہم تھی اور دوسرے کی ساٹھ دراہم تھی اور ان دو غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی مال نہیں ہے چناں چہ اس شخص نے مرضِ موت میں یہ وصیت کی کہ تیس دراہم والا غلام زید کو دس دراہم کا فروخت کر دیا جائے اور ساٹھ دراہم والا غلام عمرو کو بیس دراہم کے بدلے فروخت کیا جائے تو اب چوں کہ اس کا مال صرف دو غلام تھے لہٰذا اس کا کل مال نوّے دراہم تھا جب اس نے زید کو تیس دراہم والا غلام دس دراہم کا فروخت کرنے وصیت کی تو گویا اس نے زید کے لیے بیس دراہم کی وصیت کر دی اور عمرو کو ساٹھ دراہم والا غلام بیس دراہم کا فروخت کرنے کی وصیت کی تو گویا اس نے عمرو کے لیے چالیس دراہم کی وصیت کی۔ پس دونوں (زید اور عمرو) کے لیے کل ساٹھ دراہم کی وصیت کی گئی اور ساٹھ دراہم نوّے دراہم کے دوثلث ہیں چناں چہ وصیت دوثلث کی ہوگئی اور ثلث سے زائد وصیت باطل ہے۔ لہٰذا وصیت صرف ثلث میں نافذ ہوگی البتہ اتنی بات ہے کہ یہ ثلث ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم نہ ہوگا بلکہ ہر ایک موصی لہ اپنی وصیت کے بقدر ثلث میں سے حصہ لے گا چناں چہ زید کو غلام بیس دراہم کا فروخت کیا جائے گا اور دس دراہم اس کے لیے وصیت ہوں گے اور عمرو کو غلام چالیس دراہم کا فروخت کیا جائے گا اور بیس دراہم اس کے لیے وصیت ہوں گے چناں چہ عمرو نے اپنی وصیت کے بقدر ثلث میں سے حصہ لیا ہے۔ اگر چہ عمرو کے لیے وصیت ثلث مال سے زیادہ کی تھی۔

سعایہ:

سعایہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے دو غلام تھے جن کی قیمت وہی تھی جو محابات کی صورت میں ذکر کی گئی ہے اور اس شخص کا ان کے سوا کوئی مال نہیں ہے اور اس نے دونوں کو آزاد کر دیا تو اب چوں کہ دونوں کی مجموعی قیمت نوّے دراہم تھی چناں چہ ایک غلام کے لیے ثلث مال (تیس دراہم) کی وصیت ہوئی اور دوسرے کے لیے ساٹھ دراہم کی وصیت ہوئی پس معلوم ہوا کہ اس صورت میں بھی وصیت اثلاثاً ہے یعنی ایک غلام کے لیے ثلث اور دوسرے کے لیے دو ثلث کی وصیت ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ثلث سے زائد وصیت باطل ہے چناں چہ ثلث کو ان دونوں کے درمیان اثلاثاً تقسیم کیا جائے گا پس پہلے غلام (جس کی تیس دراہم قیمت ہے) کا ثلث بطور وصیت آزاد ہو گیا چناں چہ وہ بیس دراہم مزدوری کر کے ورثہ کو دے گا اور دوسرے غلام (جس کی قیمت ساٹھ دراہم ہے) کا بھی ثلث بطور وصیت آزاد ہو گا چناں چہ وہ چالیس دراہم مزدوری کر کے ورثہ کو دے گا پس دوسرے غلام نے اپنی وصیت کے بقدر حصہ لیا اگر چہ اس کے لیے وصیت ثلث سے زائد تھی۔

دراہم مرسلہ:

دراہم مرسلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا کل مال نوّے دراہم تھا اس نے تیس دراہم کی زید کے لیے اور ساٹھ دراہم کی عمرو کے لیے وصیت کر دی تو اب ان دونوں (زید اور عمرو) میں سے ہر ایک ثلث مال (تیس دراہم) میں سے اپنی وصیت کے بقدر لے گا۔ چناں چہ زید ثلث مال میں سے ثلث لے گا اور عمرو ثلث مال میں سے دو ثلث لے گا۔ چناں چہ عمرو نے اپنی وصیت کے بقدر حصہ لیا اگر چہ اس کے لیے ثلث سے زائد مال کی وصیت تھی۔ مرسلہ سے مراد یہ ہے کہ موصی نے یوں نہیں کہا کہ میرے مال میں سے ثلث یا نصف فلاں کو دینا بلکہ عدد ذکر کیے کہ تیس یا ساٹھ فلاں کو دینا۔

وجہِ فرق:

و انما فرق ابو حنيفة ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان تین صورتوں کو مذکورہ اصول سے خاص کیوں کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ اصول اس صورت میں ہے جب موصی کسی شخص کے لیے ثلث سے زیادہ کی وصیت صراحۃً کرے مثلاً یوں کہے کہ فلاں کے لیے نصف یا دو ثلث کی وصیت ہے تو اب نصف اور ثلثین بلا شبہ ثلث سے زائد ہیں اور صراحۃً مذکور ہیں جب کہ شریعت نے ثلث سے زیادہ وصیت کو باطل قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ وصیت باطل ہو گی اور اس (نصف، ثلثین) کے ذکر کا فائدہ نہیں ہے چناں چہ ان کا ذکر لغو ہے جب ان کا ذکر لغو ہے تو موصی لہ ضرب (لینے) میں اس کا لحاظ نہیں کرے گا البتہ اگر موصی ثلث سے زیادہ وصیت اس طرح کرے کہ ثلث سے زیادتی لفظوں میں صراحۃً مذکور نہ ہو جیسا کہ مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں ہے تو اب چوں کہ موصی کی عبارت میں ایسا لفظ نہیں ہے جو اس کی وصیت کو باطل کرے تو یہ وصیت بالکلیہ باطل نہ ہو گی جیسے ایک شخص نے کسی کے لیے پچاس دراہم کی وصیت کی اور اتفاق سے اس کا مال سو دراہم نکلا تو یہ پچاس دراہم سو دراہم کا نصف ہوئے لیکن چوں کہ نصف لفظوں میں صراحۃً مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا وصیت بالکل باطل نہ ہو گی کیوں کہ اس بات کا امکان ہے کہ موصی کا مال سو دراہم سے زیادہ نکل آئے مثلاً مال ڈیڑھ سو دراہم نکل آئے جب یہ وصیت بالکل باطل نہیں ہے تو موصی لہ ثلث میں سے اپنا حصہ لیتے وقت وصیت کا لحاظ رکھے گا یہ فرق نہایت باریک ہے۔

عبارت:

و بمثل نصيب ابنه صحت و بنصيب ابنه لا لان الوصية بما هو حق الابن لا تصح لغيره و فيه خلاف زفر رحمه الله تعالىٰ و له ثلث ان اوصى مع ابنين وبجزءٍ من ماله بنية الورثة اى يقال للورثة اعطوا ما شئتم لانه مجهول والجهالة لا تمنع صحة الوصية فالبيان الى الورثة و بسهم السدس فى عرفهم و هو كالجزء فى عرفنا فالسدس قول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ بناء على عرف بعض الناس و قالا مثل نصيب احد الورثة و لا يزاد على الثلث الا ان يحيز الورثة فان قال سدس مالى له ثم قال ثلثه له واجاز واله ثلث اى يكون السدس داخلا فى الثلث فان قلت قوله ثلث مالى له ان كان اخبارا فكاذب وان كان انشاء يجب ان يكون له النصيب عند اجازة الورثة و ان كان فى السدس اخبارا و فى السدس انشاء فهذا ممتنع ايضا قلت لا جواب لهذا السوال و فى السدس مالى مكرر له سدس لان المعرفة اذا اعيدت معرفة كان الثانى عين الاول و بثلث دراهمه او غنمه او ثيابه متفاوية او عبيدة ان هلك ثلثاه فله ما بقى فى الاولين و ثلث الباقى فى الأخرين هذا عندنا و عند زفر رحمه الله تعالىٰ له ثلث الباقى فى كل الصور لان حق الموصى له شائع فى الجميع فاذا هلك ثلث المال هلك ثلثا حق الموصى له لنا ان حق الموصى له مقدم على حق الورثه فكل ما يجرى فيه الجبر على القسمة و يمكن جمع حق احد المستحقين فى الواحد كالدراهم والغنم يجمع حق الموصى له فيه مقدما فيجمع فى الباقى بخلاف ما ليس كذلك كالثياب المتفاوتة والعبيد۔

ترجمہ:

اور اپنے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کرنا صحیح ہے اور بیٹے کے حصے کی وصیت کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس مال کی وصیت جو بیٹے کا حق ہے بیٹے کے علاوہ کے لیے کرنا صحیح نہیں ہے اور اس میں امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے اور موصی لہ کو ثلث ملے گا اگر اس کے لیے دو بیٹوں کے ساتھ وصیت کی گئی اور اپنے مال کے جزء کی وصیت کرنا ورثہ کی نیت کے ساتھ صحیح ہوگی یعنی ورثہ سے کہا جائے گا تم جو چاہو دے دو اس لیے کہ یہ مجہول ہے اور جہالت وصیت کی صحت کو منع نہیں کرتی چناں چہ بیان ورثہ کے سپرد ہے اور ''سہم'' کی وصیت ان کے عرف میں سدس ہے اور ''سہم'' ہمارے عرف میں جزء کی طرح ہے پس سدس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بعض لوگوں کے عرف پر مبنی ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے لیے ورثہ میں سے ایک کے حصے کی طرح ہے اور ثلث پر زیادتی نہیں کی جائے گی مگر یہ کہ ورثہ اجازت دیں اگر اس نے کہا میرے مال کا سدس فلاں کے لیے ہے پھر اس نے کہا مال کا ثلث فلاں کے لیے ہے اور ورثہ نے اجازت دے دی تو اس کے لیے ثلث ہوگا یعنی سدس ثلث میں داخل ہوگا اگر تو کہے موصی کا قول ''ثلث مالی له'' اگر اخبار ہے تو وہ جھوٹا ہے اور اگر انشاء ہے تو واجب ہے کہ موصی لہ کے لیے ورثہ کی اجازت دینے کے وقت نصف ہو اور اگر سدس میں اخبار ہو یا سدس میں انشاء ہو تو یہ بھی ممتنع ہے میں کہتا ہوں کہ اس سوال کا جواب نہیں ہے اور ''سدس مالی'' تکرار کرنے کی صورت میں موصی لہ کے لیے سدس ہے اس لیے کہ معرفہ کا جب معرفہ کے طور پر اعادہ کیا جائے تو ثانی اول کا عین ہوگا اور اپنے دراہم یا بکریوں یا کپڑوں جن کی قیمت مختلف ہو یا غلاموں کے ثلث کی وصیت کرنے کی صورت میں اگر اس کے دو ثلث ہلاک ہوگئے تو موصی لہ کے لیے پہلی دو صورتوں میں بقیہ مال ہوگا اور دوسری دو صورتوں میں باقی مال کا ثلث ہوگا یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو تمام صورتوں میں باقی کا

ثلث ملے گا اس لیے کہ موصی لہ کا حق تمام میں شامل ہے پس جب ثلثِ مال ہلاک ہو گیا تو موصی لہ کے حق کے دو ثلث ہلاک ہو گئے ہماری دلیل یہ ہے کہ موصی لہ کا حق ورثہ کے حق پر مقدم ہے۔ پس ہر وہ جس میں تقسیم پر جبر جاری ہوتا ہے اور مستحقین میں سے ایک کے حق کو ایک میں جمع کرنا ممکن ہو جیسے دراہم اور بکریاں تو اس میں موصی لہ کے حق کو مقدم کرتے ہوئے جمع کیا جائے گا پھر باقی کو جمع کیا جائے گا بر خلاف اس صورت کے ہے جو اس طرح نہیں ہے جیسے متفاوت کپڑے اور غلام۔

تشریح:

و بمثل نصیب ...... یعنی ایک شخص نے کسی کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کے مثل مال کی وصیت کی کہ جتنا میرے بیٹے کو حصہ ملے گا اتنا فلاں کو دیا جائے تو یہ وصیت صحیح ہے اب اگر اس شخص کے دو بیٹے ہوئے تو موصی لہ کو ثلث ملے گا کیوں کہ ہر ایک کو ثلث ملے گا اور اگر اس شخص نے کسی کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کر دی تو یہ وصیت باطل ہے کیوں کہ بیٹے کا حصہ اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا ہے اور اس کو وصیت سے باطل نہیں کیا جا سکتا چناں چہ یہ وصیت باطل ہو گی اس صورت میں امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک بیٹے کے حصے کی دوسرے کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے کیوں کہ موصی جب صحت مند ہے تو وہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ وصیت بھی صحیح ہو گی۔ [البنایۃ: ۱۶/۲۹۳]

و بجزء من ...... یعنی ایک شخص نے کسی کے لیے اس طرح وصیت کی کہ میرے مال کا جزء یا سہم (حصہ) فلاں کو دے دینا تو اب جزء کی وصیت کی صورت میں ورثہ سے کہا جائے گا تم جتنا چاہو دے دو کیوں کہ جزء مجہول ہے اور جہالت کی وجہ سے وصیت باطل نہیں ہوتی چناں چہ جزء کو بیان کرنا ورثہ کے سپرد کیا جائے گا البتہ اگر سہم کی وصیت کی تو اس کی مراد میں عرف مختلف ہیں چناں چہ ہمارے (عجمیوں) کے عرف میں سہم جزء کی طرح ہے۔ چناں چہ ورثہ سے کہا جائے گا جتنا تم چاہو دے دو البتہ عربوں کے عرف میں سہم کا اطلاق سدس پر ہوتا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک موصی لہ کو ورثہ میں سے کسی ایک کے حصے کے بقدر مال دیا جائے گا لیکن ثلث سے زیادہ نہیں دیا جائے گا لیکن اگر ورثہ اجازت دے دیں تو ثلث سے زیادہ بھی دے دیا جائے گا۔

فان قال ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ دو صورتیں بیان کر رہے ہیں۔ پہلی صورت میں اشکال ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے مرضِ موت میں وصیت کی کہ ''سدس مالی لزید'' (کہ میرے مال کا سدس حصہ زید کو دے دینا) پھر کچھ دیر بعد اسی مجلس یا دوسری مجلس میں اس نے کہا ''ثلث مالی لزید'' (کہ میرے مال کا ثلث زید کو دے دینا) اور ورثہ نے اس کے مرنے کے بعد اجازت دے دی تو اب زید کو مال کا ثلث ملے گا چناں چہ سدس کی وصیت ثلث کی وصیت میں داخل ہو گی۔

اشکال:

فان قلت ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ موصی کے اس قول ''ثلث مالی لہ'' پر اشکال ذکر کر رہے ہیں۔ پہلے یہ بات جان لیں کہ موصی کا یہ قول ''ثلث مالی لہ'' جملہ خبریہ بھی بن سکتا ہے اور جملہ انشائیہ بھی ہو سکتا ہے بہر صورت اس پر اشکال ہوتا ہے۔

ان کان اخبارا ...... یعنی اگر یہ جملہ ''ثلث مالی لہ'' خبریہ ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ میرے مال کا ثلث فلاں کا ہے تو یہ جھوٹ ہے اس لیے کہ پہلے موصی نے اسی شخص کے لیے سدسِ مال کی وصیت کی خبر دی تھی اور اب اسی کے لیے ثلثِ مال کی وصیت کی خبر دے رہا ہے اور دونوں خبروں میں سے ایک جھوٹی ہو گی چناں چہ دوسری خبر یعنی ''ثلث مالی لہ'' جھوٹی ہے۔

و ان کان انشاء......یعنی اگر یہ جملہ انشائیہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ میرے مال کا ثلث فلاں کو دے دینا تو اس صورت میں ورثہ کے اجازت دینے کے وقت موصی لہ کو نصف مال ملنا چاہیے کیوں کہ سدس مال کی وصیت پہلے تھی اور ثلث کی بعد میں وصیت کی اور ثلث اور سدس کا مجموعہ نصف مال بنتا ہے چناں چہ موصی لہ کو نصف مال ملنا چاہیے حالاں کہ آپ نے اس کے لیے ثلث مال ثابت کیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

و ان کان فی......اب یہاں سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ اس جملے میں تیسرا احتمال ذکر کر رہے ہیں اس سے پہلے یہ بات جان لیں کہ موصی کا قول ''ثلث مالی له'' دو سدس کو شامل ہے کیوں کہ دو سدس مل کر ایک ثلث بنتا ہے پس جب یہ دو سدس کو شامل ہے تو موصی نے پہلے بھی مستقلا اس کے لیے سدس مال کی وصیت کی تھی اب ہم اس جملہ کے دو سدسوں میں پہلے سدس کو خبریہ بنائیں گے اور دوسرے سدس کو انشائیہ بنائیں گے تو اب کل تین سدس ہوئے ایک سدس خبریہ اور دو انشائیہ چناں چہ موصی لہ کے لیے ثلث مال ثابت ہوگا لیکن یہ احتمال بھی ممتنع ہے کیوں کہ ''ثلث مالی له'' دو اجزاء کو متضمن ہے اب یہ یا تو دونوں اجزاء میں خبریہ ہوگا یا دونوں میں انشائیہ ہوگا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک جز میں خبریہ ہو اور دوسرے جزء میں انشائیہ ہو۔

حاصل اشکال یہ ہوا کہ ''ثلث مالی له'' میں تین احتمال ہیں پہلا یہ کہ پورا جملہ خبریہ ہو اس صورت میں کذب لازم آئے گا۔ دوسرا احتمال یہ کہ پورا جملہ انشائیہ ہو اس صورت میں نصف مال لازم ہونا چاہیے حالاں کہ مسئلہ اس کے بر خلاف ہے اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ ایک جز خبریہ ہو اور دوسرا اجزء انشائیہ ہو یہ بھی ممنوع ہے کیوں کہ دونوں اجزاء کا ایک معنی میں مستعمل ہونا ضروری ہے۔

جواب:

قلت لا جواب ...... یہ بات جان لیں کہ اس نسخہ کے مطابق شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سوال کا جواب نہیں ہے حالاں کہ یہ بات شارح رحمہ اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان اور عظمتِ علم کے خلاف ہے کہ ایک سوال ذکر کر کے اس کے جواب سے عدمِ علم کا اظہار کریں۔ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے جو دوسرے نسخوں میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب موصی نے ''سدس مالی له'' کے بعد ''ثلث مالی له'' کہا تو اب ''ثلث مالی له'' دو معنی کا احتمال رکھتا ہے۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ موصی کا اس جملے ''ثلث مالی له'' سے مقصود یہ ہے کہ پہلے سدس کے ساتھ ایک سدس کی مزید زیادتی کر دی جائے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ موصی کا مقصود یہ ہے کہ موصی لہ کو سدس کے ساتھ مزید ثلث مال بھی دے دیا جائے پہلے احتمال کے مطابق موصی لہ کو ثلث مال ملے گا اور دوسرے احتمال کے مطابق موصی لہ کو سدس کے ساتھ ثلث بھی ملے گا پس ثلث ملنا دونوں احتمالوں میں متعین ہے اس وجہ سے ہم نے اس کو ثلث مال دیا۔ [حاشیہ: الدرر علی الغرر: ۳۶۴/۲، ذخیرۃ العقبی: ۶۱۸/۴]

بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ''ثلث مالی له'' اور ''سدس مالی له'' دونوں جملے انشائیہ ہیں اب اس پر یہ اشکال ہوا کہ نصف مال واجب ہونا چاہیے تو اس کا حل یہ ہے کہ نصف مال اس وقت واجب ہوتا جب موصی نصف کا لفظ صراحۃً ذکر کرتا اب چوں کہ سدس اور ثلث کا ذکر اس نے الگ الگ کیا ہے اور سدس اور ثلث لفظ شائع ہیں اور شائع کو شائع کے ساتھ ملانے سے مقدار میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ دونوں شائع میں سے جو اکثر ہوتا ہے وہ متعین ہوتا ہے۔ [فتح المعین: ۵۳۴/۳]

قد بذلت جهدا كثيرا لتنقيح هذا السوال والجواب والله اعلم بحقيقة المراد ان شئت التفصيل فارجع الى هذه الكتب الثلاثة۔

و فـی سدس...... یعنی ایک شخص نے کہا میرے مال کا سدس فلاں کو دینا پھر کچھ وقت کے بعد دوبارہ کہا میرے مال کا سدس فلاں کو دینا تو اب چوں کہ دونوں بار ''سدس مالی لہ'' کہا اور یہ معرفہ ہے اور معرفہ کا دوبارہ معرفہ تکرار کرنے کی صورت میں بعینہ پہلا مراد ہوتا ہے دوسرا الگ فرد مراد نہیں ہوتا چناں چہ ایک ہی سدس واجب ہوگا۔

و بثلث در اهمه...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص کی ملک میں چند دراہم یا چند بکریاں تھیں اس نے مرضِ موت میں وصیت کی کہ ان دراہم یا بکریوں کا ثلث زید کو دے دینا اس کے بعد دراہم یا بکریوں کے دو ثلث ہلاک ہوگئے تو ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نزدیک موصی کا مال دیکھا جائے گا اگر اس کا بقیہ ماندہ مال اس قدر ہو کہ اس کا ثلث باقی ماندہ دراہم یا بکریوں کے برابر ہو تو یہ دراہم یا بکریاں موصی لہ کو دے دی جائیں گی جب کہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعینہ دراہم یا بکریوں کا ثلث دیا جائے گا اور اگر ایک شخص کے پاس چند مختلف قیمت والے کپڑے ہوں یا غلام ہوں اور اس نے مرتے وقت وصیت کی کہ اس کا ثلث فلاں کو دے دینا اور اس مال کے دو ثلث ہلاک ہوگئے تو اب بالاتفاق باقی مال کا ثلث موصی لہ کو دیا جائے گا۔ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ موصی لہ کا حق سارے دراہم اور ساری بکریوں میں شائع تھا جب دو ثلث دراہم یا بکریاں ہلاک ہوگئیں تو گویا موصی لہ کا دو ثلث حق ہلاک ہو گیا لہٰذا اب موصی لہ کا ایک ثلث حق باقی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ موصی لہ کا حق ورثہ کے حق سے مقدم ہے۔ چناں چہ دیکھا جائے گا اگر وہ شئی ایسی ہو کہ اس میں جبراً تقسیم چل سکتی ہو اور مستحقین میں سے ایک کا حق ایک شئی سے ادا کرنا ممکن ہو تو اب موصی لہ کا حق پہلے اس شئی سے ادا کیا جائے ورنہ بقیہ مال سے دیا جائے گا اور اگر وہ اشیاء ایسی نہ ہوں جیسے مختلف قیمت والے کپڑے اور غلام تو اب بقیہ مال کا ثلث دیا جائے گا۔

عبارت:

و بـالف و لـه عيـن و ديـن هـو عين ان خرج من ثلث العين و الافثلث العين و ثلث ما يوخذ من الدين و بثلث لـزيـد و عـمـرو و عـمـرو ميت كله لزيد لان الميت لا يزاحم الحى كما لو قال لزيد و جدار و عن ابى يوسف رحـمـه الـلّٰـه تـعالىٰ انه ان لم يعلم بموته فله نصف الثلث لان الوصية عنده صحيحة لعمرو فلم يوص للحى الا بـنـصف الثلث بخلاف ما اذا علم بموته لان الوصية للميت لغو فيكون راضيا بتمام الثلث لزيد فان قال بينهما فـنـصـفـه لـه اى ان قـال ثلث مالى بين زيد و عمرو و هو ميت فلزيد نصف الثلث لانه صريح فى ان لزيد نصف الثـلـث و بثلث و هو فقير له ثلث ماله عند موته اى قال ثلث مالى له و لا مال للموصى فاكتسب مالا فللموصى لـه ثـلـث مال الموصى عند موته و بثلث غنمه و لا غنم له او هلك قبل موته بطلت قوله و لا غنم له معناه ان لا غنم له عند الوصية و لم يستفد غنما حتى ان استفاده غنما فالصحيح ان الوصية تصح و بشاة من مالى او غنمى و لا شـاة له قيمتها فى مالى و بطلت فى غنمى فانه اذا قال له شاة من مالى و شاة له علم ان المراد مالية الشاة و اذا قال له شاة من غنمى و لا غنم له يراد عين الشاة و ليست موجودة فيبطل الوصية و اعلم انه قال فى الهداية و لا غـنـم لـه و قـال فى المتن و لا شاة له و بينهما فرق لان الشاة فرد من الغنم فاذا لم يكن له شاة لا يكون له غنم لـكـن اذا لـم يـكـن لـه غنم لا يلزم ان لا يكون له شاة لاحتمال ان يكون له واحد لا كثير فعبارة الهداية تناولت صـورتـيـن ما اذا لم يكن له شاة اصلا و ما يكون له شاة لكن لا غنم له ففى الصورتين تبطل الوصية و عبارة المتن

لم تتناول الا الصورة الا ولی و لم یعلم منهما الحکم فی الصورة الثانیة فعبارة الھدایه اشمل لکن ھذہ احوط۔

ترجمہ:

اور ایک شخص نے ہزار دراہم کی وصیت کی دراں حالکہ اس کی ملک میں عین اور دین دونوں ہیں تو ہزار عین سے ہوں گے اگر وہ عین کے ثلث میں سے نکل آئیں ورنہ عین کا ثلث اور جو دین لیا جائے گا اس کا ثلث لازم ہوگا اور ایک شخص نے ثلث مال کی زید اور عمرو دونوں کے لیے وصیت کی دراں حالکہ عمرو کا انتقال ہو چکا ہے تو سارا مال زید کا ہوگا اس لیے کہ میت زندہ کے مزاحم نہیں ہوتی جیسا کہ اگر ایک شخص زید اور دیوار کے لیے کہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اگر عمرو کی موت کا علم نہ ہو تو اس کے لیے ثلث کا نصف ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک عمرو کے لیے وصیت صحیح ہے چناں چہ اس نے زندہ کے لیے ثلث کے نصف کی ہی وصیت کی ہے۔ برخلاف اس صورت کے ہے جب اس کی موت کا علم ہو اس لیے کہ میت کے لیے وصیت کرنا لغو ہے چناں چہ موصی زید کو پورا ثلث دینے پر راضی ہے اور اگر موصی نے کہا ان دونوں کے درمیان ہے تو ثلث کا نصف زید کا ہوگا یعنی اگر اس نے کہا میرے مال کا ثلث زید اور عمرو کے مابین ہوگا دراں حالکہ وہ میت ہے تو زید کے لیے نصف ثلث ہے اس لیے کہ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ زید کے لیے نصف ثلث ہے اور اس نے ثلثِ مال کی وصیت کی دراں حالکہ موصی فقیر ہے تو موصی لہ کے لیے اس کی موت کے وقت اس کے مال کا ثلث ہوگا یعنی موصی نے کہا میرے مال کا ثلث فلاں کا ہے دراں حالکہ موصی کے لیے مال نہیں ہے پھر موصی نے مال کمایا تو موصی لہ کے لیے موصی کی موت کے وقت موصی کے مال کا ثلث ہوگا اور اپنی بکریوں کے ثلث کی وصیت کرنے کی صورت میں دراں حالکہ اس کی بکریاں نہیں ہیں یا اس کی موت سے قبل ہلاک ہوگئیں تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اس کا قول "و لا غنم له" کا مطلب یہ ہے کہ موصی کے لیے وصیت کے وقت بکریاں نہیں ہیں اور اس کو بکریاں حاصل نہیں ہوئیں۔ لہٰذا اگر اس کو بکریاں حاصل ہوگئیں تو صحیح بات یہ ہے کہ وصیت صحیح ہوگی اور میرے مال سے ایک بکری یا میری بکریوں سے ایک بکری کی وصیت کرنے کی صورت میں دراں حالکہ اس کے لیے پاس بکری نہیں ہے تو "فی مالی" کی صورت میں موصی لہ کے لیے بکری کی قیمت ہوگی اور "فی غنمی" کی صورت میں وصیت باطل ہوگی کیوں کہ جب اس نے کہا فلاں کے لیے میرے مال سے بکری ہوگی تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ مراد بکری کی مالیت ہے اور جب اس نے کہا فلاں کے لیے میری بکریوں سے بکری ہے دراں حالکہ بکری کی ذات موجود نہیں ہے پس وصیت باطل ہوگئی اور تو جان لے کہ "ھدایہ" میں فرمایا ہے۔ "و لا غنم له" اور متن میں فرمایا ہے "و لا شاة له" اور ان دونوں کے مابین فرق ہے اس لیے کہ "شاة" "غنم" کا فرد ہے پس جب اس کے پاس شاة نہ ہو تو اس کے پاس غنم نہیں ہوگی لیکن جب اس کے پاس "غنم" نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے پاس شاة نہ ہو اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ اس پاس ایک ہو زیادہ نہ ہوں پس ھدایہ کی عبارت دو صورتوں کو شامل ہے جب کہ اس کے لیے بالکل شاة نہ ہو اور جس کے لیے شاة ہو لیکن اس کے لیے غنم نہ ہو چناں چہ دونوں صورتوں میں وصیت باطل ہوگی اور متن کی عبارت پہلی صورت ہی کو شامل ہے اور اس سے دوسری صورت کا حکم معلوم نہیں ہوا چناں چہ ہدایہ کی عبارت اشمل ہے لیکن یہ احوط ہے۔

تشریح:

و بالف...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کے لیے ایک ہزار دراہم کی وصیت کی اور اس کے ترکے میں نقد مال یعنی دراہم اور دنانیر بھی ہیں اور دین بھی ہے جو اس نے مختلف لوگوں سے لینا ہے تو اب دیکھا جائے گا اگر ترکے میں موجود نقد مال اتنا ہو کہ وصیت کا مال اس کا ثلث ہو تو اس صورت میں موصی لہ کو ہزار دراہم نقد دیئے جائیں گے اور اگر نقد ترکہ اس قدر نہ ہو

تو اب نقد اور دین میں سے ہر ایک کا ثلث دیا جائے گا۔

و بثلث لزید ...... یعنی ایک شخص نے اپنے ثلثِ مال کی زید اور عمرو دونوں کے لیے وصیت کی اور بعد میں معلوم ہوا کہ عمرو کا انتقال ہو چکا ہے تو اب سارا ثلث مال زید کو ملے گا یہ مسئلہ اس اصول پر مبنی ہے کہ میت یا معدوم کسی شئی کی مستحق نہیں ہے۔ لہٰذا وہ کسی کے ساتھ مزاحم بھی نہیں بنے گی۔ چناں چہ اسی طرح اگر ایک شخص نے زید اور دیوار کے لیے ثلثِ مال کی وصیت کی تو اب سارا ثلث زید کو ملے گا کیوں کہ دیوار معدوم ہے۔ لہٰذا کسی شئی کی مستحق نہیں ہے۔ یہ طرفین کا مذہب ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیکھا جائے گا اگر موصی کو وصیت کرتے وقت عمرو کی موت کا علم نہ تھا تو اب زید کو ثلثِ مال کا نصف ملے گا اس لیے کہ جب اس کو علم نہیں ہے تو عمرو کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے۔ لہٰذا موصی نے زید کے لیے صرف نصف ثلث کی وصیت کی ہے اور اگر موصی کو عمرو کی موت کا علم تھا تو زید کو پورا ثلث ملے گا کیوں کہ میت کے لیے وصیت کرنا لغو ہے چناں چہ معلوم ہوا کہ موصی زید کو پورا ثلث مال دینے پر راضی ہے۔

و بشاة من مالي ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے اس طرح وصیت کی کہ "**شاة من مالي لفلان**" یا "**شاة من غنمي لفلان**" دراں حالکہ اس کے پاس شاۃ بالکل نہیں ہے تو اب "**شاة من مالي لفلان**" کی صورت میں اس کے مال سے ایک بکری کی قیمت موصی لہ کو دی جائے گی اگر ثلث مال کے بقدر ہو اور "**شاة من غنمي لفلان**" کی صورت میں وصیت باطل ہو جائے گی کیوں کہ جب اس نے یہ کہا "**شاة من مالي**" تو معلوم ہوا کہ اس کی مراد بکری کی ذات نہیں ہے بلکہ بکری کی مالیت ہے چناں چہ اس کی قیمت دی جائے گی اور جب اس نے یہ کہا "**شاة من غنمي**" تو معلوم ہوا کہ اس کی مراد بکری کی ذات ہے بکری کی مالیت نہیں ہے اور بکری ذات موجود نہیں ہے چناں چہ وصیت باطل ہوگی۔

فرق:

واعلم انه ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ متن کی عبارت اور ھدایہ کی عبارت کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں۔ پہلے یہ بات جان لیں کہ "**شاة**" کا اطلاق بکری کے ایک فرد پر ہوتا ہے اور "**غنم**" کا اطلاق بکریوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے، اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اب فرق سمجھئے کہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ مسئلے میں "**لا شاة له**" کے الفاظ ذکر کیے ہیں جب کہ صاحب ھدایہ نے "**لا غنم له**" کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ دونوں میں فرق ہے اس لیے کہ **شاة غنم** کا ایک فرد ہے جب **شاة** ایک فرد ہے تو اگر کسی کے پاس **شاة** نہ ہو تو **غنم** بالکل نہ ہوگی کیوں کہ یہ مجموعے کا نام ہے جب فرد نہیں ہے تو مجموعہ کس طرح ہو سکتا ہے لیکن جب کسی کے پاس **غنم** نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے پاس **شاة** بھی نہ ہو کیوں کہ **شاة** فرد واحد کا نام ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس ایک بکری ہو لیکن **غنم** (بکریوں کا مجموعہ) نہ ہو پس جب یہ بات ذہن نشین ہو گی تو اب جان لیں کہ ھدایہ کی عبارت (**لا غنم له**) کے مطابق دو صورتوں میں وصیت باطل ہو گی ایک صورت وہ جب کسی کے پاس بالکل ایک بکری بھی نہ ہو اور دوسری صورت وہ جب ایک بکری ہو لیکن کثیر بکریاں نہ ہوں کیوں کہ دونوں صورتوں میں "**لا غنم له**" صادق آ رہا ہے یعنی اس کے پاس بکریوں کا مجموعہ نہیں ہے البتہ متن کی عبارت "**لا شاة له**" صرف پہلی صورت کہ جب کسی کے پاس ایک بکری بھی نہ ہو کے باطل ہونے کو بیان کر رہی ہے۔ البتہ دوسری صورت کہ جب کسی کے پاس ایک بکری ہو لیکن کثیر بکریاں نہ ہوں تو اس کا حکم متن کی عبارت سے معلوم نہیں ہو رہا۔ پس ھدایہ کی عبارت دونوں صورتوں کو شامل ہے اور متن کی عبارت احوط ہے کہ ایک صورت کو شامل ہے۔ [**رد علیه صاحب الاصلاح و الایضاح واجیب عنه ان شئت التفصیل فارجع الی هذه الکتب، نتائج الافکار**:۹/۳۷۷، شامی:۶/۶۷۴]

عبارت:

و بثلث ماله لامهات اولاده و هن ثلث وللفقراء والمساكين لهن ثلاثة اخماس هذا عند ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ و ابی يوسف و عند محمد رحمهما الله تعالیٰ يقسم الثلث علی سبعة اسهم فلامهات الا ولاد ثلثة منها لان المذكور فی الفقراء والمساكين لفظ الجمع و اقله فی الميراث اثنان والوصية اخت الميراث لهما ان الجمع المحلیٰ باللام يراد به الجنس و تبطل الجمعية كقوله تعالیٰ و لا يحل لک النساء فيراد به الواحد فيقسم علی خمسة و لهن ثلثة منها و بثلث له و للفقراء نصف له و نصف لهم هذا عندهما و عند محمد رحمه الله تعالیٰ يقسم الثلث اثلاثا و بمائة لزيد و مائة لعمرو او بها لزيد و خمسين لعمرو ان اشرک اٰخر معهما فله ثلث مالكل فی الاول و نصفه فی الثانی لان فی الصورة الاولیٰ نصيب زيد و عمرو يتساويان و قد اشرک اٰخر معهما فهو شريک للاثنين فله ثلث ما لكل واحد منهما و لا يمكن مثل هذا فی الصورة الثانية لتفاوت نصيب زيد و عمروفهو شريک لكل واحد فله نصف مالكل واحد منهما و فی له علی دين فصد قوه صدق الی الثلث ای امر الورثة بان يصدقوا الدائن فی مقدار الدين يجب عليهم ان يصدقوا الی الثلث فاصل الحق دين و مقداره يثبت بطريق الوصية و هذا استحسان و فی القياس لا يصدق لان المدعی لا يصدق الابحجة۔

ترجمہ:

اور ایک شخص کا اپنی امہات اولاد کے لیے جو کہ تین ہیں اور فقراء اور مساکین کے لیے ثلث مال کی وصیت کرنے کی صورت میں امہات اولاد کے لیے پانچ میں سے تین حصے ہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثلث کو سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا پس امہات اولاد کے لیے ان میں سے تین ہوں گے اس لیے کہ فقراء اور مساکین میں لفظ جمع مذکور ہے اور اقلِ جمع میراث میں دو فرد ہیں اور وصیت میراث کی بہن ہے شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ وہ جمع جو الف لام سے آراستہ ہو تو اس سے جنس مراد لی جائے گی اور جمعیت باطل ہو جائے گی جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ''و لا يحل لک النساء'' تو اس سے ایک فرد مراد لیا گیا ہے چناں چہ ثلث کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا اور امہات اولاد کے لیے ان میں سے تین حصے ہوں گے اور زید کے لیے اور فقراء کے لیے ثلث مال کی وصیت کرنے کی صورت میں زید کے لیے نصف اور فقراء کے لیے نصف ہوگا۔ یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثلث کو اثلاثا تقسیم کیا جائے گا اور زید کے لیے سو اور عمرو کے لیے سو دراہم یا زید کے لیے سو اور عمرو کے لیے پچاس دراہم وصیت کرنے کی صورت میں اگر موصی نے ان دونوں کے ساتھ دوسرے کو شریک کر لیا تو شریک کے لیے اس مال کا ثلث ہے جو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ہے پہلی صورت میں اور دوسری صورت میں اس کا نصف ہے اس لیے کہ پہلی صورت میں زید اور عمرو کا حصہ متساوی ہے اور موصی نے دوسرے کو ان دونوں کے ساتھ شریک کیا ہے تو وہ دونوں کا شریک ہے تو اس کے لیے اس مال کا ثلث ہوگا جو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ہے اور اس کی مثل دوسری صورت میں ممکن نہیں ہے زید اور عمرو کے حصے کے متفاوت ہونے کی وجہ سے تو وہ ہر ایک کا شریک ہے تو اس کے لیے اس مال کا نصف ہوگا جو ان میں سے ہر ایک کے لیے ہے اور فلاں کا مجھ پر دین ہے پس تم اس کی تصدیق کرو، کی صورت میں ثلث تک تصدیق کی جائے گی یعنی اس نے ورثہ کو حکم دیا کہ وہ دائن کی دین کی مقدار میں تصدیق کریں ان پر واجب ہے کہ وہ ثلث تک تصدیق کریں پس اصل حق دین ہے اور دین کی مقدار وصیت کے طریقے سے ثابت ہوتی

ہے اور یہ استحسان ہے اور قیاس میں یہ ہے کہ تصدیق نہ کی جائے اس لیے کہ مدعی کی تصدیق حجت سے ہی کی جائے گی۔

تشریح:

و بثلث مالہ ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص کی تین باندیاں تھیں جو تینوں امہات اولاد تھیں اور اس شخص نے ان امہات اولاد اور فقراء اور مساکین کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثلث مال کے پانچ حصے کیے جائیں گے جن میں سے تین حصے امہات اولاد کو دیئے جائیں گے اور ایک ایک حصہ فقراء اور مساکین کو دیا جائے گا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثلثِ مال کے سات حصے کیے جائیں گے امہات اولاد کو تین حصے اور فقراء اور مساکین میں سے ہر ایک فرد کو دو دو حصے دیئے جائیں گے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لان المذکور ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ امام محمد کی دلیل نقل کررہے ہیں کہ وصی نے ''الفقراء'' اور ''المسکین'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو جمع ہیں اور اقلِ جمع میراث میں دو فرد ہیں اور وصیت میراث کی بہن ہے جب میراث میں اقلِ جمع دو ہیں تو وصیت میں بھی اقلِ جمع دو ہوں گے۔

شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

لھما ان الجمع ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل نقل کررہے ہیں کہ جس جمع پر الف لام ہو تو اس سے جمع کے افراد مراد نہیں ہوتے بلکہ جنس مراد ہوتی ہے اور جمعیت کے معنی باطل ہوجاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ ''لا یحل لک النساء'' کہ اس میں ''النساء'' پر الف لام ہے جس نے اس کو جنس کے معنی میں کردیا ہے چناں چہ ایک عورت بھی حلال نہیں ہے۔ پس اسی طرح فقراء اور مساکین کا بھی ایک فرد مراد لیا جائے گا جب ان کا ایک ایک فرد مراد لیا جائے گا تو ثلثِ مال کے کل پانچ حصے کیے جائیں گے جن میں سے تین حصے امہات اولاد کے لیے ہوں گے اور دو حصے فقراء اور مساکین کے ہوں گے۔

و بمائة لزید ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے زید کے لیے سو دراہم کی وصیت کی اور عمرو کے لیے بھی سو دراہم کی وصیت کی پھر اس کے بعد اس شخص نے ایک تیسرے شخص سے کہا میں نے تمہیں ان دونوں کا شریک بنادیا تو اب تیسرے شخص کو ہر ایک کے مال سے ثلث ملے گا اور ہر ایک کا حصہ سو دراہم تھا چناں چہ تیسرے شخص کو سو دراہم کے دو ثلث ملیں گے اور اگر اس شخص نے زید کے لیے سو دراہم کی اور عمرو کے لیے پچاس دراہم کی وصیت کی اور پھر تیسرے شخص کو ان کا شریک بنادیا تو اب تیسرے شریک کو ان دونوں میں سے ہر ایک کے حصے کا نصف ملے گا۔ جب کہ پہلی صورت میں شریک کو ہر ایک کے حصے کا ثلث مل رہا تھا یہ فرق کیوں کیا گیا اس کو شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلی صورت میں زید اور عمرو کا حصہ برابر تھا چناں چہ تیسرا شخص بھی دونوں کا شریک رہے گا لہٰذا ان تینوں کو برابر حصہ ملے گا اور دوسری صورت میں یہ بات ممکن نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں زید اور عمرو کا حصہ متفاوت ہے جب دونوں کا حصہ متفاوت ہے تو اب تیسرے شخص کا ان کا شریک ہونا ''اس معنی کے لحاظ سے'' کہ اس کو ان کے برابر حصہ ملے ممکن نہیں ہے کیوں کہ دونوں کا حصہ الگ الگ ہے چناں چہ یہ شخص ہر ایک کا الگ الگ شریک ہے جب الگ الگ شریک ہے تو اس کو ہر ایک کے حصے کا نصف ملے گا۔

و فی لہ علی ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے کہا فلاں کا میرے ذمے دین ہے تم اس کی

تصدیق کرنا یعنی وہ دائن دین کی جتنی مقدار کا دعوی کرے تم اس کی تصدیق کرنا تو ورثہ ثلث مال تک تصدیق کریں گے کیوں کہ اصل حق دین ہے اور دین کی مقدار وصیت ہے اور وصیت ثلث تک نافذ ہوتی ہے چناں چہ یہ بھی ثلث تک ثابت ہوگا یہ استحسان ہے اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ورثہ کی تصدیق قابل قبول نہ ہو کیوں کہ دائن مدعی ہے اور مدعی کی تصدیق گواہی سے ہوتی ہے۔

عبارت:

فان اوصی مع ذلک عزل ثلث لها و ثلثاه للورثه و قیل لکل صدقوه فیما شئتم و یوخذ ذوالثلث یثلث ما اقرو به و ما بقی فلهم والورثة بثلثی ما اقروا به و یحلف کل علی العلم بدعوی الزیادة به و ما بقی فلهم والورثة بثلثی ما اقروا به و یحلف کل علی العلم بدعوی الزیادة ای اوصی مع ذلک الدین الذی امر بتصدیق مقداره بثلث ماله لقوم یعزل ثلث المال للوصیة والثلثان للورثة و قیل للموصی لهم صدقوه فیما شئتم فاذا اقروا بمقدار فثلث ذلک المقدار یکون فی حقهم و هو ثلث المال و مابقی من الثلث فللموصی لهم و یقال للورثه صدقوه فیما شئتم فاذا اقروا بشئی فثلثا ذلک الشئی یکون فی حقهم و هو ثلثا المال والباقی للورثة و حلف کل واحد من الموصی له والورثة علی العلم بدعوی الزیادة و بعین لوارث و اجنبی له نصف و خاب الوارث و انما یکون للاجنبی النصف لان الوارث اهل الوصیة بخلاف ما اذا اوصی به للحی والمیت فان المیت لیس باهل و بثلاثة اثواب متفاوتة بکل الرجل ان ضاع ثوب و لم یدر ای هو والورثة تقول لکل توی حقک بطلت لکن ان سلموا ما بقی اخذ ذوالجید ثلثی الاعز و ذوالردی ثلثی الاخر و ذوالمتوسط ثلث کل ای اوصی بثلثة اثواب متفاوتة جید و متوسط و ردی و قال الجید لزید و المتوسط لعمرو والردی لبکر فهلک واحد و لا یدری ای هو والورثة تقول لکل واحد هلک حقک فالوصیة باطلة لکن الورثة ان تسامحوا و اسلموا الثوبین الباقین الی زید و عمرو بکر اخذ زید ثلثی الاجود من الثوبین واخذ بکر ثلثی الردی و عمرو ثلث کل واحد۔

ترجمہ:

اور اگر موصی نے دین کے ساتھ وصیت کی تو ثلث مال اس کے لیے الگ کرلیا جائے گا اور مال کے دوثلث ورثہ کے ہوں گے اور ہر ایک سے کہا جائے گا کہ تم موصی کی جس میں چاہو تصدیق کرو اور ثلث والا اس مال کا ثلث لے گا جس کا ورثہ نے اقرار کیا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ ورثہ کا ہوگا اور ورثہ اس مال کے دوثلث لیں گے جس کا انہوں نے اقرار کیا ہے اور ہر ایک زیادتی کے دعوی کے علم پر حلف اٹھائے گا یعنی اس شخص نے اس دین کے ساتھ جس کی مقدار کی تصدیق کرنے کا حکم دیا تھا چند لوگوں کے لیے ثلثِ مال کی وصیت کردی تو ثلث مال وصیت کے لیے الگ کرلیا جائے گا اور دوثلث ورثہ کے ہوں گے اور ان کے موصی لہم سے کہا جائے گا تم جس میں چاہو اس کی تصدیق کرو پس جب وہ کسی مقدار کا اقرار کرلیں تو اس مقدار کا ثلث ان کے حق میں سے ہوگا اور وہ ثلث مال ہے اور جو ثلث سے باقی رہ جائے تو وہ موصی لہم کا ہوگا اور ورثہ سے کہا جائے گا تم اس کی جس میں چاہو تصدیق کرو پس جب وہ کسی شئی کا اقرار کرلیں تو اس شئی کے دوثلث ان کے حق میں ہوں گے اور وہ مال کے دوثلث ہیں اور باقی ورثہ کا ہوگا اور موصی لہ اور ورثہ میں سے ہر ایک سے زیادتی کے دعویٰ کے علم پر حلف لیا جائے گا اور کسی شئی کی وارث اور اجنبی کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں اجنبی کے لیے نصف ہوگا اور وارث نامراد ہوگا اور سوائے اس کے نہیں کہ اجنبی کے لیے نصف ہے اس لیے کہ وارث اہل وصیت میں سے ہے بَرخلاف اس صورت کہ جب ایک شخص زندہ اور مردہ

کے لیے وصیت کرے کیوں کہ میت اہل نہیں ہے اور تین متفاوت کپڑوں کی ہر کپڑے کی ایک آدمی کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں اگر ایک کپڑا ضائع ہوگیا اور وہ معلوم نہیں ہے اور ورثہ ہر ایک سے کہہ رہے ہیں کہ تیرا حق ضائع ہوگیا تو وصیت باطل ہوجائے گی لیکن اگر ورثہ نے باقی کپڑا حوالے کردیا تو جید والا عمدہ کپڑے کے دوثلث لے لے گا اور ردی والا گھٹیا کپڑے کے دوثلث لے لے گا اور متوسط والا ہر ایک کا ثلث لے گا یعنی ایک شخص نے تین متفاوت کپڑوں کی وصیت کی یعنی عمدہ اور درمیانہ اور گھٹیا اور اس نے کہا عمدہ زید کا ہے اور متوسط عمرو کا ہے اور گھٹیا بکر کا ہے پس ایک کپڑا ہلاک ہوگیا اور معلوم نہیں ہے کون سا ضائع ہوا اور ورثہ نے ہر ایک سے کہا تیرا حق ہلاک ضائع ہوگیا تو وصیت باطل ہے لیکن ورثا اگر چشم پوشی کریں اور بقیہ دونوں کپڑے زید اور عمرو اور بکر کے حوالے کردیں تو زید دونوں کپڑوں میں سے عمدہ کے دوثلث لے گا اور بکر ردی کے دوثلث لے گا اور عمرو ہر ایک کا ثلث لے گا۔

تشریح:

فان اوصی......اس مسئلے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کی ملک میں نوّے دراہم تھے اس نے مرتے وقت دو کام کیے ایک کام یہ کیا کہ ورثہ سے کہا میرے ذمے فلاں کا دین ہے تم دائن کی دین کی مقدار میں تصدیق کرنا اور دوسرا کام یہ کیا کہ دو شخصوں کے لیے وصیت کردی تو اب اس کے مرنے کے بعد اس کے مال یعنی نوّے دراہم کے تین حصے کیے جائیں جن میں سے تیس دراہم وہ دونوں شخص لیں گے جن کے لیے وصیت کی تھی اور ساٹھ دراہم ورثہ لیں گے اب اس کے بعد دائن کی تصدیق کی طرف آئیں گے چناں چہ پہلے موصی لہم سے کہا جائے گا کہ تم دائن کی جتنی مقدار میں چاہو تصدیق کرو پس جب انہوں نے کسی مقدار کا اقرار کرلیا تو اس مقدار کا ثلث ان کے حصے سے ادا کیا جائے گا مثلاً انہوں نے بارہ دراہم کا اقرار کیا تو چار دراہم ان کے حصے سے ادا کیے جائیں گے اور اسی طرح ورثہ سے کہا جائے گا کہ تم بھی دائن کی تصدیق کرو وہ جتنی مقدار میں تصدیق کریں اس کے دوثلث ان کے حصے سے لیے جائیں گے مثلاً انہوں نے پندرہ دراہم کی تصدیق کی تو دس دراہم ان کے حصے سے لیے جائیں گے اور ورثہ اور موصی لہم کے ہر فرد سے اس پر حلف لیا جائے گا کہ انہیں اس سے زیادہ دین کا علم نہیں ہے۔

و بثلاثة اثواب......یعنی ایک شخص نے تین مختلف اقسام والے کپڑوں کی تین شخصوں زید، عمرو و بکر کے لیے وصیت کی پھر اس کی موت کے بعد ایک کپڑا ضائع ہوگیا اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کپڑا کس کا ضائع ہوا چناں چہ ورثہ نے ہر ایک سے کہا کہ ممکن ہے تیرا حق ضائع ہوگیا۔ لہٰذا یہ وصیت باطل ہوگی البتہ اگر ورثہ نے بقیہ دو کپڑے ان کے حوالے کردیے تو اب زید جس کے لیے عمدہ کپڑے کی وصیت کی گئی تھی وہ دونوں میں سے جو کپڑا عمدہ ہو اس کے دوثلث لے لے گا۔ بکر جس کے لیے ردی کپڑے کی وصیت کی گئی تھی وہ گھٹیا کپڑے کے دوثلث لے لے گا اور عمرو دونوں میں سے ہر ایک کا ثلث لے لے گا۔

تصحیح عبارت:

شرح کی عبارت ''بکل الرجل'' ہے یہ صحیح نہیں ہے صحیح یوں ہے ''بکل لرجل'' اور اسی طرح شرح کی عبارت ''قوی حقک'' ہے یہ صحیح نہیں ہے صحیح یوں ہے ''توی حقک''۔

عبارت:

و ببیت معین من دار مشترکة قسمت فان اصاب فهو للموصی له و الا فله قدره اوصی زید لعمرو ببیت معین من دار مشترکة بین زید و بکر یجب ان تقسم الدار فان وقع البیت فی نصیب زید فهو للموصی له و ان

وقع فی نصیب الشریک فللموصی له مثل ذراع ذلک البیت من نصیب الموصی و هذا عند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ و عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ له مثل ذراع نصف ذلک البیت کما فی الاقرار ای ان کان مکان الوصیة اقرار فالحکم کذلک قیل بالاجماع و قیل فیه خلاف محمد و بالف عین من مال غیره له الاجازة بعد موت الموصی و المنع بعدها ای بعد الاجازة فانه ان اجاز فاجازته تبرع فله ان یمتنع من التسلیم فان اقر احدا لابنین بعد القسمة بوصیة ابیه بالثلث دفع ثلث نصیبه هذا عندنا و القیاس ان یعطیه نصف ما فی یده و هو قول زفر رحمه اللّٰه تعالیٰ لان اقراره بالثلث یوجب مساواته ایاه وجه الاستحسان انه اقر بثلث شائع فیکون مقرا بثلث ما فی یده فان ولدت الموصی بها بعد موته فهما له ای الامة الموصی بها و ولدها ان خرجا من الثلث و الا اخذ الثلث منها ثم منه هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ لان التبع لا یزاحم الاصل و عندهما یاخذ من کل واحد بالحصة فاذا کان له ستمائة درهم و امة تساوی ثلثمائة فولدت ولدا یساوی ثلثمائة درهم بعد موت الموصی حتی صار ماله الفا و مائتین فثلث المال اربعة مائة فعند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ للموصی له الام و ثلث الولد و عندهما ثلثا کل منهما۔

ترجمہ:

اور مشترک گھر میں سے معین کمرے کی وصیت کرنے کی صورت میں گھر کو تقسیم کیا جائے گا چناں چہ اگر وہ پہنچ جائے تو وہ موصی لہ کا ہوگا ورنہ اس کے لیے اس کے بقدر ہوگا زید نے عمرو کے لیے زید اور بکر کے درمیان مشترک گھر میں سے کمرے کی وصیت کی تو واجب ہے کہ گھر تقسیم کرلیا جائے اگر کمرہ زید کے حصے میں آیا تو موصی لہ کا ہوگا اور اگر شریک کے حصے میں آیا تو موصی لہ کے موصی کے حصے سے اس کمرے کے بقدر ذراع ہوں گے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موصی کے لیے اس کمرے کے نصف ذراع کے مثل ہوگا جیسا کہ اقرار کی صورت میں ہے یعنی اگر وصیت کی جگہ اقرار ہو تو حکم اسی طرح ہے کہا گیا ہے اجماعاً اسی طرح ہے اور کہا گیا ہے اس میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے اور کسی کے مال سے معین ہزار دراہم کی وصیت کرنے کی صورت میں غیر کے لیے موصی کی موت کے بعد اجازت دینا اور اس کی موت کے بعد منع کرنا جائز ہے یعنی اجازت کے بعد پس اگر اس نے اجازت دے دی تو اس کی اجازت تبرع ہوگی اور اس کے لیے تسلیم سے روکنا جائز ہے اور اگر تقسیم کے بعد دو بیٹوں میں سے ایک نے اپنے والد کے ثلث مال کی وصیت کرنے کا اقرار کیا تو اس کے حصے کا ثلث دیا جائے گا یہ ہمارے نزدیک ہے اور قیاس یہ ہے کہ موصی لہ کو اس کا نصف دیا جائے جو اس کے پاس ہے اور یہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اس لیے کہ ثلث کا اقرار موصی لہ کے اس کے ساتھ مساوات کو ثابت کرتا ہے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ثلثِ شائع کا اقرار کیا ہے پس وہ اس مال کے ثلث کا اقرار کرنے والا ہے جو اس کے قبضے میں ہے اور اگر موصی بہا باندی نے موصی کی موت کے بعد بچہ جنم دیا تو وہ دونوں موصی لہ کی ہیں یعنی وہ باندی سے ثلث سے لے گا پھر بچے سے لے گا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اس لیے کہ تابع اصل کے مزاحم نہیں ہوتا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر ایک سے حصہ لے گا پس جب موصی کا مال چھ سو دراہم ہو اور باندی تین سو دراہم کے برابر ہو پھر وہ موصی کی موت کے بعد ایسا بچہ جنم دے جو تین سو دراہم کے برابر ہے یہاں تک کہ اس کا مال بارہ سو دراہم ہو گیا تو ثلث مال چار سو دراہم ہے پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موصی لہ کے لیے ماں ہے اور بچے کا ثلث ہے اور صاحبین رحمہما

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کے دو ثلث ہیں۔

تشریح:

و ببيت معين ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ زید اور بکر کا مشترکہ گھر تھا زید نے اس گھر میں سے ایک کمرے کی عمرو کے لیے وصیت کردی تو اب گھر زید اور بکر کے درمیان تقسیم کیا جائے گا پس اگر وہ کمرہ جس کی وصیت کی گئی تھی زید کے حصے میں آیا تب تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موصی لہ وہ کمرہ لے لے گا جب کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موصی لہ کو اس کمرے کا نصف دیا جائے گا اور اگر وہ کمرہ تقسیم میں بکر کے حصے میں آیا تو اب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کمرے کے ذراع کے بقدر جگہ زید کے حصے سے عمرو کو دی جائے گی اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کمرے کے نصف ذراع کے بقدر جگہ زید کے حصے سے دی جائے گی۔ **كما في الاقرار** ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ماقبل والے مسئلے کو دوسرے مسئلے سے تشبیہ دے رہے ہیں کہ ایک گھر دو شخصوں کے مابین مشترک تھا پھر ان میں سے ایک نے کسی کے لیے ایک کمرے کا اقرار کرلیا تو اب تقسیم کے بعد دیکھا جائے گا اگر وہ کمرہ مقر کے حصے میں آیا تو مقر لہ اس کو لے لے گا اور اگر دوسرے شریک کے حصے میں آیا تو مقر لہ، مقر کے حصے سے اس کے بقدر ذراع دیئے جائیں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم اتفاقی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں بھی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے جس طرح وصیت کے مسئلے میں اختلاف ہے لیکن اصح بات یہ ہے کہ اقرار کے مسئلے میں سب کا اتفاق ہے۔

[شامی:۶/۶۷۸]

فان اقر ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص کے دو بیٹے تھے اس کے انتقال کے بعد ان دونوں نے جائیداد کو تقسیم کرلیا اور اس کے بعد ایک بیٹے نے اقرار کیا کہ میرے والد نے فلاں کے لیے ثلث مال کی وصیت کی تھی تو اب صرف مقر بیٹے کے حصے سے ثلث موصی لہ کو دیا جائے گا یہ ہمارے نزدیک ہے جب کہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقر کے حصے کا نصف دیا جائے گا۔ ہمارا قول استحسان پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ بیٹے نے ثلث کا اقرار کیا تھا اور ثلث سارے مال میں شائع تھا چناں چہ اب وہ اپنے قبضے میں موجود مال کے ثلث کا اقرار کرنے والا ہوا اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول قیاس پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ مقر نے اس کے لیے ثلث مال کا اقرار کیا چناں چہ اس نے یوں کہا کہ پورے مال میں سے ثلث میرا ہے اور ثلث میرے دوسرے بھائی کا ہے اور ثلث موصی لہ کا ہے یعنی موصی لہ کا حصہ مقر کے مساوی ہے اور اب مساوات اسی وقت ثابت ہوسکتی ہے جب کہ اس کے مال کا نصف موصی لہ کو دیا جائے اور ثلث دینے کی صورت میں مساوات ثابت نہ ہوگی۔

فان ولدت الموصى ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی باندی کی کسی کے لیے وصیت کردی اور اس شخص کا انتقال ہوگیا اس کے بعد باندی نے بچہ جنا تو اب موصی لہ باندی اور بچے دونوں کو لے گا بشرطیکہ ان دونوں کی قیمت موصی کے کل مال کے ثلث کے بقدر ہو اور اگر ان دونوں کی قیمت ثلثِ مال سے زائد ہو تو موصی لہ کے لیے ثلث مال کا حساب لگایا جائے گا جس قدر موصی لہ کا حصہ بنتا ہو تو اتنا حصہ موصی لہ کو دیا جائے گا چناں چہ اگر اس کا حصہ باندی سے حصہ پورا ہوتا ہو تو باندی اس کو دی جائے گی ورنہ بچے سے بھی حصہ دیا جائے گا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بچہ تابع اصل کے مزاحم نہیں ہوتا۔ جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک موصی لہ کا ان دونوں میں جتنا حصہ بنتا ہو وہ لے گا۔

اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کی ملک میں چھ سو دراہم تھے اور ایک باندی تھی جس کی قیمت تین سو دراہم تھی پھر اس باندی نے تین

سودراہم کی قیمت کا بچہ جنا تو اب اس کا کل مال بارہ سودراہم ہوگیا تو اب چوں کہ باندی اور بچے کی قیمت چھ سودراہم ہے جو کل مال کا نصف ہے اور موصی لہ کا حصہ ثلث مال یعنی چار سودراہم ہے تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باندی اور بچے کی قیمت کا ثلث دیا جائے گا جس کا کل مجموعہ چار سودراہم ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک چوں کہ دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت تین سودراہم ہے۔لہٰذا ہر ایک کی قیمت سے دوثلث یعنی دو دوسودراہم لے گا۔

......☆☆☆☆☆......

باب الوصیة للاقارب وغیرهم

عبارت:

جاره من لصق به هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و عندهما الملاصق وغیره سواء و صهره کل ذی رحم محرم من عرسه و ختنه زوج کل ذات رحم محرم منه و اهله عرسه هذا عند ابی حنیفه رحمه اللّٰه تعالیٰ و عندهما رحمهما اللّٰه تعالیٰ کل من یعولهم ویصیبهم نفقته لقوله تعالیٰ وائتونی باهلکم اجمعین له انه حقیقة فی الزوجة قال اللّٰه تعالیٰ و سار باهله و یقال تاهل فلان و اٰله اهل بیته وابوه وجده منهم و اقاربه و اقرباءه و ذوقرابته وانسابه محرماه فصاعدا من ذوی رحمه الاقرب فالاقرب غیر الوالدین والولد و انما قال محرماه لان اقل الجمع ههنا اثنان فاعتبر الاقربیة کما فی المیراث و هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و قال الوصیة لکل من ینسب الی اقصے اب له ادرک الاسلام و عند بعض المشایخ رحمهم اللّٰه تعالیٰ الی اقصی اب له اسلم و یدخل الابعد مع وجود الاقرب ثم لا یدخل قرابة الولادة و قد قیل من قال للوالد قریبا فهو عاق۔

ترجمہ:

انسان کا ''جار'' وہ ہے جو اس کے گھر سے ملاصق ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملاصق اور اس کے علاوہ برابر ہے اور اس کا ''صہر'' اس کی بیوی کی طرف سے ہر ذی رحم محرم ہے اور اس کا ''ختن'' اس کی ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر ہے اور اس کی ''اہل'' اس کی بیوی ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر وہ جس کی انسان کفالت کرے اور ان کو اس کا نفقہ پہنچے وہ اہل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''**وائتونی باهلکم اجمعین**'' امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ اہل بیوی کے بارے میں حقیقت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''**و صار باهله**'' اور کہا جاتا ہے ''**تاهل فلان**'' اور اس کی آل اس کے اہل بیت ہیں اور اس کا باپ اور اس کا دادا ان میں سے ہیں اور اس کے اقارب اور اس کے اقرباء اور اس کے قرابت اور انساب والے اس کے محرم ہیں سوائے اس کے نہیں کہ ''**محرما**'' کہا اس لیے کہ یہاں اقل جمع دو ہیں چناں چہ اقربیت کا اعتبار کیا گیا ہے جس طرح میراث میں ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا وصیت ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو اس کے اس آخری باپ تک منسوب ہو جس نے اسلام پایا ہو اور بعض مشائخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس آخری باپ تک جس نے خود اسلام لایا ہو اور اقرب کے وجود کے ساتھ ابعد داخل ہوگا پھر قرابتِ ولادت داخل نہ ہوگی اور کہا گیا ہے جس نے اپنے والد کو قریب کہا تو وہ عاق ہے۔

تشریح:

جارہ ...... یعنی اگر ایک شخص نے اپنے ''جار'' (پڑوسی) کے لیے وصیت کی تو اس سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ پڑوسی ہے جس کا گھر موصی کے گھر کے ملاصق ہو جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو لوگ موصی کے محلے میں ہیں اور محلے کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں وہ جار ہیں خواہ ملاصق ہوں یا نہ ہوں۔

راجح قول:

مشایخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ [شامی: ۶/۶۸۲]

و صھرہ ...... یعنی اگر ایک شخص نے فلاں کے اصہار کے لیے وصیت کی تو اس سے مراد بیوی کے اہل بیت ہوں گے جیسے اس کے آباء چچا، بھائی وغیرہ البتہ شرط یہ ہے کہ جب موصی کا انتقال ہو تو وہ عورت اس کی بیوی ہو یا طلاقِ رجعی کی عدت میں ہو چناں چہ اگر طلاق بائن کی عدت میں ہوئی تو یہ لوگ وصیت کے مستحق نہ ہوں گے۔ البتہ امام حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ان کے عرف میں تھا ہمارے زمانے میں ''اصہار'' کا اطلاق صرف بیوی کے والدین پر ہوتا ہے اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

[شامی: ۶/۶۸۳]

و ختنہ ...... یعنی اگر ایک شخص نے فلاں کے اختان کے لیے وصیت کی تو اس سے مراد اس کی تمام ذی رحم محرم عورتوں کے شوہر ہوں گے لیکن یہ ان کے عرف میں تھا ہمارے عرف میں ''ختن'' کا اطلاق صرف محرم (بیٹی) کے شوہر پر ہوتا ہے۔ [درمختار: ۶/۶۸۴]

و اھلہ ...... یعنی اگر ایک شخص نے فلاں کی اھل کے لیے وصیت کی تو اس سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اس کی بیوی ہے جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کی وہ کفالت کرتا ہے اور ان کو نفقہ دیتا ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ ''وائتونی باھلکم اجمعین'' یہاں ''اھل'' کا اطلاق صرف بیوی پر نہیں ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ ''اھل'' کا حقیقی معنی صرف بیوی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''و سار باھلہ'' یہاں اھل صرف بیوی کے لیے مستعمل ہے اور کہا جاتا ہے ''تاھل فلان'' یعنی فلاں نے شادی کر لی۔

و الہ اھل ...... یعنی اگر ایک شخص نے فلاں کی ''آل'' کے لیے وصیت کی تو اس سے مراد فلاں کے اہل بیت اور اس کا باپ اور دادا مراد ہوں گے۔

و اقاربہ ...... یعنی اگر ایک شخص نے اپنے اقارب یا اقرباء یا قرابت والوں یا اپنے انساب والوں کے لیے وصیت کی تو اس سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے دو یا اس سے زیادہ ذی رحم محرم ہیں اس میں اس کا والد اور بیٹا داخل نہ ہوگا اور وہ لوگ داخل ہوں گے جو اس کے وارث نہیں ہیں اور یہ بھی ''اقرب فالاقرب'' کے لحاظ سے وصیت کے مستحق ہوں گے یعنی جو جتنا اقرب ہوگا وہ وصیت کا پہلے مستحق ہوگا اس کے بعد اس سے ابعد مستحق ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ وصیت ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو اس آخری اب (باپ) کی طرف منسوب ہو جس نے اسلام کا زمانہ پایا ہو اب صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کی تفسیر میں مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہو گیا بعض نے کہا کہ وہ آخری باپ مراد ہے جس نے اسلام کا زمانہ پایا ہو اور خود بھی اسلام لایا ہو اور بعض نے کہا خود اسلام لانے کی شرط نہیں ہے بلکہ زمانہ اسلام پانا کافی ہے۔ ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا جب موصی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہو اور وہ اپنے اقارب کے لیے وصیت کر دے تو ان کا آخری باپ ابوطالب ہے جس نے اسلام کا زمانہ پایا ہے چناں

چہ جن مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک خود مسلمان ہونا شرط نہیں ہے ان کے نزدیک اقارب میں اولادِ جعفر رضی اللہ عنہ اور اولادِ عقیل رضی اللہ عنہ بھی داخل ہوں گی اور جن کے نزدیک خود مسلمان ہونا ضروری ہے ان کے نزدیک اولادِ جعفر رضی اللہ عنہ اور اولادِ عقیل رضی اللہ عنہ داخل نہ ہوں گی۔

شرح میں دو باتیں ذکر کیں ہیں جن کی شرح مندرجہ ذیل ہے۔

انما قال محرما...... یعنی مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''محرما'' تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں اقل جمع دو فرد ہیں چناں چہ وصیت میں بھی ''اقارب'' جمع سے کم از کم دو فرد مراد ہوں گے۔

ثم لا یدخل...... یعنی اقارب کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں قرابتِ ولاد والے رشتے دار مثلاً باپ اور بیٹا اس میں داخل نہ ہوں گے کیوں کہ ان کو اقرباء نہیں کہا جاتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''الوصية للوالدين والاقربين'' پس اقربین کو والدین پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ اقرباء میں والدین داخل نہیں ہے اس بات کی وضاحت کے لیے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا ''وقد قیل من قال للوالد...... کہ جس شخص نے اپنے والد کو ''قریب'' کہا تو اس نے والد کی نافرمانی کی کیوں کہ ''قریب'' اس کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کا کسی واسطے سے تعلق ہو جب کہ والد سے انسان کا بلا واسطہ تعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو ''قریب'' کہنا اس کی نافرمانی ہے۔ [شامی: ۶/۶۸۶، البنایة: ۱۶/۳۴۶]

عبارت:

فان كان له عمان و خالان فذا لعميه هذا عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و قالا يقسم بينهم ارباعا لعدم اعتبار الاقربية و فى عم و خالين نصف بينه و بينهما لان اقل الجمع اذا كان اثنين فللواحد النصف بقى النصف الاخر فيكون للخالين و عندهما يقسم اثلاثا بينهم و فى عم له نصف اى اوصى للاقارب و له عم واحد له النصف لما ذكرنا انفا والعم والعمة سواء فيها و فى ولد زيدا لذكر و الانثى سواء و فى ورثته ذكر كالانثيين لانه اعتبر الورثة و حكم الارث هذا و فى ايتام بنيه و عميانهم وزمناهم واراملهم دخل فقيرهم وغنيهم و ذكرهم واناثهم ان احصوا والا فللفقراء منهم اوصى لايتام بنى زيد او عميا نهم الىٰ اٰخره فان كانوا قوما يحصون دخل الفقير والغنى فانه يكون تمليكا لهم وان كانوا قوما لا يحصون لايكون تمليكا لهم بل يراد به القربة و هى فى دفع الحاجة فيصرف الى الفقراء منهم الى فقراء ايتام بنى زيدا و فقراء عميانهم و كذا فى الباقى و فى بنى فلان الاثنى منهم و بطلت الوصية لمواليه فيمن له معتقون و معتقون لان اللفظ مشترك ولا عموم له ولاقرينه تدل على احدهما و فى بعض كتب الشافعى ان الوصية للكل۔

ترجمہ:

اور اگر اس کے دو چچا اور دو ماموں ہوں تو یہ اس کے دونوں چچا کے لیے ہوگی یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ان کے درمیان ارباعاً تقسیم کیا جائے گا۔ اقربیت کا اعتبار نہ ہونے کی وجہ سے اور ایک چچا اور دو ماموں ہونے کی صورت میں چچا اور دونوں ماموں کے درمیان نصف نصف ہوگا اس لیے کہ اقل جمع جب دو ہے تو ایک کے لیے نصف ہے تو دوسرا نصف باقی رہ گیا پس وہ دونوں ماموؤں کے لیے ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو اثلاثاً تقسیم کیا جائے گا اور ایک چچا ہونے

کی صورت میں اس کے لیے نصف ہوگا یعنی اس نے اقارب کے لیے وصیت کی اور اس کا ایک چچا ہے تو اس کے لیے نصف ہے اس وجہ سے جو ہم نے ابھی ذکر کردی اور چچا اور پھوپھی اس میں برابر ہیں اور زید کی اولاد کے لیے وصیت کی صورت میں مذکر اور مؤنث برابر ہے اور اس کے ورثہ کے لیے وصیت کی صورت میں مذکر مراد ہیں انثیین کی طرح اس لیے کہ اس نے ورثہ کا اعتبار کیا ہے اور ارث کا حکم یہ ہے اور فلاں کے یتیم بیٹوں اور ان کے نابینا اور ان کے اپاہج اور ان کے فقراء کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں ان کے فقیر اور ان کے غنی اور ان کے مذکر اور ان کے مؤنث داخل ہوں گے اگر ان کو شمار کیا جاسکے ورنہ ان کے فقراء کے لیے وصیت ہوگی ایک شخص نے بنی زید کے یتیموں کے لیے یا ان کے اندھوں کے لیے ''الی آخرہ'' وصیت کی پس اگر وہ اتنے لوگ ہوں جن کو شمار کیا جاسکے تو فقیر اور غنی داخل ہوں گے کیوں کہ یہ ان کو مالک بنانا ہے اور اگر وہ اتنے لوگ ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا تو ان کو مالک بنانا نہیں ہے بلکہ اس سے قربت مراد لی جائے گی اور قربت حاجت دور کرنے میں ہے چناں چہ وصیت ان کے فقراء کی طرف پھیری جائے گی اور اسی طرح باقی میں ہے اور ''بنی فلان'' کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں عورتیں ان میں سے ہوں گی اور اپنے موالی کے لیے وصیت کرنا باطل ہے اس صورت میں جس کو آزاد کرنے والے بھی ہوں اور اس کے آزاد کیے گئے بھی ہوں اس لیے کہ یہ لفظ مشترک ہے اور اس کے لیے عموم نہیں ہے اور ان میں سے ایک پر قرینہ دلالت نہیں کرتا اور بعض کتب شافعیہ میں یہ ہے کہ وصیت تمام کے لیے ہوگی۔

تشریح:

فان کان لہ ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی جب کہ اس کے اقارب میں سے صرف دو چچا اور دو ماموں ہیں تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مالِ وصیت دونوں چچا کے لیے ہوگا اور ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا کیوں کہ یہ دونوں قرابت میں ماموں سے اقرب ہیں جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مالِ وصیت کے چار حصے کیے جائیں گے ہر ایک کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا ان حضرات نے ان کے درمیان اقرب ہونے کا اعتبار نہیں کیا۔ **وفی عم و خالیں** ......یعنی اگر اقارب کے لیے وصیت کی گئی اور اقارب میں سے ایک چچا اور دو ماموں ہیں تو چچا کو نصف مال ملے گا اور بقیہ نصف دونوں ماموؤں کو ملے گا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے کیوں کہ ''اقارب'' جمع ہے اور اقل جمع دو فرد ہیں جب کہ چچا صرف ایک فرد ہے۔ لہٰذا اس کو نصف ملے گا اب باقی نصف ماموؤں کو ملے گا کیوں کہ وہ چچا سے ابعد ہیں۔ جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مالِ وصیت کے تین حصے کیے جائیں گے ہر ایک کو ایک حصہ ملے گا۔ ''**وفی عم لہ** ......اور اگر صرف ایک چچا ہو تو اس کو صرف نصف مال ملے گا کیوں کہ اس نے ''اقارب'' کے لیے وصیت کی ہے اور اقارب جمع ہے اور اقل جمع دو فرد ہیں اور یہاں صرف ایک فرد ہے۔ لہٰذا اس کو نصف مال ملے گا۔

و فی ایتام ......یعنی اگر ایک شخص نے بنی زید کے یتیموں اور اندھوں اور اپاہجوں اور فقراء کے لیے وصیت کی تو اب دیکھا جائے گا اگر بنی زید کے ان لوگوں کو شمار کیا جاسکتا ہو یعنی چند لوگ ہوں تو ان سب کے لیے وصیت ہوگی چناں چہ ان کے فقراء اور غنی اس میں برابر ہیں اور اسی طرح مرد اور عورت اس میں برابر ہیں اور اگر ان کی تعداد شمار نہ کی جاسکتی ہو تو اب صرف ان کے فقراء کو وصیت دی جائے گی یعنی جو یتیم اور اپاہج اور اندھے فقیر ہوں ان کے لیے وصیت ہوگی۔ ''ارمل'' اس کو کہا جاتا ہے جو کسی شئی پر قادر نہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔

......☆☆☆☆......

باب الوصية بالسكنى و الخدمة

عبارت:

تصح الوصية بخدمة عبده وسكنى داره مدة معينة و ابدا و بغلتهما فان خرجت الرقبة من الثلث سلمت اليه لها اى الى الموصى له لاجل الوصية والا قسم الدار اثلاثا و يهايا العبد اى يقسم الدار ويسلم الى الموصى له مقدار ثلث الدار ليسكن فيه والعبد يخدم الموصى له بمقدار ما صحت فيه الوصية و يخدم الورثة مقدار ما لم تصح و بموته فى حيوة موصية تبطل وبعد موته يعود الى الورثة اى بموت الموصى له بعد موت موصيه تعود الى ورثة الموصى لانه اوصى بان ينتفع الموصى له على ملك الموصى فاذا مات الموصى له يعود الى ورثة الموصى بحكم الملك وبتمرة بستانه ان مات و فيه ثمرة له هذه فقط اى للموصى له التمرة الكائنة حال موت الموصى لا ما يحدث بعده و ان ضم ابدا فله هذه و ما يحدث كما فى غلة بستانه اى اوصى بغلة بستانه سواء ضم لفظ الابدا اولا فله هذه و ما يحدث۔

ترجمہ:

اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر میں رہنے کی مدت معینہ اور ہمیشہ کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے اور ان کے کرائے کی وصیت کرنا بھی صحیح ہے پس اگر غلام ثلث سے نکل آئے تو غلام موصی لہ کو وصیت کی وجہ سے حوالے کر دیا جائے یعنی وصیت کی وجہ سے موصی لہ کے، ورنہ گھر کو اثلاثا تقسیم کیا جائے گا اور موصی لہ کے ثلث گھر حوالے کیا جائے گا تا کہ وہ اس میں رہے اور غلام موصی لہ کی اتنی مقدار خدمت کرے گا جس میں وصیت صحیح ہے اور ورثہ کی اتنی مقدار خدمت کرے گا جس میں وصیت صحیح نہیں ہے اور موصی کی زندگی میں موصی لہ کی موت کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی اور موصی کی موت کے بعد ورثہ کی طرف لوٹ آئے گی یعنی موصی کی موت کے بعد موصی لہ کی موت کی وجہ سے وصیت موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گی اس لیے کہ اس نے اس کی وصیت کی تھی کہ موصی لہ موصی کی ملکیت پر نفع اٹھائے پس جب موصی لہ مر گیا تو ملک کے حکم کی وجہ سے وصیت موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گی اور اپنے باغ کے پھلوں کی وصیت کرنے کی صورت میں اگر اس کا انتقال ہو گیا۔ دراں حالکہ اس میں پھل تھے تو اس کے لیے فقط یہی ہیں یعنی موصی لہ کے لیے وہ پھل ہوں گے جو موصی کی موت کی حالت میں تھے نہ کہ وہ پھل جو اس کے بعد پیدا ہوں گے اور اگر اس نے ''ابدا'' ملا دیا تو اس کے لیے یہ پھل اور جو پیدا ہوں گے تمام اس کے ہوں گے جیسے اپنے باغ کے غلہ کی وصیت کرنے کی صورت میں ہے یعنی ایک شخص نے اپنے باغ کے غلہ کی وصیت کی خواہ لفظ ''ابد'' ملایا ہو یا نہیں تو یہ اور جو بعد میں پیدا ہوں گے تمام اس کے ہیں۔

تشریح:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ جب اعیان کی وصیت کے بیان سے فارغ ہوگئے اب انہوں نے منافع کی وصیت کے بیان کو شروع فرمایا۔

تصح الوصیة ......یعنی اگر ایک شخص نے اپنے گھر میں رہنے یا اپنے غلام کی خدمت کی کسی کے لیے معینہ مدت یا ہمیشہ کے لیے وصیت کی تو یہ صحیح ہے اور اسی طرح اگر اس نے مکان سے حاصل ہونے والے کرائے یا غلام کی خدمت سے حاصل والی اجرت کی کسی کے لیے وصیت کی تو یہ بھی صحیح ہے۔فان خرجت ......یعنی اگر غلام اور گھر کی قیمت اس قدر ہو کہ یہ موصی کے کل مال کا ثلث بنتی ہو تو ایسی صورت میں غلام یا گھر وصیت کی وجہ سے موصی لہ کے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر ان دونوں کی قیمت ثلثِ مال سے زیادہ ہو تو گھر کی صورت میں اگر گھر تقسیم کا احتمال رکھتا ہو تو اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا جن میں ایک حصہ موصی لہ لے لے گا اور اگر گھر تقسیم کا احتمال نہ رکھتا ہو تو باری باری دونوں (ورثہ اور موصی لہ) اپنے حصے کے بقدر رہیں گے یعنی ایک دن موصی لہ رہے گا اور دو دن وارث رہے گا اور غلام کی صورت میں باری مقرر کرلیں گے چناں چہ ورثہ غلام سے دو دن خدمت لیں گے اور موصی لہ ایک دن خدمت لے گا یہ اس وقت ہے جب موصی کا کل مال صرف گھر یا غلام ہو اور اگر ان کے علاوہ مال ہو تو موصی لہ گھر اور غلام میں پورے مال کے ثلث کے بقدر حصہ لے گا۔مثلاً موصی کا غلام کے علاوہ مال پانچ سو دراہم ہے اور غلام کی قیمت ایک ہزار دراہم ہے تو اب کل مال پندرہ سو دراہم ہے چناں چہ معلوم ہوا کہ موصی لہ کا حق پانچ سو دراہم ہے۔لہٰذا اب غلام چوں کہ ہزار دراہم ہے کا ہے اس لیے نصف حق موصی لہ کا ہے اور اب ایک دن غلام موصی لہ کی خدمت کرے گا اور ایک دن ورثہ کی خدمت کرے گا۔یہی صورت گھر میں ہے۔

و بموته ......یعنی ایک شخص نے کسی کے لیے غلام کی خدمت یا گھر میں رہنے کی وصیت کی پھر موصی کی زندگی ہی میں موصی لہ کا انتقال ہوگیا تو یہ وصیت باطل ہو جائے گی اور اسی طرح اگر موصی کی موت کے بعد موصی لہ کی موت واقع ہوگئی تو یہ وصیت موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گی یعنی موصی کے ورثہ غلام سے خدمت لیں گے اور گھر میں رہیں گے اس لیے کہ موصی نے یہ وصیت کی تھی کہ موصی لہ ان سے صرف نفع حاصل کرے گا اور ملکیت اس کی نہ ہوگی پس جب موصی لہ کی موت ہوگئی تو وصیت ملکیت کے حکم سے موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گی۔

عبارت:

و بصوف غنمه و ولدها و لبنها له ما فی وقت موته ضم ابدا اولا اوالفرق بین الثمرة والغلة والصوف ان الغلة تطلق علی الموجود و علی ما یوجد مرة بعد اخری والثمرة والصوف لا یطلقان الاعلی الموجود الا انه اذا ضم ابدا صار قرینة دالة علی تناول المعدوم فتصح فی الثمرة دون الصوف لان العقد علی الثمرة المعدومة یصح شرعا کالمساقاة لا علی الصوف والولد و نحوهما و تورث بیعة و کنیسة جعلتا فی الصحة لان هذا بمنزلة الوقف عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ والوقف یورث عنده و اما عندهمالا لان هذه معصیة فلا تصح والوصیة بجعل احدهما سمی قوما اولا تصح فان اوصی یهودی او نصرانی ان یجعل لقوم مسمین بیعة او کنیسة تصح و لقوم غیر مسمین تصح عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ لا عندهما فان الوصیة بالمعصیة لا تصح له انه قربة فی معتقدهم و هم متروکون علی ما یدینون کوصیة مستامن لا وارث له هنا بکل ما له لمسلم او ذمی فان الوصیة بکل المال انما لا تصح لحق الورثة و اما المستامن فورثته فی

دار الحرب و هم فی حکم الاموات فلا مانع من الصحة و الله اعلم.

ترجمہ:

اور اپنی بھیڑ کی اُون اور اس کے بچے اور اس کے دودھ کی وصیت کرنے کی صورت میں موصی لہ کے لیے وہ ہے جو موصی کی موت کے وقت موجود ہو موصی نے ''ابـدا'' ملایا ہو یا نہیں اور ثمر اور غلہ اور صوف میں فرق یہ ہے کہ ''غلہ'' موجود پر اور جو باری باری موجود ہو اس پر بولا جاتا ہے اور ''ثمرہ'' اور ''صوف'' صرف موجود پر ہی بولے جاتے ہیں مگر جب ''ابدا'' ملادے تو یہ قرینہ ہے جو معدوم کے شامل ہونے پر دلالت کرنے والا ہے چناں چہ وصیت ''ثمرہ'' میں صحیح ہے ''صوف'' میں صحیح نہیں ہے اس لیے کہ معدوم پھلوں پر عقد کرنا شرعاً صحیح ہے جیسے مساقات ہے نہ کہ ''صوف'' اور بچے اور ان دونوں جیسے پر اور ''بیعہ'' اور کنیسہ'' جو حالت صحت میں بنائے گئے ہوں ان کا وارث بنا جائے گا اس لیے کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقف کے مرتبے پر ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقف کا وارث بنا جاتا ہے اور بہر حال صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بنا جاتا اس لیے کہ یہ معصیت ہے پس یہ صحیح نہیں ہے اور ان دونوں میں سے ایک کے بنانے کی وصیت کرنا صحیح ہے خواہ وہ قوم کا نام لے یا نہ لے پس اگر ایک یہودی یا نصرانی نے اس بات کی وصیت کی کہ ایک قوم کے لیے جن کے نام لیے گئے بیعہ یا کنیسہ بنایا جائے تو یہ وصیت صحیح ہے اور غیر مسمیٰ قوم کے لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ان کے اعتقاد میں قربت ہے اور ان کو ان کے دین پر چھوڑا جائے گا۔ جیسے اس مستامن کا اپنے پورے مال کی کسی مسلمان یا ذمی کے لیے وصیت کرنا جس کا یہاں کوئی وارث نہیں ہے کیوں کہ سارے مال کی وصیت کرنا صرف ورثہ کے حق کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ بہر حال مستامن تو اس کے ورثہ دار الحرب میں ہیں اور وہ مُردوں کے حکم میں ہیں پس وصیت کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہے۔

تشریح:

و بصوف غنمه ...... یعنی اگر ایک شخص نے اپنی بھیڑ کی اُون یا اس کے بچے یا اس کے دودھ کی کسی کے لیے وصیت کی خواہ ہمیشہ کے لیے کی ہو یا نہیں دونوں صورتوں میں موصی کی موت کے وقت جو موجود ہو وہ موصی لہ کا ہوگا۔

فرق:

و الفرق ...... چوں کہ ''ثمرہ'' اور ''غلہ'' اور ''صوف'' تینوں کا حکم الگ الگ ہے کہ ''غلہ'' کی وصیت کرتے وقت خواہ لفظ ''ابدا'' ملائے یا نہ ملائے ہر صورت میں موصی لہ کو موجودہ اور مستقبل میں آنے والا غلہ ملے گا اور ''ثمرہ'' کی وصیت کرتے وقت اگر لفظ ''ابـدا'' نہیں ملایا تو موصی لہ کے لیے صرف موجودہ پھل ہوں گے اور اگر لفظ ''ابدا'' ملایا ہو تو موجودہ اور مستقبل میں آنے والے سارے پھل ہوں گے اور ''صوف'' کی وصیت کرتے وقت خواہ لفظ ''ابـدا'' ملائے یا نہ ملائے ہر صورت میں موصی لہ کے لیے صرف موجودہ اُون ہوگی ان تینوں میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ غلہ موجودہ شئی پر بھی بولا جاتا ہے اور جو ایک کے بعد دوسری بار پھر آئے اس پر بھی ''غلہ'' بولا جاتا ہے جب کہ ثمرہ اور صوف صرف موجود پر بولا جاتا ہے البتہ اگر ان کے ساتھ لفظ ''ابـد'' ملا دیا جائے تو یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ موجودہ کے ساتھ معدوم بھی شامل ہے لیکن یہ ثمرہ کی صورت میں صحیح ہے اور صوف کی صورت میں صحیح نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معدوم پھلوں پر عقد کرنا شرعاً صحیح ہے جیسے مساقات وغیرہ میں ہے جب کہ معدوم صوف اور ولد پر عقد کرنا صحیح نہیں ہے۔

و تورث بیعة ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ذمیوں وغیرہ کے وصایا کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ چناں چہ یہ بات جان لیں کہ

ذمی کے وصایا تین قسم پر مشتمل ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جو بالاتفاق جائز ہے وہ یہ ہے کہ ذمی ایسی وصیت کرئے جو ہمارے اوران کے نزدیک قربت ہو جیسے وہ یہ وصیت کرے کہ میرے مال سے بیت المقدس کو مزین کیا جائے۔

دوسری قسم وہ ہے جو بالاتفاق باطل ہے وہ یہ ہے کہ ذمی ایسی وصیت کرے جو ہمارے اوران کے نزدیک قربت نہ ہو جیسے وہ یہ وصیت کرے کہ مغنیات (گانے گانا والی عورتوں) کو اتنا مال دے دینا۔

تیسری قسم وہ ہے جو مختلف فیہ ہے کہ وہ ایسی وصیت کرے جو فقط ان کے نزدیک قربت ہو جیسے وہ یوں کہے کہ میرے گھر کو کنیسہ یا بیعہ بنا دینا تو یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقف کے مرتبے پر ہے اور وقف کا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وارث بنا جاتا ہے جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ وصیت باطل ہے کیوں کہ یہ معصیت ہے اور معصیت کی وصیت نافذ نہیں ہوتی۔

[شامی:۶/۶۹۶]

و الوصية بجعل ...... یعنی اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے گھر کو فلاں قوم کے لیے بیعہ یا کنیسہ بنا دینا تو یہ وصیت کرنا سب کے نزدیک صحیح ہے بشرطیکہ اس کا گھر گاؤں میں ہو اگر شہر میں ہو تو یہ ناجائز ہے اور اگر اس نے کسی معینہ قوم کے لیے وصیت نہیں کی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ معصیت کی وصیت ہے اور یہ باطل ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ وصیت ان کے اعتقاد میں قربت ہے اور ان کو ان کے دین میں آزاد چھوڑا جائے گا۔

کوصية مستامن ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایک مستامن نے اپنے سارے مال کی کسی کے لیے وصیت کردی اور ہمارے علاقے میں مستامن کا کوئی وارث نہیں ہے تو یہ وصیت کرنا صحیح ہے کیوں کہ سارے مال کی وصیت سے مانع ورثہ کا حق ہوتا ہے اور مستامن کے ہمارے علاقے میں ورثہ نہیں ہیں البتہ اس کے جو ورثہ دارالحرب میں ہیں وہ مُردوں کے حکم میں ہیں لہٰذا وہ وصیت صحیح ہونے سے مانع نہیں ہے۔

......☆☆☆☆......

باب الوصی

عبارت:

يقال اوصى الى فلان اى فوض اليه التصرف فى ماله بعد موته والاسم منه الوصايا بالكسر والفتح والمفوض اليه الوصى و من اوصى الى زيد و قبل عنده فان رد عنده ردوالا لا وانما لا يصح الرد بغيبته لانه اعتمد عليه حيث قبله بحضوره فان صح الرد بغيبته يلزم الغرور فان سكت فمات موصيه فله رده و ضده اى القبول ولزم بيع شئى من التركة و ان جهل به اى بالايصاء فان الوصى اذا باع شيئا من التركة من غير علم بالايصاء ينفذ البيع بخلاف الوكيل اذا باع شيئا بلا علم بالوكاله فان رد بعد موته ثم قبل صح الا اذا انفذ قاض رده اذ بمجرم الرد لا تبطل الوصاية لان فى بطلانه ضرر بالميت الا اذا تاكد ذلك بحكم القاضى والى عبداو كافر او فاسقا بدله القاضى بغيره قيل الوصاية صحيحة و انما تبطل باخراج القاضى و قيل فى العبد باطلة و فى غيره صحيحة و قيل فى الكافر باطلة لعدم و لايته على المسلم و فى غيره صحيحة و الى عبده صح ان كان ورثته صغارا والا لا هذا عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و قالا لا تصح و ان كانت الورثة صغارا و هو القياس لانه قلب المشروع له ان لعبده من الشفقة ما لا يكون لغيره و الصغار و ان كانو املا كاليس لهم ولاية المنع فلا منافاة بخلاف ما اذا كان البعض كبارا اذلهم المنع و بيع نصيبهم من هذا العبد و الى عاجز عن القيام بها ضم اليه غيره اى يضم القاضى اليه غيره۔

ترجمہ:

کہا جاتا ہے ''اوصی الی فلان ''یعنی ایک شخص نے فلاں کو اپنی موت کے بعد اپنے مال میں تصرف سپرد کر دیا اور اس سے اسم ''وصایا'' کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے اور مفوض الیہ وصی ہے اور جس نے زید کی طرف وصیت کی اور وصی نے اس کے پاس قبول کر لی اگر وہ اس کے پاس رد کرے تو وہ رد کر دی جائے گی ورنہ نہیں، سوائے اس کے نہیں کہ موصی کی غیر موجودگی میں رد کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ موصی نے وصی پر اعتماد کیا اس طور پر کہ وصی نے اس کی موجودگی میں قبول کیا پس اگر رد اس کی غیر موجودگی میں صحیح ہو تو دھوکہ لازم آئے گا اور اگر وہ شخص خاموش رہا پھر اس کا موصی مر گیا تو اس کے لیے وصیت کو رد کرنا اور اس کی ضد یعنی قبول کرنا جائز ہے اور ترکے میں سے کسی شئی کی بیع لازم ہوگی اگر چہ ایصاء کا علم نہ ہو کیوں کہ وصی جب ترکے میں سے کچھ ایصاء کے علم کے بغیر فروخت کر دے تو بیع نافذ ہوگی برخلاف وکیل کے ہے جب وہ کوئی شئی وکالت کے علم کے بغیر فروخت کر دے اور اگر وصی نے موصی کی موت کے بعد رد کیا پھر قبول کر لیا تو

صحیح ہے مگر جب قاضی اس کا رد کرنا نافذ کر دے اس لیے کہ صرف رد کرنے سے وصیت باطل نہیں ہوتی اس لیے کہ اس کے باطل ہونے میں میت کو ضرر ہے مگر جب یہ قاضی کے حکم سے موکد ہو جائے ایک شخص نے غلام اور کافر اور فاسق کو وصی بنایا تو قاضی اس کے غیر سے بدل دے کہا گیا ہے وصیت صحیح ہے سوائے اس کے نہیں قاضی کے نکالنے سے باطل ہوگی اور کہا گیا ہے غلام میں باطل ہے اور اس کے علاوہ میں صحیح ہے اور کہا گیا ہے کافر میں اس کی مسلمان پر ولایت نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور اس کے علاوہ میں صحیح ہے اور اپنے غلام کو وصی بنانا صحیح ہے اگر اس کے ورثہ صغیر ہوں ورنہ نہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ صحیح نہیں ہے اگرچہ ورثہ چھوٹے ہوں اور یہ قیاس ہے اس لیے کہ اس نے مشروع کو پلٹ دیا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ اس کے غلام کے لیے ایسی شفقت ہے جو اس کے علاوہ میں نہیں ہے اور چھوٹے روکنے کی ولایت نہیں رکھتے اگرچہ وہ مالک ہیں چناں چہ منافات نہیں ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب بعض بڑے ہوں اس لیے کہ ان کے لیے روکنے اور اس غلام کو اپنا حصہ فروخت کرنے کی ولایت ہے اور ایسے شخص کو وصی بنانا صحیح ہے جو اس کے قیام سے عاجز ہو تو قاضی اس کے علاوہ شخص کو اس کے ساتھ ملا دے گا یعنی قاضی اس کی طرف اس کے غیر کو ملا دے گا اور ایسے امین کو باقی رکھا جائے گا جو قادر ہو یعنی جب وصی امین ہو تصرف پر قادر ہو تو قاضی کے لیے اس کو نکالنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کو باقی رکھنا واجب ہے۔

تشریح:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ جب موصی لہ کے احکامات کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب انہوں نے وصی کے احکامات کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے۔

وصی کی تعریف:

شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے مقولہ سے وصی کی تعریف بیان کی ہے کہ جب یوں کہا جائے ''اوصی الی فلان'' تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص نے کسی کو مرضِ وفات میں اپنی موت کے بعد اپنے مال میں تصرف کرنے کا مالک بنا دیا یہ تصرف کرنے والا شخص ''وصی'' کہلاتا ہے۔ البتہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ انسان کو حتی الامکان وصی بننے سے گریز کرنا چاہیے کیوں کہ غیر کے مال میں تصرف کرنا نازک معاملہ ہے۔ امام حسن سے یہ مقولہ منقول ہے ''لا یقدر الوصی ان یعدل و لو کان عمر بن الخطاب''۔

[شامی: ۶/۷۰۰]

و من اوصی ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے زید کو وصی بنایا اور زید نے اس کے پاس وصی ہونا قبول کر لیا تو اب اگر زید وصی بننے سے انکار کرنا چاہتا ہے تو زید کے لیے ضروری ہے کہ موصی کی موجودگی میں وصیت رد کرے تا کہ اس کو علم ہو جائے کہ زید وصی نہیں بنا چناں چہ کسی دوسرے کو وصی بنا دے اور اگر زید نے اس کی غیر موجودگی (مراد عدمِ علم ہے) میں رد کیا تو یہ رد کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ جب زید نے اس کی موجودگی میں قبول کیا ہے تو موصی کو اس پر اعتماد ہے کہ زید وصی ہے چناں چہ اس کی غیر موجودگی میں انکار کرنے سے اس کو دھوکہ دینا لازم آئے گا۔ البتہ اگر موصی کے وصی بناتے وقت زید نے سکوت کیا نہ قبول کیا نہ رد کیا تو اب زید کے لیے موصی کی غیر موجودگی قبول کرنا اور رد کرنا دونوں جائز ہے اب موصی کی موت کے بعد وصیت قبول کرنا قولاً بھی صحیح ہے اور فعلاً بھی صحیح ہے قولاً قبول کرنا واضح ہے اور فعلاً قبول کرنا غیر واضح تھا چناں چہ ''لزم بیع شئی ......'' سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ فعلاً قبول کرنے کی وضاحت کر رہے ہیں کہ موصی کے ترکے میں سے کوئی فروخت کر دی تو یہ بیع نافذ ہوگی اگرچہ وصی کو اپنے وصی ہونے کا علم نہ ہو لیکن وکالت

کی صور [illegible] کے بَرخلاف ہے۔ چناں چہ اگر ایک شخص کو اپنے وکیل ہونے کا علم نہ ہو حالاں کہ وہ کسی کا وکیل ہو اور وکیل موکل کا سامان فروخت کردے تو بھی بیع نافذ نہ ہوگی۔ فــان رد ...... یہ ماقبل کا نتیجہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کو وصی مقرر کیا اور وصی نے سکوت کیا پھر موصی کی موت کے بعد اس نے وصیت رد کردی پھر دوبارہ قبول کرلی تو یہ صحیح ہے اس لیے کہ اس کے رد کو جب تک قاضی نے قبول نہیں کیا تو وہ غیر معتبر ہے کیوں کہ اس کے رد سے میت کو نقصان ہے۔ چناں چہ جب اس نے قبول کرلیا تو صحیح ہے البتہ اگر قاضی نے اس کا رد قبول کرلیا تو اب دوبارہ قبول کرنا صحیح نہیں ہے۔

و الی عبد ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے مرتے وقت غلام یا کافر یا فاسق کو اپنے مال کا وصی بنادیا تو قاضی پر واجب ہے کہ ان کے بدلے کسی آزاد نیک مسلمان کو وصی مقرر کرے۔ اب رہی یہ بات کہ موصی کا ان تینوں کو وصی بنانا صحیح ہے یا باطل ہے تو "**قیل الوصایة**" ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں چند اقوال ذکر کررہے ہیں۔ یہ بات جان لیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ وصیت مذکورہ تینوں صورتوں میں باطل ہے اب امام محمد کی بطلان سے کیا مراد ہے آیا وصیت سرے سے باطل ہے یا عنقریب باطل ہوگی؟ اس میں مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین قول بیان کیے ہیں۔

پہلا قول صاحب ھدایہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ ان تینوں میں وصیت صحیح ہے البتہ جب قاضی ان کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کرے گا تب ان کے بارے میں وصیت باطل ہوگی۔

دوسرا قول شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ موصی کی غلام کے بارے میں وصیت سرے سے باطل ہے البتہ کافر اور فاسق کے بارے میں صحیح ہے جب قاضی دوسرے کو مقرر کرے گا تب ان کے بارے میں وصیت باطل ہوگی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ موصی کا کافر کو وصی بنانا سرے سے باطل ہے کیوں کہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے اور غلام اور فاسق کو وصی بنانا صحیح ہے۔ [العنایہ: ۹/۱۲۳]

و الی عبدہ صح ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے مرتے وقت اپنے غلام کو وصی بنادیا تو اب ورثہ کو دیکھا جائے گا اگر ورثہ میں کچھ صغیر ہوں اور کچھ کبیر ہوں تو غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے کیوں کہ بڑے ورثہ غلام کو تصرف سے روک بھی سکتے ہیں اور اپنا حصہ فروخت بھی کرسکتے ہیں البتہ اگر سارے ورثہ صغیر ہوں تو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غلام کو وصی بنانا صحیح ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وصی بنانا صحیح نہیں ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب قیاس پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ اصل مشروع یہ ہے کہ ورثہ غلام کے مالک ہیں اگر اس صورت میں غلام کو وصی بنانا صحیح ہو تو غلام کو ورثہ پر مالک بنانا لازم آئے گا جو قلبِ مشروع ہے جو کہ ناجائز ہے۔ لــہ ان لعبدہ ...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ موصی کے غلام میں موصی کی اولاد پر شفقت کرنے کا مادہ موجود ہے جب کہ غلام کے علاوہ کسی شخص میں شفقت کا مادہ نہیں ہے پس چھوٹے اگرچہ مالک ہیں لیکن ان میں غلام کو روکنے کی ولایت نہیں ہے چناں چہ غلام کے وصی بننے میں منافات نہیں ہے۔

عبارت:

و یبقی امین یقدر ای اذا کان الوصی امینا قادرا علی التصرف لا یجوز للقاضی اخراجه بل یجب تبقیته و الی اثنین لا یفردا حدهما الا بشراء کفنه و تجهیزه و الخصومة فی حقوقه و قضاء دینه و طلبه و شراء حاجة الطفل و الا تهاب له واعتاق عبد عین ای اذا کان اوصی باعتاق عبد معین فاحدالوصیین یملک اعتاقه لعدم الاحتیاج

الی الرای بخلاف اعتاق العبد الغیر المعین ورد ودیعة و تنفذ و صیة معینتین و جمع اموال ضائعة و بیع ما یخاف تلفه فان بعض هذه الامور مما لایحتاج الی الرای و بعضها مما یضرفیه التوقف فلا یشترط الاجتماع و الاجتماع فی الخصومة شغب و هذاقول ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ و عند ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ یتفرد کل بالتصرف فی جمیع الاشیاء و وصی الوصی اوصی الیه فی ماله او مال موصیه وصیٌ فیهما و قسمة الوصی عن الورثة مع الموصی له تصح فلا ترجع علیه ان ضاع قسطهم معه ای قسمة الوصی الترکة مع الموصی له عن الورثة الصغار او الکبار الغائبین تصح حتی لو قبض الوصی نصیب الورثة و ضاع فی یده لایکون للورثة الرجوع علی الموصی له بشئی و قسمته عن الموصی له معهم لا فیرجع بثلث ما بقی ای قسمة الوصی عن الموصی له الغائب مع الورثة الکبار الحاضرین لا تصح حتی لو قبض نصیب الموصی له الغائب و هلک فی یده رجع الموصی له بثلث مابقی اما عن الموصی له الحاضر فقبض الوصی نصیبه ان کان باذنه فهو وکیل عن الموصی له بالقبض فلا یکون له حق الرجوع و ان لم یکن باذنه فله الرجوع۔

ترجمہ:

اور دو شخصوں کو وصی بنانا صحیح ہے ان میں سے ایک دوسرے سے الگ نہ ہوگا مگر موصی کا کفن خریدنے اور اس کی تجہیز میں اور اس کے حقوق کی خصومت میں اور اس کے دین کو ادا کرنے اور دین کا مطالبہ کرنے اور بچے کی ضروریات خریدنے اور اس کے لیے ہبہ لینے اور معین غلام آزاد کرنے میں یعنی جب موصی نے معین غلام آزاد کرنے کا وصی بنایا ہو تو دونوں وصیین میں سے ایک اس کو آزاد کرنے کا مالک ہے رائے کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے بَرخلاف غیر معین غلام آزاد کرنے کے ہے اور ایسی ودیعت کو واپس کرنے اور ایسی وصیت کو نافذ کرنے میں جو دونوں (ودیعت اور وصیت) معین ہوں اور ضائع اموال کو جمع کرنے اور جس شئی کے ضائع ہونے کا خوف ہو اس کو فروخت کرنے میں کیوں کہ ان میں سے بعض امور ایسے ہیں جو رائے کے محتاج نہیں ہیں اور بعض امور میں توقف نقصان دیتا ہے چناں چہ اجتماع شرط نہیں ہے اور خصومت میں اجتماع شور وشغب (کا باعث) ہے اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اشیاء میں ہر ایک تصرف کرنے میں متفرد ہوگا اور وصی کا وصی جس کو ایک شخص نے اپنے مال کا اور اپنے موصی کے مال کا وصی بنایا تو یہ ان دونوں کا وصی ہوگا اور وصی کا موصی لہ کے ساتھ ورثہ کی طرف سے تقسیم کرنا صحیح ہے چناں چہ ورثہ موصی لہ پر رجوع نہ کریں گے اگر ان کا حصہ وصی کے ساتھ ضائع ہوگیا یعنی وصی کا موصی لہ کے ساتھ ترکہ کو صغار یا کبار غیر موجود ورثہ کی طرف سے تقسیم کرنا صحیح ہے۔ لہٰذا اگر وصی نے ورثہ کے حصے پر قبضہ کرلیا اور اس کے قبضے میں حصہ ضائع ہوگیا تو ورثہ کے لیے موصی لہ پر کسی شئی کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہے اور وصی کا ورثہ کے ساتھ موصی لہ کی طرف سے تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے چناں چہ موصی لہ بقیہ کے ثلث کا رجوع کرے گا یعنی وصی کا غائب موصی لہ کی طرف سے حاضر کبار ورثہ کے ساتھ تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اگر وصی نے موصی لہ غائب کے حصے پر قبضہ کرلیا اور اس کے قبضے حصہ میں ہلاک ہوگیا تو موصی لہ بقیہ مال کے ثلث کا رجوع کرے گا چناں وصی موصی لہ کی طرف سے قبضے کا وکیل ہے۔ لہٰذا موصی لہ کے لیے رجوع کا حق نہیں ہے اگر اس کی اجازت کے ساتھ نہ ہو تو اس کے لیے رجوع ہے۔

تشریح:

والی اثنین ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو اپنا وصی مقرر کیا تو یہ صحیح ہے اب ان

دونوں کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مال میں دونوں باہمی رائے سے تصرف کریں اور ایک وصی دوسرے کی رائے کے بغیر تصرف نہ کرے۔ البتہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بارہ صورتیں ایسی ذکر کیں ہیں جن میں ایک وصی دوسرے کی رائے کے بغیر تصرف کرسکتا ہے۔

(۱) میت کا کفن خریدنا۔ (۲) میت کی تجہیز وتدفین کرنا۔ (۳) میت کے حقوق کے لیے خصومت کرنا۔ یہ کام ایک وصی دوسرے کی رائے کے بغیر کرسکتا ہے کیوں کہ دونوں کے جمع ہونے کی صورت میں شور وشغب ہوگا اور اگر شور وشغب نہ بھی ہو تب بھی کلام صرف ایک وصی کرے گا چناں چہ دونوں کا اجتماع شرط نہیں ہے۔

(۴) میت کے دیون ادا کرنا۔ (۵) میت کے بچے کو اگر کسی نے ہبہ کیا تو ہبہ قبول کرنا اور اس پر قبضہ کرنا۔ (۸) میت نے اگر اپنے کسی غلام کو بلاعوض آزاد کرنے کی وصیت کی تھی تو اس کو ایک وصی آزاد کرسکتا ہے کیوں کہ دوسرے کی رائے کی ضرورت نہیں ہے البتہ اگر غیر معین غلام آزاد کرنے کی وصیت ہو تو پھر دونوں کا مشورہ کرنا ضروری ہے اور اسی طرح اگر موصی نے معین غلام مال کے ساتھ آزاد کرنے کی وصیت کی ہو تو بھی دونوں کا مشورہ کرنا ضروری ہے۔

(۹) موصی نے کسی معین ودیعت کے واپس کرنے کی وصیت کی تھی تو ایک وصی واپس کرسکتا ہے۔ (۱۰) موصی نے کسی معین شئی کی وصیت کی تھی تو ایک وصی اس کو نافذ کرسکتا ہے کیوں کہ ان دونوں میں (معین ودیعت اور وصیت) دوسرے کی رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۱۱) موصی کے اموال مختلف مقامات میں پھیلے ہوئے ہیں تو ان سب کو ایک وصی جمع کرسکتا ہے کیوں کہ اس میں توقف کرنا اموال کے ضائع ہونے کا سبب ہے چناں چہ دونوں کا مجتمع ہونا شرط نہیں ہے۔ (۱۲) جس شئی کے ضائع ہونے کا ڈر ہو اس کو ایک وصی فروخت کرسکتا ہے کیوں کہ توقف کرنے کی صورت میں شئی ضائع ہو جائے گی یہ ساری تفصیل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں وصیوں میں سے ہر ایک ہر تصرف تنہا کرسکتا ہے کسی تصرف میں دونوں کا اجتماع شرط نہیں ہے۔

وصی الوصی ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کو اپنے مال کا وصی بنایا پھر اس کا انتقال ہو گیا چند دن بعد وصی کا انتقال ہونے لگا تو اس نے دوسرے شخص کو وصی مقرر کر دیا تو اب یہ شخص دونوں (وصی اور وصی کے موصی) کے ترکے کا وصی ہوگا۔ علامہ رملی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ چار صورتوں پر مشتمل ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ وصی نے مرتے وقت دوسرے کو مبہم طور پر وصی بنایا مثلاً یوں کہا تم میرے بعد وصی ہو اس صورت میں یہ شخص دونوں ترکوں کا وصی ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وصی نے مرتے وقت یہ بیان کیا کہ تم صرف میرے ترکے کے وصی ہو تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دونوں کا وصی ہوگا جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ صرف وصی کے ترکے کا وصی ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وصی نے مرتے وقت یہ کہا تم میرے موصی کے ترکے کے وصی ہو تو اس صورت میں یہ شخص صرف موصی کے موصی کے ترکے کا وصی ہوگا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ وصی نے مرتے وقت یہ کہا تم دونوں کے ترکوں کے وصی ہو تو اس صورت میں یہ دونوں ترکوں کا وصی ہوگا۔

[شامی: ۷۰۶/۶]

خلاصہ یہ ہوا کہ کتاب میں مذکور عبارت صرف پہلی اور چوتھی صورت کے ساتھ متعلق ہے جس میں دونوں ترکوں کا وصی ہوگا۔

و قسمة الوصی ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن نے انتقال کے وقت نصر اللہ کو اپنا وصی مقرر کیا اور احسان کے لیے ثلث مال

کی وصیت کی۔عبدالرحمٰن کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ صغیر تھے یا بڑے تھے لیکن موجود نہ تھے چناں چہ نصر اللہ (وصی) نے ورثہ کی طرف سے عبدالرحمٰن کا مال تقسیم کیا اور ثلث مال اسحاق (موصی لہ) کو دے دیا بقیہ دوثلث پر قبضہ کرلیا تا کہ ورثہ کو دے سکے تو نصر اللہ (وصی) کا اس طرح تقسیم کر کے قبضہ کر لینا صحیح ہے۔ چناں چہ اگر ورثہ کے دوثلث جو نصر اللہ (وصی) کے قبضے میں ہیں ضائع ہو گئے تو ورثہ اسحاق (موصی لہ) کے پاس موجود ثلث مال میں سے کچھ نہیں لیں گے۔ و قسمته عن الموصی ...... یہ ماقبل والی صورت کے برعکس ہے یعنی عبدالرحمٰن کے انتقال کے بعد ورثہ موجود تھے البتہ اسحاق (موصی لہ) موجود نہ تھا چناں چہ نصر اللہ (وصی) نے مال تقسیم کیا اور اسحاق کی طرف سے اس کے ثلث مال پر قبضہ کر لیا اور ورثہ کو دوثلث دے دیے تو یہ صحیح نہیں ہے چناں چہ اگر نصر اللہ کے پاس موجود اسحاق کا حصہ ضائع ہو گیا تو اسحاق ورثہ کے پاس موجود مال کا ثلث لے گا۔ دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ وصی اور ورثہ دونوں میت کے خلیفہ ہیں چناں چہ وصی ورثہ کے نہ ہونے کے وقت ان کا نائب بن سکتا ہے جب کہ موصی لہ میت کا خلیفہ نہیں ہے چناں چہ وصی اور موصی لہ کے مابین کوئی مناسبت نہیں ہے جب دونوں میں مناسبت نہیں ہے تو وصی موصی لہ کا نائب بن کر اس کی طرف سے تقسیم اور اس کے حصے پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ [شامی:۶/۷۰۷]

اما عن الموصی له ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ دوسری صورت اس وقت ہے جب موصی لہ غائب ہو چناں چہ اگر موصی لہ موجود ہو اور وصی موصی لہ کی اجازت سے اس کے حصے پر قبضہ کرے تو اب وصی کے پاس مال ضائع ہونے کی صورت میں موصی لہ رجوع نہیں کر سکتا اور اگر موصی لہ کی اجازت کے بغیر اس کے حصے پر قبضہ کیا تو مال ضائع ہونے کی صورت میں موصی لہ رجوع کرے گا۔

عبارت:

و صحت للقاضی واخذہ قسطه ای صحت للقاضی قسمة الترکة عن الموصی له مع الورثة واخذ القاضی نصیب الموصی له فقوله واخذه عطف علی الضمیر فی صحت و یجوز لوجود الفصل بینهما فان قاسمهم فی الوصیة بحج حج بثلث ما بقی ان هلک فی یده او فی ید من یحج ای قسم الوصی مع الورثة فی الوصیة بحج فهلک المال فی یدا لوصی او فی ید من یحج حج بثلث ما بقی عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و عند ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ ان کان ما افرز للحج ثلث المال لا یوخذ من الباقی شئی للحج و ان کان اقل یوخذ الی تمام الثلث و عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ لا یوخذ شئی فی الحالین لان افراز الوصی کافراز المیت و لو افرز المیت شئیا من ماله للحج فضاع بعد موته لا یحج من الباقی و لابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ ان محل الوصیة الثلث فینفذ ان بقی من الثلث شئی ولابی حنیفه رحمه اللّٰه تعالیٰ ان تمام القسمة بالتسلیم الی الجهة المسماة فاذا لم یصرف الی تلک الجهة صار کهلاکه قبل القسمة و صح بیع الوصی عبدا من الترکة بغیبة الغرماء.ای یجوز للوصی ان یبیع لقضاء الدین عبدا من الترکة بغیبة الغرماء۔

ترجمہ:

اور قاضی کے لیے تقسیم کرنا اور اس کا حصہ لینا صحیح ہے یعنی قاضی کے لیے ترکے کو موصی لہ کی طرف سے ورثہ کے ساتھ تقسیم کرنا اور قاضی کا موصی لہ کا حصہ لینا صحیح ہے۔ پس ماتن کا قول "واخذه" کا "صحت" میں ضمیر پر عطف ہے اور یہ ان دونوں کے درمیان فصل کی وجہ

سے جائز ہے اور اگر وصی نے ورثہ کے ساتھ حج کرنے کی وصیت کی صورت میں مال تقسیم کرلیا تو اگر مال وصی کے قبضے میں یا اس شخص کے قبضے میں جس کو حج کرایا جائے گا ہلاک ہوگیا تو بقیہ مال کے ثلث سے حج کرایا جائے گا۔ یعنی وصی نے حج کی وصیت کی صورت میں ورثہ کے ساتھ مال تقسیم کرلیا پھر وصی کے قبضے میں یا اس شخص کے قبضے میں جس کو حج کرایا جائے گا مال ہلاک ہوگیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بقیہ مال کے ثلث سے حج کرایا جائے گا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر حج کے لیے الگ کیا گیا مال ثلث تھا تو باقی مال سے حج کے لیے کچھ نہیں لیا جائے گا اور اگر اقل ہو تو تمام ثلث تک لیا جائے گا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں حالتوں میں کچھ نہیں لیا جائے اس لیے کہ وصی کا الگ کرنا میت کے الگ کرنے کی طرح ہے اور اگر میت اپنے مال میں سے کچھ حج کے لیے الگ کرے پھر وہ اس کی موت کے بعد ضائع ہوجائے تو باقی مال سے حج نہیں کرایا جائے گا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کا محل ثلث ہے چناں چہ اگر ثلث سے کچھ باقی ہو تو وصیت نافذ ہوگی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم کا پورا ہونا جہت مسمی کی طرف حوالے کرنے سے ہوگا پس جب مال اس جہت کی طرف نہیں پھیرا گیا تو یہ تقسیم سے قبل ہلاک ہونے کی طرح ہے اور وصی کا غرماء کی غیر موجودگی میں ترکے کے غلام کو فروخت کرنا صحیح ہے یعنی وصی کے لیے اداء دین کے لیے ترکے کا غلام غرماء کی غیر موجودگی میں فروخت کرنا صحیح ہے۔

تشریح:

وصحت للقاضی ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کے لیے ثلث مال کی وصیت کی اور موصی لہ کی غیر موجودگی میں قاضی نے مال تقسیم کردیا اور ورثہ کو دو ثلث دے کر بقیہ ایک ثلث پر قبضہ کرلیا تاکہ موصی لہ کے آنے کے بعد اس کو دے دے تو قاضی کا یوں تقسیم کرکے قبضہ کرلینا صحیح ہے کیوں کہ قاضی کو غیر موجود شخص پر ولایت ہے چناں چہ قاضی کا تقسیم کرنا ایسے ہے جیسے غائب نے بذات خود تقسیم کیا البتہ یہ صورت صرف کیلی اور موزونی اشیاء میں صحیح ہے ان کے علاوہ بقیہ اموال میں قاضی کا تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ [الکفایۃ:۹/۱۳۰]

فان قاسمھم ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کررہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کو اپنے مال کا وصی مقرر کیا اور یہ وصیت بھی کی کہ میرے مال سے کسی کو حج کروادینا اب موصی کے انتقال کے بعد ورثہ نے تقسیم کا مطالبہ کیا چناں چہ وصی نے مال تقسیم کردیا اور ورثہ کو ان کا حصہ دے کر حج والا مال اپنے قبضے میں رکھ لیا یا جس کو حج کے لیے بھیجنا تھا اس کے حوالے کردیا پھر وہ مال وصی یا اس شخص کے پاس ہلاک ہوگیا تو اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ورثہ کو دیے گئے مال کا ثلث لیا جائے اور اس کے ساتھ حج کروایا جائے، ان کی دلیل یہ ہے کہ مال کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ایک حصہ ورثہ کے لیے اور ایک حصہ حج کے لیے اور تقسیم اس وقت تام ہوتی ہے جب مسمی جہت کو مال حوالے کردیا جائے چناں چہ ورثہ نے اپنے حصے پر قبضہ کرلیا لیکن حج والے حصے سے جب تک حج نہیں کروایا جائے گا اس وقت تک تقسیم تام نہ ہوگی پس یہ اسی طرح ہے کہ تقسیم سے قبل سارا مال ہلاک ہوجائے تو ورثہ کو کچھ نہیں ملتا۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حج کے لیے الگ کیے گئے مال کی مقدار کو دیکھا جائے گا آیا وہ ثلث مال ہے یا اس سے کم ہے اگر وہ ثلث مال تھا تب تو ہلاک ہونے کے بعد ورثہ سے کچھ نہیں لیا جائے گا اور اگر وہ ثلث مال سے کم تھا تب ورثہ سے اتنا مال مزید لیا جائے جس سے ثلث مال پورا ہوجائے اور اس سے حج کروایا جائے گا ان کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کا محل ثلث مال ہے چناں چہ جب تک ثلث مال پورا نہیں ہوا یعنی ثلثِ مال سے کچھ باقی رہ جائے تو اس وقت تک وصیت کو نافذ کرنا لازم ہے اور جب ثلث مال پورا ہوجائے

تب وصیت کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حج کے لیے خواہ ثلث مال الگ کیا گیا ہو یا اس سے کم مال الگ کیا گیا ہو بہرصورت ورثہ سے کچھ نہیں لیا جائے گا ان کی دلیل یہ ہے کہ وصی موصی کا نائب ہے پس اگر موصی اپنی زندگی میں حج کے لیے مال الگ کر لیتا اور وہ اس کی موت کے بعد ضائع ہو جاتا تو بقیہ مال سے حج کروانا لازم نہ ہوتا اسی طرح جب وصی نے حج کے لیے مال الگ کیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو بقیہ مال سے حج کے لیے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

عبارت:

و ضمن وصی باع ما اوصی ببیعه و تصدق ثمنه فاستحق بعد هلک ثمنه معه و رجع فی الترکة اوصی المیت بان یباع هذا العبد و یتصدق بثمنه فباع الوصی العبد و قبض الثمن فهلک فی یده فاستحق العبد فی ید المشتری ضمن الوصی الثمن ای یرجع المشتری بالثمن علی الوصی ثم الوصی یرجع فی الترکة لانه عامل للمیت و کان ابوحنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ یقول اولا لا یرجع فی الترکة لانه ضمن بقبضه ثم رجع الی ما ذکر و عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ یرجع فی الثلث لان محل الوصیة الثلث کما یرجع فی مال الطفل و صی باع ما اصابه من الترکة و هلک معه ثمنه فاستحق و الطفل علی الورثة بحصته قسم المیراث فاصاب الطفل عبد فباعه الوصی و قبض ثمنه فهلک العبد فی یده فاستحق العبد و اخذ المشتری الثمن من الوصی و رجع الوصی فی مال الطفل لانه عامله و یرجع الطفل علی الورثة بنصیبه مما بقی فی ایدیهم لان القسمة قد انتقضت و صار کان العبد لم یکن و لا یبیع وصی و لا یشتری الا بما یتغابن به اعلم انه یجوز للوصی ان یبیع مال الصبی و هو من المنقولات من الاجنبی بمثل القیمة و بما یتغابن الناس فیه و هو ما یدخل تحت تقویم المقومین و یجوز ان یشتری له من الاجنبی کذلک لا بالغبن الفاحش و اما الاشتراء من نفسه فان کان الوصی وصی الاب یجوز لا ان کان وصی القاضی لکن یشرط ان یکون للصغیر فیه منفعة ظاهرة. و فسر بان یبیع ماله عن الصغیر و هو یساوی خمسة عشر بعشرة او یشتری مال الصغیر لاجل نفسه و هو یساوی عشرة بخمسة عشر هذا عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ و اما عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ فلا یجوز بکل حال و اما بیع الاب مال الصغیر من نفسه فیجوز بمثل القیمة و بما یتغابن فیه و اما عقار الصغیر فان باعه الوصی من اجنبی بمثل القیمة یجوز هذا جواب المتقدمین و اختیار المتاخرین انه انما یجوز ان ارغب المشتری بضعف القیمة او للصغیر حاجة الی ثمنه او علی المیت دین لا یقضی الا بثمنه قالوا و به یفتی و اما الاب ان باع عقار صغیره بمثل القیمة ان کان محمودا عند الناس او مستور الحال یجوز فالقول بان بیع العقار من الاجنبی انما یجوز عند تحقق الشرائط المذکورة کرغبة المشتری بضعف القیمة و نحو ذلک یوذن بان بیعه من نفسه لا یجوز لان العقار من انفس الاموال فاذا باع من نفسه فالتهمة ظاهرة۔

ترجمہ:

اور ایسا وصی ضامن ہوگا جس نے ایسی شئی فروخت کی جس کے فروخت کرنے اور اس کے ثمن کو صدقہ کرنے کی وصیت کی گئی تھی پھر اس کا ثمن اس کے پاس ہلاک ہونے کے بعد کوئی مستحق نکل آیا اور وصی ترکے میں سے رجوع کرے گا ایک میت نے اس بات کی وصیت کی کہ یہ غلام فروخت کر دیا جائے اور اس کا ثمن صدقہ کر دیا جائے۔ چناں چہ وصی نے غلام فروخت کر دیا اور ثمن پر قبضہ کر لیا پھر وہ اس کے قبضے میں ہلاک ہوگیا پھر مشتری کے قبضے میں موجود غلام کا کوئی مستحق نکل آیا تو وصی ثمن کا ضامن ہوگا یعنی مشتری ثمن کا وصی پر رجوع کرے گا پھر وصی ترکے میں رجوع کرے گا اس لیے کہ وہ میت کے لیے کام کرنے والا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے فرمایا کرتے تھے وصی ترکے میں رجوع نہیں کرے گا اس لیے کہ وصی اس پر قبضہ کرنے کی وجہ سے ضامن ہوا ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بات کو طرف رجوع کر لیا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وصی ثلث میں رجوع کرے گا اس لیے کہ وصیت کا محل ثلث ہے جس طرح بچے کے مال میں ایسا وصی رجوع کرتا ہے جس نے ملنے والے ترکے کو فروخت کر دیا اور اس کے پاس اس کا ثمن ضائع ہوگیا پھر مبیع کا کوئی مستحق نکل آیا اور بچہ ورثہ پر اپنے حصے کو رجوع کرے گا یعنی میراث تقسیم کی گئی اور بچے کو ایک غلام ملا پھر وصی نے اس کو فروخت کر دیا اور اس کے ثمن پر قبضہ کر لیا پھر وہ غلام مشتری کے پاس ہلاک ہوگیا پھر غلام کا کوئی مستحق نکل آیا اور مشتری نے وصی سے ثمن کا رجوع کیا اور وصی بچے کے مال میں رجوع کرے گا اس لیے کہ وصی اس کے لیے کام کرنے والا ہے اور بچہ ورثہ پر اپنے حصے کا رجوع کرے گا جو ان کے قبضے میں باقی ہے اس لیے کہ تقسیم ٹوٹ گئی اور غلام نہ ہونے کی طرح ہوگیا اور وصی اتنے ہی مال کے ساتھ فروخت کرے گا یا خریدے گا جس میں تغابن کیا جاتا ہے تو جان لے وصی کے لیے بچے کے مال کو جو منقولی اشیاء سے ہو اجنبی کو مثل قیمت اور اتنی قیمت کے ساتھ جس میں لوگ دھوکہ کھا لیتے ہوں فروخت کرنا جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ بھاؤ لگانے والوں کے بھاؤ کے تحت داخل ہو اور وصی کے واسطے بچے کے لیے اجنبی سے اسی طرح خریدنا جائز ہے نہ کہ غبنِ فاحش کے ساتھ اور بہر حال اپنے مال کو خریدنا تو اگر وہ موصی باپ کا وصی ہو تو جائز ہے نہ کہ اگر قاضی کا وصی ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں صغیر کی منفعتِ ظاہری ہو اور اس کی یوں تعبیر کی جاتی ہے کہ وصی اپنا مال جو پندرہ درہم کا ہے صغیر کو دس دراہم کا فروخت کرے اور صغیر کا مال جو دس دراہم کا ہو اپنے لیے پندرہ دراہم کا خریدے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ بہر حال امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر حال میں ناجائز ہے اور بہر حال باپ کا صغیر کو اپنا مال فروخت کرنا مثلِ قیمت کے ساتھ اور اتنی قیمت کے ساتھ جس میں لوگ دھوکہ کھاتے ہوں جائز ہے اور بہر حال صغیر کی جائیداد (کا حکم یہ ہے) اگر وصی اجنبی کو مثل قیمت کے ساتھ فروخت کرے تو یہ جائز ہے یہ متقدمین کا جواب ہے اور متاخرین کا اختیار کردہ یہ ہے کہ یہ اسی وقت جائز ہے اگر وصی مشتری کو دگنے ثمن کی ترغیب دے یا صغیر کو اس کے ثمن کی ضرورت ہو یا میت پر دین ہو جو اسی کے ثمن کے ساتھ ادا کیا جا سکتا ہو۔ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس پر ہی فتوی دیا گیا ہے اور بہر حال باپ اگر اپنے صغیر بچے کی جائیداد مثلِ قیمت کے ساتھ فروخت کرے اگر باپ لوگوں کے نزدیک محمود ہو یا مستور الحال ہو تو یہ جائز ہے پس یہ کہنا کہ جائیداد اجنبی کو فروخت کرنا شرائطِ مذکورہ کے تحقق کے وقت ہی جائز ہے جیسے مشتری کو قیمت دگنی دینے کی رغبت اور اس جیسی شرائط اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ وصی کا اپنی ذات کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح:

و ضمن وصی ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے مرنے وقت کسی کو وصی مقرر کیا اور اسے یہ

وصیت بھی کی کہ میرا غلام فروخت کر کے اس کا ثمن صدقہ کر دینا۔ چناں چہ وصی نے وصیت کے مطابق غلام فروخت کیا اور اس کا ثمن صدقہ کر دیا پھر مشتری کے پاس غلام کا کوئی مستحق نکل آیا تو اب مشتری اپنے ثمن کا وصی سے رجوع کرے گا اور وصی ثمن ادا کر کے اس کا ترکے سے رجوع کرے گا کیوں کہ وصی نے میت کے حکم سے یہ کام کیا تھا چناں چہ اس کام سے ہونے والے نقصان کو بھی میت کے ترکے سے وصول کیا جائے گا۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ جب میت نے وصی کو غلام فروخت کر کے اس کا ثمن صدقہ کرنے کا کہا تھا تو گویا اس نے کہا یہ غلام میرا ہے۔ حالاں کہ غلام اس کا نہ تھا چناں چہ وصی نے جو نقصان ادا کیا ہے وہ میت پر دین ہے اور دیون ترکے میں سے ادا کیے جاتے ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مرجوع الیہ قول ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا پہلا قول یہ تھا کہ وصی نقصان کا ترکے میں سے رجوع نہیں کرے گا کیوں کہ وصی پر نقصان کی ذمہ داری اس کے قبضہ کرنے کی وجہ سے ہے لیکن بعد میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نزدیک وصیت کا محل ثلث ہے چناں چہ وصی صرف ثلث مال تک ترکے سے رجوع کرے گا اس سے زائد رجوع نہیں کرے گا۔ [الکفایہ:۶/۴۳۱]

کما یرجع فی ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مسئلہ بیان کر رہے ہیں جس کو ماقبل والے مسئلے سے تشبیہ دیا ہے مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت کسی کو وصی بنایا موصی کے ورثہ میں ایک صغیر بچہ بھی تھا چناں چہ موصی کی موت کے بعد مال تقسیم کیا گیا اور صغیر کے حصے میں ایک غلام آیا جس کو وصی نے فروخت کیا اور اس کے ثمن پر قبضہ کر لیا پھر غلام کا کوئی مستحق نکل آیا تو اب مشتری اپنے ثمن کا وصی سے رجوع کرے گا اور وصی صغیر کے مال میں سے رجوع کرے گا کیوں کہ وصی نے یہ کام صغیر کے لیے کیا تھا چناں چہ اسی کے مال سے نقصان لے گا اور صغیر ورثہ کے قبضے میں موجود مال سے اپنا حصہ لے گا کیوں کہ جب بچے کے حصے میں آنے والے غلام کا کوئی مستحق نکل آیا تو تقسیم ختم ہو گئی چناں چہ دوبارہ تقسیم ہو گی اور صغیر اپنا حصہ لے گا گویا کہ غلام کا وجود ہی نہ تھا۔

و لا یبیع وصی ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ وصی کے صغیر کے مال کی خرید و فروخت کا حکم بیان کر رہے ہیں اس کے تحت شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے پانچ باتیں بیان کیں ہیں۔

اعلم انه ...... سے پہلی بات بیان کر رہے ہیں کہ صغیر کا منقولی مال وصی کے لیے فروخت کرنا جائز ہے البتہ شرط یہ ہے کہ وصی مال کو مثل قیمت کے ساتھ فروخت کرے یا اتنی کمی کے ساتھ فروخت کرے جس میں لوگ دھوکہ کھا لیتے ہوں اور اس سے مراد اتنی کمی ہے جو بھاؤ لگانے والوں کے بھاؤ کے تحت داخل ہوتی ہو چناں چہ غبن فاحش کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح اگر صغیر کے لیے کوئی شئی اجنبی سے خریدے تو مثل قیمت یا اتنی زیادتی کے ساتھ خریدے جو متقومین کے بھاؤ کے تحت داخل ہو۔ غبنِ فاحش کے ساتھ خریدنا جائز نہیں ہے۔

اما الاشتراء ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ دوسری بات بیان کر رہے ہیں کہ اگر وصی صغیر کا مال بذات خود خریدے یا اپنا مال صغیر کو فروخت کرے تو اس میں تفصیل ہے وصی کو دیکھا جائے اس کو قاضی نے مقرر کیا ہے یا صغیر کے باپ نے مقرر کیا ہے اگر صغیر کے باپ نے مقرر کیا ہو تو وصی کے لیے صغیر کا مال خریدنا اور اس کو اپنا مال فروخت کرنا جائز ہے البتہ اگر اس کو قاضی نے وصی مقرر کیا ہو تو پھر جواز کی ایک شرط ہے کہ اس بیع و شراء میں صغیر کی منفعت ظاہرہ ہو اس منفعت ظاہرہ سے مراد یہ ہے کہ وصی اپنا پندرہ دراہم کی مالیت کا مال دس دراہم میں فروخت کرے یا صغیر کا دس دراہم مالیت کا مال اپنے لیے پندرہ دراہم کا خریدے۔ منفعت ظاہرہ کی یہ تفسیر امام زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ [شامی:۶/۷۰۹]

مذکورہ تفصیل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے جب کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وصی

کے لیے ہر حال میں یہ بیع وشراء ناجائز ہے۔

و امـا بیـع الاب...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ تیسری بات بیان کررہے ہیں کہ اگر صغیر کا والد صغیر کا مال بذات خود خریدے تو یہاں بھی یہی شرط ہے کہ وہ شئی مثل قیمت کے ساتھ خریدے یا اتنی کمی کے ساتھ خریدے جس میں لوگ دھوکہ کھاتے ہوں یہ بھی اس صورت میں ہے جب باپ صالح ہو۔

و امـا عـقـار الصغیر...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ چوتھی بات بیان کررہے ہیں کہ اگر صغیر کی جائیداد ہو اور وصی اس کو مثل قیمت کے ساتھ اجنبی کو فروخت کردے تو یہ جائز ہے۔ یہ متقدمین کا مذہب ہے جب کہ متاخرین کے نزدیک عقار کی بیع کی چند شرائط ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ مشتری جائیداد کو دگنی قیمت کے ساتھ خریدے یا صغیر کو جائیداد کے ثمن کی فوری ضرورت ہو یا صغیر کے باپ پر اتنا دین ہے جو اسی جائیداد کے ثمن سے ادا کیا جاسکتا ہے تو ان شرائط کی موجودگی میں وصی کا اجنبی کو جائیداد فروخت کرنا جائز ہے ان امور کے بغیر جائیداد فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مذکورہ مسئلے میں یہ قید لگائی گئی ہے کہ وصی اجنبی کو ان شرائط کے ساتھ فروخت کرسکتا ہے اس قید کا فائدہ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ "فـالـقـول بـان...... سے بیان کررہے ہیں کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ وصی اجنبی کو مذکورہ شرائط (مشتری دگنی قیمت دے یا ثمن کی فوری ضرورت ہو یا میت پر دین ہو) کرسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وصی بذات خود جائیداد خرید نہیں سکتا کیوں کہ جائیداد نفیس اموال میں سے ہے پس جب یہ خود خریدے گا تو اس میں تہمت ظاہر ہے کہ اس نے سستی لی ہوگی۔

و امـــا الاب...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ پانچویں بات بیان کررہے ہیں کہ اگر صغیر کا والد جائیداد کو مثلِ قیمت کے ساتھ فروخت کرے تو اب اگر وہ لوگوں کے ہاں صالح معروف ہو یا مستور الحال ہو تو یہ بیع صحیح ہے اور بالغ ہونے کے بعد صغیر کو بیع ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا جب کہ اگر والد غیر صالح ہو تو بالغ ہونے کے بعد بچے کو بیع ختم کرنے کا اختیار رہو گا۔ [شامی: ۶/۷۱۱]

تصحیح عبارت:

اس نسخہ میں عبارت "لان العقار من النفس" ہے جب کہ صحیح عبارت "لان العقار من انفس" ہے۔

عبارت:

و یـدفـع ماله مضاربة و شركة و بضاعة و يحتال على الاملاء لا على الا عسر و لا يقرض و يبيع على الكبير الـغـائـب الا الـعـقـار لان بيع ماله انما يجوز للحفظ و العقار محصن بنفسه و لا يتجر فى ماله لان المفوض اليه الـحـفـظ لا الـتـجـارة و وصى اب الطفل احق بماله من الجد فان لم يكن له وصى فالجد و لغت شهادة الوصين لـصغير بمال او كبير بمال الميت و صحت لغيره لان التصرف فى مال الصغير للوصى سواء كان من التركة او لـم يـكـن و اما مال الكبير فان لم يكن من التركة فلا تصرف للوصى فيه فيجوز الشهادة و ان كان من التركة لا يـجـوز الشهـادة عـنـد ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و يجوز عندهما لانه لا تصرف للوصى فى مال الكبير قلنا له ولاية الحفظ و ولاية البيع اذا كان الكبير غائبا كشهادة رجلين للأخرين بدين الف على ميت و الأخرين لاولين بـمثـلـه بـخـلاف الشهـادة بوصية الف و اللاولين بعبد و الأخرين بثلث ماله فانه يجوز الشهادة عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و محمد رحمه الله تعالىٰ و عند ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ لايجوز۔

ترجمہ:

اور وصی صغیر کا مال مضاربت اور شرکت اور مضاربت پر دے سکتا ہے اور وصی امیر پر حوالہ کرے گا نہ کہ تنگ دست پر اور قرض نہیں دے گا اور غائب کبیر پر فروخت کرے گا مگر جائیداد اس لیے کہ اس کے مال کی بیع صرف حفاظت کی وجہ سے ہوتی ہے اور جائیداد بذاتِ خود محفوظ ہے اور صغیر کے مال میں تجارت نہیں کرے گا اس لیے کہ وصی کے حفاظت سپرد کی گئی ہے نہ کہ تجارت بچے کے باپ کا وصی اس کے مال کا دادا سے زیادہ حق دار ہے اور اگر اس کے لیے وصی نہ ہو تو دادا احق ہے اور دو وصیوں کی صغیر کے لیے مال اور کبیر کے لیے میت کے مال کی گواہی دینا لغو ہے اور اس کے علاوہ کی گواہی صحیح ہے اس لیے کہ صغیر کے مال میں تصرف کرنا وصی کے لیے ہے خواہ مال ترکے سے ہو یا نہ ہو اور بہر حال کبیر کا مال اگر ترکے میں سے نہ ہو تو اس میں وصی کے لیے تصرف نہیں ہے چناں چہ گواہی جائز ہے اور اگر ترکے سے ہو تو گواہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اس لیے کہ وصی کے لیے کبیر کے مال میں تصرف نہیں ہے ہم نے کہا ولی کے لیے ولایتِ حفظ اور ولایتِ بیع ہے جب کہ کبیر غائب ہو جیسے دو آدمیوں کا دوسرے دو آدمیوں کے لیے میت پر ہزار دراہم دین کی گواہی دینا اور دوسرے دو کا پہلے دو کے لیے اسی مثل گواہی دینا برخلاف ہزار دراہم وصیت کی گواہی دینے کے ہے یا پہلے دو کے لیے غلام کی اور دوسرے دو کے لیے ثلثِ مال کی پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گواہی جائز ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح:

و یبیع علی ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر میت کے ورثہ کبیر ہوں اور غیر موجود ہوں تو اب وصی منقولی اموال فروخت کر سکتا ہے البتہ جائیداد فروخت نہیں کر سکتا کیوں کہ مال کو فروخت کرنا حفاظت کے لیے ہوتا ہے اور جائیداد بذاتِ خود محفوظ ہے۔

و لغت شهادة ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے مرتے وقت دو شخصوں کو وصی مقرر کر دیا اور میت کے ورثہ صغیر تھے یا کبیر تھے اب ان دونوں وصیوں نے صغیر کے لیے مطلق مال کی گواہی دی تو یہ گواہی لغو ہوگی کیوں کہ وصی کو صغیر کے مال میں تصرف حاصل ہوتا ہے خواہ مال ترکے میں سے ہو یا نہ ہو جب وصی کو مطلق مال میں تصرف حاصل ہے چناں چہ گواہی دینے میں تہمت ہے کہ یہ اپنے لیے حق ثابت کر رہا ہے اور اگر ورثہ کبیر ہوں اور یہ دونوں وصی کبیر ورثہ کے لیے میت کے مال کی گواہی دیں تو بھی یہ گواہی لغو ہوگی کیوں کہ کبیر کا مال جو ترکے سے ہو اس میں وصی کو تصرف حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی گواہی قبول نہ ہوگی اور اگر میت کے علاوہ دوسرے مال کی گواہی دیں تو گواہی قبول کی جائے گی کیوں کہ اس میں وصی کے لیے تصرف نہیں ہوتا چناں چہ گواہی قبول کی جائے گی یہ تفصیل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کبیر کے مال کے بارے میں مطلقاً گواہی قبول کی جائے گی کیوں کہ کبیر کے کسی مال میں وصی کو تصرف حاصل نہیں ہے۔ **قلنا له** ...... ہم نے یہ جواب دیا کہ جب کبیر موجود نہ ہو تو اس کے مال کی حفاظت اور فروخت کی ولایت وصی کو حاصل ہوتی ہے چناں چہ کبیر کا جو مال ترکے سے ہو اس میں وصی کو تصرف حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس بارے میں اس کی گواہی لغو ہوگی۔
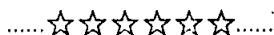
کشهادة رجلین ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ماقبل والی صورت کے ساتھ دوسری صورت کو تشبیہ دے رہے ہیں۔ صورت یہ ہے کہ زید اور عمرو نے بکر اور خالد کے لیے اس بات کی گواہی دی کہ ان دونوں کا میت پر ہزار دراہم دین ہے اور اسی طرح بکر اور خالد نے بھی

اس بات کی گواہی دی کہ زید اور عمرو کا میت پر ہزار دراہم دین ہے یہ دونوں گواہیاں قبول کی جائیں گی۔

بخلاف الشهادة ...... یعنی اگر زید اور عمرو اس بات کی گواہی دیں کہ میت نے بکر اور خالد کے لیے ہزار دراہم کی وصیت کی اور اسی طرح بکر اور خالد نے بھی گواہی دی کہ میت نے زید اور عمرو کے لیے ہزار دراہم کی وصیت کی تھی تو یہ دونوں گواہیاں لغو ہوں گی یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یعنی دین کی صورت میں گواہیاں مقبول اور وصیت کی صورت میں گواہیاں لغو ہیں جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح وصیت میں گواہیاں باطل ہیں اسی طرح دین کی صورت میں بھی باطل ہیں۔

[ھدایہ]

او للاولین ......اس کی صورت یہ ہے کہ زید اور عمرو نے اس بات گواہی دی کہ میت نے بکر اور خالد کے لیے غلام کی وصیت کی تھی جب کہ بکر اور خالد نے اس بات کی گواہی دی کہ میت نے زید اور عمرو کے لیے ثلث مال کی وصیت کی تھی تو یہ دونوں گواہیاں باطل ہیں اس صورت میں اختلاف نہیں ہے۔ فانه یجوز ......شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اختلاف ذکر کیا ہے اس کا تعلق دین والی صورت کے ساتھ ہے۔ ''بخلاف الشهادة'' کے بعد والی صورتوں کے ساتھ نہیں ہے جیسا کہ وہم ہو رہا ہے۔

......☆☆☆☆☆☆......

کتاب الخنثیٰ

عبارت:

و هو ذو فرج و ذكر فان بال من ذكره فذكر و ان بال من فرجه فانثى و ان بال منهما حكم بالا سبق و ان استويا فمشكل و لا تعتبر الكثرة هذا عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و قالا تعتبر الكثرة فان بلغ و خرج له لحية او وطى امرأة فرجل و ان ظهر له ثدى او فزل له لبن او حاض او حبل او وطى فانثى اى ان ظهر تلك العلامات فقط فذكر و ان ظهر هذه العلامات فقط فانثى و الا فمشكل اى ان لم يكن كذلك بان لم يظهر شئى من العلامات المذكورة او اجتمعت علامات الذكور مع علامات الاناث كما اذا خرجت لحية و ظهر له ثدى فمشكل و يقف بين صف الرجال و النساء فان قام فى صفهن اعاد و فى صفهم يعيد مَن بجنبيه و من خلفه بحذائه و صلى بقناع و لا يلبس حريرا او حليا ولا يكشف عند رجل و امرأة و لا يخلو به غير محرم رجل او امرأة و لا يسافر بلا محرم و كره للرجل و المرأة ختنته و تبتاع امة تختنه ان ملك ما لا و الا فمن بيت المال ثم تباع و ان مات قبل ظهور حاله لم يغسل و يتم من التيمم و هو جعل الغير ذا تيمم و انما لا يشترى له جارية تغسله لان الجارية لا تكون مملوكة له بعد الموت اذ لو كانت لجاز غسل الجارية لسيدها اذا لم يكن خنثىٰ و كان هذا اولى من غسل الرجل الرجل و لا يحضر مراهقا غسل ميت و ندب تسجية قبره قد مر معنى التسجية فى باب الجنائز و يوضع الرجل بقرب الامام ثم هو ثم المرأة اذا صلى عليهم ليكون جنازة المرأة ابعد من عيون الناس ثم الخنثى۔

ترجمہ:

اور خنثیٰ فرج اور ذکر والا ہوتا ہے پھر اگر وہ اپنے ذکر سے پیشاب کرے تو وہ مذکر ہے اور اگر وہ اپنے فرج سے پیشاب کرے تو وہ مؤنث ہے اور اگر ان دونوں سے پیشاب کرے تو اسبق کا حکم لگایا جائے گا اور اگر دونوں برابر ہوں تو مشکل ہے اور کثرت کا اعتبار نہیں ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کثرت کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر وہ بالغ ہو جائے اور اس کی داڑھی نکل آئے یا وہ عورت سے وطی کرے تو وہ مرد ہے اور اگر اس کے پستان ظاہر ہوں یا اس کے دودھ اتر آئے یا حیض آئے یا حمل ہو جائے یا وطی کی جا سکے تو وہ مؤنث ہے یعنی اگر فقط وہ علامات ظاہر ہوں تو مذکر ہے اور اگر فقط یہ علامات ظاہر ہوں تو مؤنث ہے ورنہ خنثیٰ

مشکل ہے یعنی اگر اس طرح نہ ہو اس طور پر کہ علاماتِ مذکورہ میں سے کچھ ظاہر نہ ہو یا مذکر کی علامات مؤنث کی علامات کے ساتھ جمع ہو جائیں جیسا کہ جب اس کی داڑھی نکل آئے اور اس کے پستان ظاہر ہوں تو مشکل ہے اور خنثیٰ مردوں اور عورتوں کی صف کے مابین کھڑا ہوگا اگر وہ عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوا تو نماز کا اعادہ کرے گا اور مردوں کی صف میں کھڑے ہونے کی صورت میں وہ شخص اعادہ کرے گا جو اس کے پہلو میں ہے اور جو اس کے مقابل اس کے پیچھے ہے اور خنثیٰ چادر کے ساتھ نماز پڑھے گا اور ریشم اور زیور نہیں پہنے گا اور مرد اور عورت کے پاس کشفِ ستر نہیں کرے گا اور غیر محرم مرد یا عورت اس کے ساتھ خلوت نہیں کرے گا اور خنثیٰ بلا محرم سفر نہیں کرے گا اور مرد اور عورت کے لیے اس کا ختنہ کرنا مکروہ ہے اور ایک باندی خریدی جائے گی جو اس کا ختنہ کرے گی اگر وہ مال کا مالک ہو ورنہ بیت المال سے باندی خریدی جائے گی پھر فروخت کردی جائے گی اور اگر اس کے حال کے ظاہر ہونے سے قبل خنثیٰ مرگیا تو اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور تیمم کرایا جائے۔ یہ ''تیمم'' سے ہے اور وہ دوسرے کو تیمم والا بنانا ہے اور سوائے اس کے نہیں کہ اس کے لیے باندی نہیں خریدی جائے گی جو اس کو غسل دے اس لیے کہ باندی موت کے بعد اس کی مملوکہ نہ ہوگی اس لیے کہ اگر اس طرح ہوتا تو باندی کا اپنے آقا کو غسل دینا جائز ہوتا جب کہ آقا خنثیٰ نہ ہو اور یہ مرد کے مرد کو غسل دینے سے اولیٰ ہے اور خنثیٰ میت کے غسل میں حاضر نہ ہوگا دراں حالکہ وہ مراہق ہو اور خنثیٰ کی قبر کی مسجہ کرنا مستحب ہے اور تسجیہ کے معنی باب الجنائز میں گزر چکے ہیں اور مرد کو امام کے قریب رکھا جائے گا پھر خنثیٰ کو پھر عورت کو جب ان سب پر اکٹھے نماز پڑھی جائے تاکہ عورت کا جنازہ لوگوں کی آنکھوں سے زیادہ دور ہو پھر خنثیٰ کا جنازہ دور ہو۔

تشریح:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں پہلے خنثیٰ کی وضاحت فرمائی ہے اس کے بعد خنثیٰ کے احکاماتِ شرعی ذکر کیے ہیں۔ مزید یہ بھی جان لیں کہ یہ احکامات صرف خنثیٰ مشکل کے ہیں کیوں کہ جس خنثی میں کسی ایک (مرد و عورت) کی علامات پائی جائیں وہ اسی کے حکم میں ہے۔

یہ احکامات شرعی مذکورہ عبارت میں بالکل سہل انداز میں مختصراً بیان کیے گئے ہیں جو شرح کے محتاج نہیں ہیں۔ البتہ ان میں تفصیل ہے جس کو دیکھنا نہایت ضروری ہے چوں کہ تفصیل ذکر کرنے سے شرح طویل ہو جائے گی چناں چہ اس کو ذکر نہیں کر رہا اس کو کتب فقہ میں دیکھ لیں۔ [شامی:۶/۷۲۷، نتائج الافکار:۹/۲۵۳۷]

عبارت:

فان ترکه ابوه و ابنا فله سهم و للابن سهمان و عند الشعبی رحمه اللّٰه تعالیٰ له نصف النصیبین و ذا ثلثة من سبعة عند ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ و خمسة من اثنی عشر عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ و اعلم ان عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ له اقل النصیبین ای ینظر الی نصیبه ان کان ذکر او الی نصیبه ان کان انثی فای منها یکون اقل فله ذلک ففی هذه الصورة میراثه علیٰ تقدیر الانوثة اقل فله ذلک فان ترکت زوجا و جدة و اخا لاب و ام هو خنثیٰ فعلی تقدیرا لانوثة له ثلاثة من سبعة و علی تقدیر الذکورة اثنان من ستة فله هذه لانه اقل ذلک لان الثلث اقل من ثلاثة الاسباع لان ثلث السبعة اثنان و ثلث واحد و ثلاثة اسباع السبعة ثلاثة و عند الشعبی رحمه اللّٰه تعالیٰ له نصف النصیبین ای یجمع بین نصیبه ان کان ذکرا و بین نصیبه ان کان انثی فله نصف ذلک المجموع ففسره ابو یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ بانه ثلاثة من سبعة لان له الکل علی تقدیر الذکورة

و النصف علی تقدیر الانوثة فصار واحد او نصفا فنصفه ثلاثة الارباع فیکون للابن الکل ان کان منفرداً وللخنثی ثلاثة الارباع فخرج الاربعة اربعة فالکل اربعة و ثلاثة الارباع ثلثة فصار سبعة بطریق العول للابن اربعة و للخنثی ثلاثة و ان شئت تقول له النصف ان کان انثی و الکل ان کان ذکرا فالنصف متیقن و وقع الشک فی النصف الاٰخر فالنصف صار ربعا فالنصف و الربع ثلاثة ارباع و فسر محمد رحمه الله تعالیٰ بانه خمسة من اثنی عشر لانه یستحق النصف مع الابن ان کان ذکرا و الثلث ان کان انثی و النصف و الثلث خمسة من ستة فله نصف ذلک و هو اثنان و نصف من ستة و وقع الکسر بالنصف فضرب فی اثنین صار خمسة من اثنی عشر و هو نصیب الخنثی و الباقی و هو السبعة نصیب الابن و ان شئت تقول الثلث ان کان انثی و النصف ان کان ذکرا و مخرجها ستة فالثلث اثنان و النصف ثلاثة فالاثنان متیقن و وقع الشک فی الواحد الاٰخر فالنصف صار اثنین و نصفا و وقع الکسر بالنصف فصار خمسة من اثنی عشر و ان اردتَ ان تعرف ان ثلثة من سبعة اکثر ام خمسة من اثنی عشر فلا بد من التجنیس و هو جعل الکسرین من مقام واحد فاضرب السبعة فی اثنی عشر صار اربعة و ثمانین ثم اضرب الثلثة فی اثنی عشر صار ستة و ثلثین فذلک هو الثلاثة من السبعة واضرب الخمسة فی سبعة صار خمسة و ثلاثین فهذا هوا الخمسة من اثنی عشر و الاول و هو ستة و ثلثون زائد علی هذا ای علی خمسة و ثلثین بواحد من اربعة و ثمانین فهذا هو التفاوت بین ما ذهب الیه ابو یوسف رحمه الله تعالیٰ و ما ذهب الیه محمد رحمه الله تعالیٰ۔

ترجمہ:

اگر خنثیٰ کے باپ نے خنثیٰ اور ایک بیٹا چھوڑا تو خنثیٰ کے لیے ایک حصہ ہے اور بیٹے کے لیے دو حصے ہیں اور امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خنثیٰ کے لیے دونوں حصوں کا نصف ہے اور یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سات حصوں میں سے تین ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ حصوں میں سے پانچ ہیں تو جان لے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لیے دونوں حصوں میں سے اقل ہے یعنی اس کے حصے کی طرف دیکھا جائے گا اگر وہ مذکر ہوتا اور اس کے حصے کی طرف دیکھا جائے گا اگر وہ مؤنث ہوتا پس ان میں سے جو اقل ہو تو وہی اس کا ہے پس اس صورت میں اس کی میراث انوثت کی تقدیر پر اقل ہے چناں چہ اس کے لیے یہ ہے پس اگر عورت نے شوہر اور دادی اور ماں باپ شریک بھائی چھوڑا جو خنثیٰ تھا پس مؤنث ہونے کی تقدیر پر اس کے لیے سات میں سے تین ہوں گے۔ اور مذکر ہونے کی صورت میں چھ حصوں میں سے دو ہوں گے تو اس کے لیے یہ ہے اس لیے کہ یہ اقل ہے کیوں کہ ثلث سات میں سے تین حصوں سے اقل ہے اس لیے کہ سات کا ثلث دو اور ایک کا ثلث ہے اور سات میں سے تین حصے تین ہیں اور امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لیے دو حصوں کا نصف ہے یعنی خنثیٰ کے حصے کو اگر وہ مذکر ہو اور اس کے حصے کو اگر وہ مؤنث ہو جمع کیا جائے گا تو اس کے لیے مجموعہ کا نصف ہوگا پس امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ اس کے لیے سات میں سے تین ہوں گے اس لیے کہ اس کے مذکر ہونے کی تقدیر پر کل مال ہوگا اور مؤنث ہونے کی تقدیر پر نصف ہوگا پس ایک حصہ اور نصف ہوا چناں چہ اس کا نصف چار میں سے تین ہے۔ لہٰذا بیٹے کے لیے کل مال ہوگا اگر وہ تنہا ہو اور خنثیٰ کے لیے چار میں سے تین ہیں پس چار کا مخرج چار ہے پس کل چار اور چار میں سے تین تین ہیں پس عول کے طریقے سے سات حصے ہوئے بیٹے کے لیے چار اور خنثیٰ کے لیے تین حصے ہوں گے اور

اگر تو چاہے تو یوں کہہ اس کے لیے نصف ہے اگر وہ مؤنث ہو اور سارا مال ہوگا اگر وہ مذکر ہو پس نصف متقین ہے اور دوسرے نصف میں شک ہے پس نصف ربع ہے لہٰذا نصف اور ربع چار میں سے تین ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تفسیر کی ہے کہ اس کے لیے بارہ میں سے پانچ حصے ہیں اس لیے کہ وہ بیٹے کے ساتھ نصف کا مستحق ہوگا اگر وہ مذکر ہو اور ثلث کا مستحق ہوگا اگر وہ مؤنث ہو اور نصف اور ثلث چھ میں سے پانچ میں چناں چہ خنثیٰ کے لیے اس کا نصف ہے اور وہ چھ میں دو اور نصف حصہ ہے اور نصف کے ساتھ کسر واقع ہوگئی چناں چہ اس کو دو میں ضرب دی جائے تو بارہ میں سے پانچ حصے ہوں گے اور یہی خنثیٰ کا حصہ ہے اور باقی جو سات حصے ہیں وہ بیٹے کا حصہ ہے اور اگر تو چاہے تو یوں کہہ اس کے لیے ثلث ہے اگر وہ مؤنث ہو اور نصف ہے اگر وہ مذکر ہو اور ان دونوں کا مخرج چھ ہے پس ثلث دو ہے اور نصف تین ہے چناں چہ دو متقین ہے دوسرے ایک میں شک واقع ہوا پس دو اور نصف ہوا نصف کے ساتھ کسر واقع ہوگئی۔ لہٰذا بارہ میں سے پانچ ہیں اور اگر تو چاہتا ہے کہ یہ بات جان لے کہ سات میں تین اکثر ہیں یا بارہ میں سے پانچ زیادہ ہیں تو تجنیس ضروری ہے اور وہ دو کسروں کو ایک مقام میں کرنا ہے چناں چہ سات کو بارہ میں ضرب دی جائے گی تو چوراسی ہوئے پھر تین کو بارہ میں ضرب دی جائے تو چھتیس ہوگئے پس یہ یہی سات میں سے تین ہیں اور پانچ کو سات میں ضرب دی جائے گی تو پینتیس ہوگئے پس یہی بارہ میں سے پانچ ہیں اور پہلا یعنی چھتیس اس پر یعنی پینتس پر ایک حصہ زائد ہے چوراسی میں سے پس یہی فرق ہے اس کے درمیان جس کی طرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ گئے ہیں اور جس کی طرف امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ گئے ہیں۔

تشریح:

فان ترکہ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ خنثیٰ مشکل کی میراث کا بہت اہم مسئلہ بیان کر رہے ہیں جس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اس کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک خنثیٰ مشکل تھا اب ان میں مال کی تقسیم کس طرح کی جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خنثیٰ کو دونوں حصوں میں سے جو اقل ہو وہ ملے گا یعنی غور کیا جائے گا اگر یہ خنثیٰ مرد ہوتا تو اس کو کتنا مال ملتا اور اگر یہ عورت ہوتا تو کتنا مال ملتا جس صورت میں کم مال مل رہا ہو خنثیٰ کو اسی کے حکم میں قرار دیا جائے گا اور اسی کا حصہ دیا جائے گا اب بعض صورتوں میں خنثیٰ کو عورت فرض کرنے کی صورت میں کم حصہ ملتا ہے اور مرد فرض کرنے کی صورت میں زیادہ حصہ ملتا ہے اور بعض صورتوں میں مذکر فرض کرنے کی صورت میں کم اور مؤنث فرض کرنے کی صورت میں زیادہ حصہ ملتا ہے اور ہر صورت میں خنثیٰ کو کم حصے والا قرار دیا جائے گا کتاب میں جو صورت ذکر کی گئی ہے۔ یعنی میت نے ایک لڑکا اور خنثیٰ چھوڑا اس صورت میں خنثیٰ کو اگر مذکر فرض کیا جائے تو زیادہ حصہ ملے گا اور اگر مؤنث فرض کریں تو کم حصہ ملے گا وہ اس طرح کہ مذکر فرض کرنے کی صورت میں مال دونوں کے مابین نصف نصف ہوگا اور مؤنث فرض کرنے کی صورت میں مال کے تین حصے کیے جائیں گے لڑکے کو دو اور خنثیٰ کو ایک حصہ ملے گا۔ لہٰذا اس صورت میں خنثیٰ کو مؤنث فرض کیا گیا ہے البتہ بعض صورتوں میں خنثیٰ کو مذکر فرض کرنے سے کم حصہ ملتا ہے اس کی مثال فان ترکت ...... سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہوا اور اس نے شوہر اور دادی اور ماں باپ شریک بھائی چھوڑا جو خنثیٰ مشکل تھا اب اگر خنثیٰ کو مؤنث فرض کیا جائے تو مال کے سات حصے کیے جائیں گے جن میں تین شوہر کو اور ایک حصہ دادی کو اور بقیہ تین حصے خنثیٰ کو ملیں گے اور اگر خنثیٰ کو مذکر فرض کیا جائے تو مال کے چھ حصے کیے جائیں گے جن میں سے تین حصے شوہر کے اور ایک حصہ دادی کا بقیہ دو

حصے جو چھ کا ثلث ہے خنثیٰ کے ہیں اور یہ ثلث (یعنی دو حصے) سات حصوں میں تین حصوں سے کم ہے۔ لان الثلث ...... سے اس کی دلیل بیان کی ہے کہ سات کا ثلث دو حصے مکمل اور ایک حصے کا ثلث ہے جب کہ سات حصے میں تین حصے پورے تین حصے ہیں جو اس سے زیادہ ہیں پس امام صاحب کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ خنثیٰ کو ہر صورت میں کم حصہ دیا جائے گا خواہ حصہ کم مرد مقرر کرنے کی صورت میں ہو یا مؤنث مقرر کرنے کی صورت میں ہو۔ [العنایۃ: ۹/۴۴۲، البنایۃ: ۱۶/۴۲۱]

و عند الشعبی ...... امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خنثیٰ مشکل کو دونوں حصوں (یعنی مرد و عورت کا حصہ) کا نصف ملے گا یعنی خنثیٰ کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں جو اس کا حصہ بنتا ہو اور اس کو مؤنث فرض کرنے کی صورت میں جو اس کا حصہ بنتا ہو تو دونوں کے مجموعہ کا نصف خنثیٰ کو ملے گا۔ امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مجمل ہے چناں چہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں سے ہر ایک نے اس کی تفسیر جدا بیان کی ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے کہ کل مال کے سات حصے کیے جائیں گے جن میں سے چار حصے لڑکے کے اور بقیہ تین حصے خنثیٰ کے ہوں گے۔ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل دو طرح بیان فرمائی ہے جو کہ علم میراث کے سمجھنے پر موقوف ہے البتہ بندہ اس کو صرف ایک طرح ذکر کرتا ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے خنثیٰ کی دونوں حالتوں (مذکر و مؤنث) کا الگ الگ اعتبار کیا ہے چناں چہ فرمایا کہ اگر یہ مذکر ہوتا تو تنہا ہونے کی صورت میں سارا مال اسی کا ہوتا اور اگر یہ مؤنث ہوتا تو تنہا ہونے کی صورت میں نصف مال اس کا ہوتا پس اس صورت میں چوں کہ اس کے ساتھ لڑکا بھی ہے۔ لہٰذا اب مذکر ہونے کی صورت میں کل مال کا نصف اور مؤنث ہونے کی صورت میں کل مال کا ربع ملے گا۔ چناں چہ اس کے لیے نصف اور ربع ہے پس مال کے کل سات حصے کیے جائیں گے جن میں چار حصے لڑکے کے ہوں گے اب چار کا نصف دو ہے اور ربع ایک ہے۔ لہٰذا بقیہ تینوں حصے خنثیٰ کے ہوں گے۔ مزید وضاحت ''سراجی'' میں ہے۔
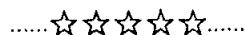
امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر:

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے کہ کل مال کے بارہ حصے کیے جائیں گے جن میں سے سات حصے لڑکے کے ہیں اور بقیہ پانچ حصے خنثیٰ کے ہیں۔ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی دو طرح دلیل بیان کی ہے جو علم میراث کے سمجھنے پر موقوف ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں خنثیٰ اگر مذکر ہوتا تو کل مال کا نصف ملتا اور اگر مؤنث ہوتا تو کل مال کا ثلث ملتا چناں چہ اب ہمیں اس طرح حساب کرنا ہے کہ اس کو نصف اور ثلث مل جائے چناں چہ چھ ایسا عدد ہے کہ اس کا نصف تین ہے اور ثلث دو ہے اب خنثیٰ کی مرد ہونے کی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کل مال نصف نصف ہوگا اور خنثیٰ کے مونث ہونے کی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کل مال اثلاثا (تین حصوں) میں ہوگا۔ لہٰذا نصف کے لحاظ سے تین تین کے دو حصے ہوں اور ثلث کے لحاظ دو دو کے تین حصے ہوں یعنی ایک لحاظ سے تین حصے اور ایک لحاظ دو حصے خنثیٰ کو ملیں پس دو حصوں کا ملنا یقینی ہے البتہ تیسرے کے بارے میں شک ہے۔ لہٰذا تیسرے حصے کو نصف نصف کیا جائے اس طرح خنثیٰ کو دو حصے مکمل اور ایک حصے کا نصف ملے گا لہٰذا کل مال کے چھ حصے بنانے کی صورت میں خنثیٰ کو ڈھائی حصے مل رہے ہیں اس میں کسر لازم آرہی ہے۔ لہٰذا ہم نے چھ کو دوگنا کر دیا تاکہ کسر زائل ہو جائے اور کل مال کے بارہ حصے بنا دیے اب بارہ کا نصف چھ اور ثلث تین ہے اب چوں کہ خنثیٰ کے ساتھ لڑکا بھی ہے۔ لہٰذا خنثیٰ کو لڑکا ہونے کی جہت سے تین حصے اور لڑکی ہونے کی جہت

سے دو حصے ملیں گے پس خنثیٰ کے کل پانچ حصے بنے اور بقیہ سات حصے لڑکے کے ہیں۔ مزید تفصیل ''سراجی'' میں آئے گی۔

و ان اردت...... چوں کہ اس تفسیر میں راجح قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے کیوں کہ اس میں خنثیٰ کو کم مال مل رہا ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کے مطابق خنثیٰ کو زیادہ مال مل رہا ہے۔ یہاں سے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ یہی فرق بیان کرر ہے ہیں اس طریقے کو تجنیس کہا جاتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے کل سات حصے بنائے تھے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بارہ حصے بنائے تھے۔ چناں چہ سات کو بارہ سے ضرب دیا جائے تو چوراسی (۸۴) حصے بنتے ہیں پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خنثیٰ کا حصہ تین ہیں۔ لہٰذا تین کو بارہ میں ضرب دی جائے تو چھتیس (۳۶) بنتے ہیں۔ چناں چہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ خنثیٰ کے حصے ہیں اور اب امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خنثیٰ کا حصہ پانچ ہے چناں چہ پانچ کو سات میں ضرب دی جائے تو پنتیس (۳۵) بنتے ہیں۔ چناں چہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ خنثیٰ کے حصے ہیں۔ پس امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کے مطابق خنثیٰ کو ایک حصہ زیادہ مل رہا ہے۔ لہٰذا یہی ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔

تنبیہ:

ایک بات جان لیں کہ یہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ ان دونوں نے امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تفسیر فرمائی ہے۔ چناں چہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب وہی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی پہلے یہی مذہب تھا لیکن ان کا مرجوع الیہ قول اسی تفسیر کے مطابق ہے یعنی کل مال کے سات حصے کیے جائیں گے۔ [العنایۃ: ۹/۴۴۴]

......☆☆☆☆☆......

مسائل شتی

عبارت:

کتابة الاخرس و ایماؤہ و بما یعرف به نکاحه و طلاقه و بیعه و شراؤہ و قودہ کالبیان اما الکتابة فهی اما غیر مستبین کالکتابة علی الهواء و علی الماء فلا اعتبار لها فاما مستبین غیر موسوم نحو ان یکون علی ورق شجراو علی جدارا و علی کاغذ لکن لا علی رسم الکتب بان یکون معنونا فهو کالکنایة لابد من النیة او القرینة کا لاشهاد مثلا و اما مستبین مرسوم بان یکون علی کاغذ و یکون معنونا نحو من فلان الی فلان فهذا مثل البیان سواء کان من الغائب او من الحاضر و لا یحد ای اذا اقر بما یوجب الحد بطریق الاشارة او قذف بطریق الاشارة و قالوا فی معتقل اللسان ان امتد ذلک و علم اشارته فکذا و الا فلا المعتقل اللسان هو الذی عرض له احتباس اللسان حتی لا یقدر علی الکلام فعند الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ حکمه حکم الاخرس و عند اصحابنا رحمه اللّٰه تعالیٰ ان امتد ذلک و علم اشاراته کان حکمه حکم الاخرس و الا فلا و قدر الامتداد بسنة و قیل بان یبقی الی زمان الموت قیل و علیه الفتوی و فی غنم مذبوحة فیها میتة و هی اقل تحری و اکل فی الاختیار انما قال فی الاختیار لانه یحل اکل المیتة فی حال الاضطرار و قال الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ لا یباح التناول لان التحری دلیل ضروری و لا ضرورة هٰهنا قلنا التحری یصار الیه لدفع الحرج و اسواق المسلمین لا تخلوا عن المسروق و المغصوب والمحرم و مع ذلک یباح التناول اعتماد اعلی الغالب واللّٰه اعلم بالصواب۔

ترجمہ:

گونگے کی کتابت اوراس کا اشارہ اوراس شئی کے ساتھ جس سے اس کا نکاح اور طلاق اور بیع اور شراء اور قصاص پہچانا جائے یہ بیان کی طرح ہے بہرحال کتاب یا تو غیر مستبین ہوگی جیسے ہوا اور پانی پر لکھنا تو اس کا اعتبار نہیں ہے یا مستبین غیر مرسوم ہوگی جیسے درخت کے پتے پر یا دیوار پر یا کاغذ پر ہو لیکن لکھنے کے طرز پر نہ ہو اس طور پر کہ معنون ہو تو یہ کنایہ کی طرح ہے تو نیت یا قرینہ ضروری ہے جیسے گواہی دینا اور یا مستبین مرسوم ہوگی اس طور پر کہ وہ کاغذ پر ہو اور معنون ہو جیسے فلاں سے فلاں کی طرف تو یہ بیان کی طرح ہے خواہ غائب کی طرف سے ہو یا حاضر کی طرف سے ہو اور حد نہیں لگائی جائے گی یعنی جب گونگا اشارے کے طریقے سے ایسی شئی کا اقرار کرے جو حد واجب کرے یا اشارہ کے ساتھ تہمت لگائے اور فقہاء نے فرمایا معتقل اللسان کی صورت میں اگر یہ لمبا ہو جائے اور اس کے اشارات معلوم ہوں تو اسی طرح ہے ورنہ نہیں۔ معتقل اللسان وہ ہے جس کو احتباسِ لسان پیش آئے یہاں تک کہ وہ کلام پر قادر نہ ہو پس امام

شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا حکم اخرس کا حکم ہے اور ہمارے اصحاب کے نزدیک اگر یہ ممتد ہو جائے اور اس کے اشارات معلوم ہوں تو اس کا حکم اخرس کا حکم ہے ورنہ نہیں اور امتداد کی مقدار ایک سال سے مقرر کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ موت کے زمانے تک باقی رہے کیا گیا ہے اسی پر فتویٰ ہے اور ایسی مذبوحہ بکریوں میں جن میں ایک مردار ہوں وہ اقل ہوں تو تحری کی جائے گی اور حالتِ اختیار میں اس کو کھایا جائے گا۔ سوائے اس کے نہیں "فی الاختیار" کہا اس لیے کہ مردار کو حالت اضطرار میں کھانا حلال ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کھانا حلال نہیں ہے اس لیے کہ تحری دلیلِ ضروری ہے اور یہاں ضرورت نہیں ہے ہم نے کہا تحری کی طرف حرج دفع کرنے کے لیے جایا جائے گا اور مسلمانوں کے بازار مسروق اور مغصوب اور محرم اموال سے خالی نہیں ہوتے اور اس کے باوجود غالب پر اعتماد کرتے ہوئے کھانا حلال ہے۔

تشریح:

اکثر مصنفین کا طرز یہ ہے کہ ماقبل میں جو مسائل رہ جاتے ہیں ان کو "مسائل شتی" کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں چنانچہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس عنوان کے تحت تین مسئلے بیان کیے ہیں۔

کتابة الاخرس ...... سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ گونگا کوئی بات لکھ کر ذکر کرے تو بیان شمار ہوگا البتہ کتابت تین قسم کی ہے۔

پہلی قسم یہ ہے کہ کتابت غیر مستبین ہو جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا اس کتابت کا اعتبار نہیں ہے یہ کلام غیر مسموع کی طرح ہے اس سے کوئی حکم متعلق نہیں ہوتا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کتابت مستبین غیر مرسوم ہو جیسے دیوار اور درخت پر لکھنا یا کاغذ پر غیر متعارف طریقے سے لکھنا تو یہ کنایہ ہے۔ لہٰذا اس کے لیے نیت یا قرینہ ضروری ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ کتابت مستبین مرسوم ہو جیسے کاغذ پر عنوان لگا کر متعارف طریقے سے لکھنا یہ لکھنا حجت ہے اس سے احکامات متعلق ہوتے ہیں یہ بیان کی طرح ہے خواہ اخرس غائب ہو یا حاضر ہو۔

اسی طرح گونگے کا اشارہ معتبر ہے جب کہ قاضی اس کو پہچان لے یا جو اس کو پہچانے وہ قاضی کو اس کی مراد سمجھا دے چناں چہ کتابت اور اشارے سے نکاح، طلاق، بیع وشراء وغیرہ احکام ثابت ہوں گے۔

و قالوا فی معتقل ...... فقہاء کرام نے معتقل اللسان کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر اس کی زبان کا رکنا طویل ہو جائے اور اس کے اشارے معلوم ہوں تو اخرس کی طرح اس کے اشارے بھی بیان شمار ہوں گے زبان کے رکنے کے طویل ہونے کی مدت میں اختلاف ہے۔ امام تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک سال ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ موت تک زبان رُک جائے اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ احناف کا مذہب ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معتقل اللسان مطلقا (خواہ اس کا احتباس طویل ہو یا نہ ہو یا اس کے اشارے معلوم ہوں یا نہیں) اخرس کی طرح ہے۔

و فی غنم ...... یعنی کئی مذبوح بکریاں رکھی ہوئی ہیں جن میں سے کچھ مردار بھی ہیں تو اب اگر مردار بکریاں اقل ہو تو حالت اختیار (یعنی اضطرار نہ ہو) میں تحری کرے اور کھالے اور اگر مردہ بکریاں زیادہ ہوں تو تحری نہ کرے بشرطیکہ حالتِ اختیار ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کسی صورت میں کھانا حلال نہیں ہے اس لیے کہ تحری کرنا بوقت ضرورت ہوتا ہے اور یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حرج دور کرنے کے لیے تحری کی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے بازار مسروقہ، مغصوبہ، محرمہ اموال سے خالی نہیں ہوتے اس کے باوجود غلبہ کا اعتبار کرتے ہوئے تمام اموال استعمال کرنا صحیح ہیں۔ **واللہ اعلم بالصواب**

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. وتب علینا انک انت التواب الرحیم.

تم الجزء الرابع والاخیر بتوفیق اللّٰہ تعالیٰ و بفضلہ.

نسال اللّٰہ تعالیٰ ان یھدینا الی الصراط المستقیم و یدعنا علی الحق القویم و یمتعنا بالنظر الی وجھہ الکریم فی جوار نبیہ الکریم علیہ افضل الصلوۃ و اتم التسلیم امین.

بمطابق اختتام: بروز جمعۃ المبارک ۲۲ر ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

بمقام جامعہ دارالعلوم کراچی

حرف آخر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم.

اما بعد!

محض اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے یہ شرح اپنے اختتام کو پہنچی۔ بندہ پیشِ لفظ میں ذکر کر چکا ہے کہ جس سال بندہ نے ''شرح الوقایۃ'' پڑھی اس سال اس کی کوئی شرح نہ تھی چناں چہ میرے استادِ محترم مفتی محمد طارق بشیر صاحب مدظلہ ''ہدایہ'' کی عربی شروح اور دیگر عربی کتب فقہ سے استفادہ کر کے پڑھاتے تھے اور بندہ نے انہی کے زیرِ نگرانی کتب فقہ سے استفادہ کرنا سیکھا۔

چناں چہ جب بندہ درجہ خامسہ میں آیا تو بندہ کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ''شرح الوقایہ'' کی عربی کتب فقہ سے آسان انداز میں شرح لکھی جائے جس سے پیچیدہ مسائل بھی حل ہو جائیں اور جس جگہ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ سے تسامح ہوا ہے اس کو بھی بیان کر دیا جائے۔ لہٰذا اسی سال بندہ نے عربی کتبِ فقہ (جن کا ذکر پیشِ لفظ میں گزر چکا) سے استفادہ کر کے ''فتح الوقایہ'' کی پہلی جلد لکھی اور درجہ سادسہ کے سال بندہ نے جامعہ بنوریہ میں فتح الوقایۃ کی دوسری جلد تحریر کی اور تیسری اور چوتھی جلد درجہ سابعہ اور دورۂ حدیث کے سال جامعہ دار العلوم کراچی میں تحریر کی جو دورۂ حدیث کے سال کے شروع میں اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے مکمل ہوگئی۔ **فللّٰہ الحمد**

اب گزارش یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے علاوہ کسی کی بات حرفِ آخر نہیں ہوتی بلکہ اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے چناں چہ ممکن ہے کہ اس شرح میں کسی مسئلہ کی وضاحت کے تحت بندہ سے غلطی ہوئی ہو اہلِ علم حضرات پر گزارش ہے کہ جس جگہ غلطی پائیں تو بندہ یا ناشرِ کتاب کو اطلاع کر دیں۔ جو حضرات اس شرح میں غلطیوں کی نشاندہی فرمائیں گے وہ بندہ پر بڑا احسانِ عظیم کریں گے جس کے لیے میں ان کا شکر گزار رہوں گا اور ان شاء اللہ جلد ہی غلطیوں کی اصلاح کر دی جائے گی۔ دوسری عرض یہ ہے کہ اس شرح کی نظرِ ثانی میں کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں جن کو آئندہ ایڈیشن میں درست کر دیا جائے گا۔ **ان شاء اللہ**